قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی
اھلبیتیؑ ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی وانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض
(حدیث نبوی متواتر)
کتاب مستطاب
تحقیقات الفریقین
فی
حدیث الثقلین
تصنیف وتالیف
صدر المحققین حضرت آیۃ اللہ علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر والزمان مدظلہ العالی
ناشر
مکتبۃ السبطین 296/9 بی سیٹلائیٹ ٹاؤن سرگودھا

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی اہلبیتیؑ ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی و انہما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض

(حدیث نبوی)

تصنیف وتالیف

صدر المحققین حضرت آیۃ اللہ علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر والزمان مدظلہ العالی

مکتبۃ السبطین 296/9 بی سیٹلائیٹ ٹاؤن سرگودھا

باسمہ تعالیٰ

انتساب

مصنفین ومولفین کے عمومی طریقہ کے پیش نظر اگر ہر مصنف ومؤلف کے۔ لیے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنی تصنیف وتالیف کو کسی بزرگ شخصیت کی طرف منسوب کرے تو میں حضرت امیر المومنین وامام المتقین علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کے جوار مہبط انور میں مقیم ہونے اور دیگر چند وجوہ کے سبب سے اس نسبت کے لئے آنجناب سے زیادہ کسی اور شخصیت کو موزوں نہیں سمجھتا لہٰذا نہایت عجز ونیاز کے ساتھ اپنی اس ناچیز کتاب کو ان کی بارگاہ قدس میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں اور ان کے تلطفاتِ کریمانہ و تفضلات مشفقانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی نگاہِ لطف وکرم کی اُمید کرتا ہوں

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

اور اس حقیر ہدیہ کو شرف قبولیت بخشنے کی اُمید کامل درجاء واثق رکھتا ہوں

کردہ ام ایں نذر مولائے حق
گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

غلام غلامانِ علی: احقر محمد حسین النجفی

۱۱صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

نام کتاب : تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین
تصنیف : علامہ الشیخ الحاج محمد حسین النجفی قبلہ مجتہد العصر
طبع و ناشر : مکتبہ السبطین ۹/۲۹۶۔بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا
فون نمبر : ۰۴۸۔۳۲۱۷۱۶۱
قیمت :

ملنے کا پتہ

مکتبة السبطین 296/9 بی سیٹلائیٹ ٹاؤن سرگودہا

فہرست مضامین

(پیش لفظ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی جعلنا من المتمسکین بالثقلین وا لصلوة والسلام علی نبیه الفائز فی الدارین و علی اخیه و خلیفته الذی ردت (۱) له الشمس مرتین و آله سادة الکونین ولعنته الدائمة علی اعدائهم المخذولین فی النشاتین.

امابعد اقل خدمہ علم وحملہٴ حدیث احقر محمد حسین النجفی صانہ اللہ عن کل شین ومین ارباب دانش وبینش کی خدمت میں ملتمس ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ عہد نبوت حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تاامروز جوشہرت وعظمت اور اہمیت حدیث ثقلین کو اہل اسلام کے انظار عالیہ میں حاصل ہے وہ بہت ہی کم کسی اور حدیث کو حاصل ہوئی ہوگی۔ ارباب دانش وبینش نے جو تحقیق و تدقیق اس حدیث کے فہم معانی وتشئید مبانی اخراج نکات عالیہ ومطالب غالیہ میں کی ہے وہ بہت کم کسی اور حدیث کے متعلق عمل میں لائی ہوگی۔ قرن اول سے آج تک کے علماء اعلام باوجود اپنے باہمی اختلافات کے اپنے اپنے مسانید ومعاجم اور کتب احادیث وتفاسیر وسیر وتواریخ میں برابر اس حدیث کو باسانید صحیحہ وطرق عدیدہ نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھتے چلے آئے ہیں۔ آج تک کسی متدین ومستند عالم نے کہیں اس کے اسناد میں کوئی خدشہ ومناقشہ کرکے اس کی صحت میں شک وشبہ نہیں کیا۔ بلکہ بعض علماء محققین نے اس کے متواتر ہونے کی صراحت کی ہے۔

۱؎ واضح ہو کہ حضرت امیر المومنین کا معجزہ ردالشمس ان معجزات میں سے ہے جس پر علماء اسلام نے مستقل رسائل تالیف کیے ہیں۔ چنانچہ ابوالقاسم حسکانی نیشاپوری حنفی نے رسالہ موسوم بہ مسئلۃ فی تصحیح ردالشمس وترغیم الناصبی الشمس اسی طرح حافظ جلال الدین سیوطی نے ایک رسالہ کشف اللبس عن حدیث ردالشمس اور حافظ ابوالفتح موصلی نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔ جیسا کہ صاحب کفایۃ الطالب نے ذکر کیا ہے علاوہ بریں ضمنی طور پر مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں مشکل الآثار تالیف محدث طحاوی جلد ۲ ص ۱۱ المعجم کبیر طبرانی، تاریخ نیشاپور امام حاکم نیشاپوری تفسیر ثعلبی مناقب ابن مردویہ دلیل النبوۃ بیہقی، شفا قاضی عیاض تذکرہ خواص الامہ ادلہ سبط ابن جوزی، صواعق محرقہ ابن حجر مکی وغیرہ وغیرہ۔ (منہ عفی عنہ)

(جیسا کہ یہ تمام امور ہمارے آئندہ بیانات میں محقق ومبرھن ہونگے انشاء اللہ) ہاں البتہ ہمارا یہ قرن چہاردہم جہاں اور بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔ وہاں اس کے چند نہائت بین اور واضح خصوصیات یہ بھی ہیں۔ کہ اس میں جہل ونادانی کا رواج ہے۔ علم وعرفان کی نایابی ہے بے دینی اور بددیانتی کا دور دورہ ہے۔ دین ودیانت بے نام ونشان ہے۔ کذب وافتراء کی فراوانی ہے۔ صدق و صفا کا قحط ہے۔ ضلالت واضلال کی گرم بازاری ہے ہدائیت ورہنمائی کا چراغ خاموش ہے۔ تدلیس وتلبیس کی شہرت ہے اور حق وحقیقت پر بادل سیاہ چھائے ہوئے ہیں۔ (الامن صانہ اللہ و قلیل ماھم) اور خاندان نبوت ورسالت علیھم السلام کے فضائل ومناقب ومدائح ومحامد بلکہ ان کی نصوص قطعیہ امامت وخلافت میں بے جا تشکیکات اور رکیک اعتراضات کر کے ان کے ساتھ اپنی باطنی وداخلی نصب وعداوت کا اظہار اور احادیث مسلمہ ومتواترہ کا انکار کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس بایں ہمہ بعض متجددین اس دور کو دور ارتقاء وروشنی اور اس عصر کو عصر طلائی وبلند نظری کا عہد قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے۔ ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

یہ متعدی مرض روز بروز زوروں پر ہے اور اپنے زہریلے جراثیم پھیلا کر فضائے عالم کو مکدر کر رہا ہے۔ بدقسمتی سے سب ممالک سے زیادہ یہ مرض ہمارے پاکستان میں پایا جاتا ہے۔ قرائن قطعیہ سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص پولیٹیکل (تنظیم) کے ماتحت اس آتش مرض کو ہوا دے کر خداداد نوزائیدہ مملکت میں باہمی مخاصمت ومنافرت کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کیا جارہا ہے۔ ملک وملت کو خطرہ میں ڈال کر اس کی بقاء وسالمیت کی جڑوں کو کھوکھلا کیا جارہا ہے۔ واللہ المستعان آئے دنوں مشاہدہ کیا جارہا ہے۔ کہ سواد اعظم کے بعض جرائد واخبار بعض فرسودہ اختلافی مسائل اور بیسیوں مرتبہ کے مردودہ دلائل کو شائع کر کے مسلمانوں کے اندر افتراق انشقاق پیدا کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔ بعض اقلیتوں کے مذہبی مسلمات وعقائد اور دینی نظریات و شعائر پر بے جا تنقیدات کر کے ان کے جذبات کو مجروح کیا جارہا ہے اس پر طرہ یہ کہ اگر بمقتضائے طبیعت بشری یہ مظلوم فرقہ اینٹ کا جواب اینٹ سے (نہ پتھر سے) بھی دینا چاہے تو ارباب

حکومت کے ابواب پر دستک دے کران کی ہتک حرمت کی مشئوم سعی کی جاتی ہے اوران کے اخبار و رسائل پر پابندیاں عائد کرائی جاتی ہیں اوران پر بڑے بڑے جرمانے عائد کیے جاتے ہیں۔

ہم آہ بھی جو کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

یریدیون لیطفؤا نور الله بافواھھم والله متم نوره ولو کره المشر کون.

خلاصہ کلام یہ کہ جہاں ان کی ستم ظریفیوں اور چیرہ دستیوں سے اور بہت سی مسلمہ احادیث وروایات کا خون ناحق ہوا وہاں حدیث ثقلین بھی ان کے دست تصرف سے محفوظ نہ رہ سکی چنانچہ پندرہ روزہ رسالہ الفاروق (چوکیرہ ضلع سرگودہا) کی اشاعت ۱۵ جون ۱۹۵۸ء میں حدیث ثقلین پر بالاقساط تنقیدی طویل مضمون بعنوان ''تحقیق حدیث ثقلین'' معاون مدیر جریدہ جناب مولوی اللہ یار چکڑالوی کے قلم سے شائع ہوا ہے ملا صاحب کا مضمون دو قسطوں پر مشتمل ہے ہمیں اس کی پہلی قسط دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا فقط دوسری قسط ہماری نظر سے گزری ہے لیکن دوسری قسط میں انہوں نے اپنے تمام مضمون کا جو خلاصہ درج کردیا ہے۔ اس سے تمام مضمون کا ماحصل سامنے آجاتا ہے۔ موصوف کے نام کے ساتھ یہ القاب مذکور ہیں۔ (ازقلم حقیقت رقم فاتح اعظم مولانا اللہ یار خان صاحب سکنہ چکڑالہ ضلع میانوالی) اس مضمون کو دیکھ کر ہمارے تحیر وتعجب کی کوئی حد نہ رہی۔ مضمون نگاری مولوی اللہ یار کی دریدہ دہنی سینہ زوری اور اس مسلم عند الفریقین حدیث کی صحت میں خدشہ کرنے کی جرات اوراس نص امامت سے انکار کرنے کی جسارت دیکھ کر

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است

باوجودیکہ اس قسم کے بودے اشکالات اور اعتراضات کے جوابات میں ہمارے علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم نے کئی کئی جلدیں لکھ دی ہیں لیکن ان تمام مدلل جوابات سے قطع نظر کر کے بجائے جواب الجواب لکھنے کے اپنے فرسودہ شکوک کی تکرار کرکے عوام کالانعام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا کس قدر ستم ظریفی وحق کشی اور ہٹ دھرمی اور سینہ زوری ہے سچ ہے اذالم تستح فاصنع ماشئت میں اپنے درس وتدریس، تعلیم وتعلم اور دیگر علمی مشاغل کی کثرت سے بہت ہی قلیل الفرصت اور کلیل الفوائد تھا لیکن حضرت امیر المومنینؑ کے جوار پر انوار میں رہ کران کے اور

ان کی اولاد امجاد صلوۃ اللہ علیہم الی یوم التناد کے فضائل و محامد بلکہ نصوص قطعیہ امامت و وصایت کا آشکارا طور پر انکار اوران کی ذوات مقدسہ پر تلمیح و کنایہ سے بے جا تنقید کی بھرمار دیکھ کر تاب صبر و توانائی ضبط نہ لا سکا طرفہ یہ کہ مجھے یہ رسالہ ایسے وقت میں ملا اور اسے پڑھنے کا اتفاق ہوا کہ جب میں بقصد زیارت اور ادائیگی فریضہ مغربین آنجناب کے حرم اقدس میں موجود تھا۔ چنانچہ اسی وقت میں نے اپنے امام عالی مقام علیہ الصلوۃ والسلام سے یہ عہد و پیمان کرلیا کہ ہر چہ بادا باد میں اپنی پہلی فرصت میں اس حدیث شریف کے متعلق مستقل کتاب لکھوں گا جس میں الفاروق کے مضمون نگار کی تشکیکات واہیہ کو من و عن نقل کر کے ان کا ایسا قلع قمع کیا جائیگا کہ پھر کسی منصف مزاج مخالف کو چون و چراں کرنے کا موقع نہ ملے گا اس کے ساتھ ساتھ اس ضمن میں علمائے فریقین کے آراء و تحقیقات بھی درج کیے جائیں گے۔ اور اس حدیث کے ان مطالب و معانی سے نقاب کشائی کی جائیگی جو کسی وجہ سے تاحال زاویہ خمول و خفاء میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو مطالب و مقاصد اور نکات و معانی اس راقم آثم کے خاطر فاتر میں آئیں گے۔ ان کو بھی ارباب علم و فہم کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ شائد کہ یہ سعی بارگاہ ایزدی میں قبول ہو جائے اور اس طرح اس قال و قیل کا کچھ سدباب ہو جائے۔ چار پانچ دن گزرنے کے بعد آج بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ بتوفیقہ تعالیٰ اس رسالہ شریفہ و عجالہ منیفہ کی تحریر میں مشغول ہوا اور اس کا نام "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" تجویز کیا ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور چند ابواب پر مشتمل ہے۔ ارباب دانش و بینش سے التماس ہے کہ اگر یہ رسالہ پسند خاطر ہو اور اس کو علمی و اصلاحی لحاظ سے موافق مقصود پائیں تو اسے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے جوار پر انوار کے برکات غیر متناہیہ کا ایک ذرہ بے مقدار سمجھیں اور اگر اس میں کسی قسم کی کوئی لغزش یا فروگذاشت ان کی نظر اشرف سے گزرے تو اس کو میری ذاتی کمزوری پر حمل کریں۔

و من ذالذی ترضی سجایاہ کلھا
کفیٰ المرء نُبلاً ان تعد معایبہ

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وانا الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ نزیل النجف الاشرف ۱۱ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ۔

مقدمہ

(جو کہ چند مطالب پر مشتمل ہے)

مطلب اول:

اہلسنت کی وہ تمام احادیث جن کے ساتھ ہم تمسک کرتے ہیں۔ عموماً اور فضائل و مناقب اہلبیتؑ اور ان کے اعداء کے مثالب و مطاعن والی روایت خصوصاً بنا بر اصول روایت و درایت ان پر حجت ہیں۔ اور انہیں اپنے اصول مذہب کی بنا پر ان روایات میں کسی قسم کا مناقشہ و خدشہ کرنے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اور ایسا چند وجوہ کی بنا پر ہے۔

(اولاً) اس لیئے کہ ایسی روایات یا تو ان کے کتب صحاح ستہ میں موجود ہوں گے۔ یا دوسرے کتب میں اگر صحاح ستہ میں ہوں تو پھر ان کو قبول کرنے میں ہرگز کسی چوں و چرا اں و تامل و تردد کی قطعاً کوئی وجہ نہیں کیونکہ تمام علمائے اعلام اہل سنت کا اتفاق و اجماع ہے کہ صحاح ستہ کے تمام احادیث صحیح اور مجمع علیہ ہیں اگرچہ یہ امر بالکل واضح ولائح ہے تاہم مزید اطمینان کے لیے ان کے چند اکبار علماء کی شہادتیں یہاں قلمبند کی جاتی ہیں۔

(۱) فضل بن روز بہان اپنی مشہور آفاق کتاب ابطال الباطل میں اخبار شیعہ پر طعن کرنے اور اپنے اخبار کی صحت کے ضمن میں لکھتے ہیں" و لیس اخبار الصحاح الستہ مثل اخبار الروافض فقد اجمع العلماء علی صحتها" یعنی ہماری صحاح ستہ کی روایتیں رافضیوں کی روایات کی طرح نہیں کیونکہ ہمارے علماء کا ان صحاح ستہ کی روایات کی صحت پر اجماع واتفاق ہے یہی فضل بن روز بہان اسی کتاب مذکور میں صحاح ستہ کے متعلق یہاں تک لکھ گئے ہیں" واما صحاحنا فقد اتفق العلماء ان کلما عد من الصحاح سوی التعالیق

فی الصحاح الستہ لو حلف الطلاق انہ من قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم او من فعلہ او تقریرہ لم یقع الطلاق و لم یحنث ''یعنی تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ہر وہ روایت جو صحاح ستہ میں موجود ہے۔ سوائے تعلیقات کے اگر ان کے متعلق کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ اگر یہ تمام روایات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول وفعل نہ ہوں۔ تو میری بیوی کو طلاق ہو جائے۔ تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ ہی قسم ٹوٹے گی۔''

(۲) نواب صدیق حسن خان بھوپالی اپنی کتاب سراج وہاج میں صحیح مسلم کی توثیق کے ضمن میں رقمطراز ہیں۔ ''کتابہ ھذا تلو الصحیح البخاری و ھما اصح الکتب بعد القران العظیم کما تقدمت الاشارۃ الیہ و من یھون امر ھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین و ھذہ صحف اھل العلم تنطق بذالک کما حررناھا فی مؤلفتنا فراجعھا'' یعنی امام مسلم کی صحیح مسلم صحت واعتبار میں بخاری شریف کے لگ بھگ ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں قرآن عظیم کے بعد تمام کتابوں سے زیادہ صحیح ہیں۔ جو شخص ان کی عظمت وجلالت کو معمولی سمجھے (یعنی ان کے صحیح ہونے میں شک وشبہ کرے) تو وہ بدعتی ہے اور غیر مومنین کے راستہ کا اتباع کرنے والا ہے علما کی کتابیں میرے قول کی تائید کر رہی ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے تالیفات میں ان کو لکھ دیا ہے ان کی طرف رجوع کیجیے۔

(۳) شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ان کتابوں کی صحت میں خدشہ کرنے والے کو بدعتی اور مومنین کے راستے سے عدل کرنے والے کا لقب مرحمت فرمایا ہے۔ انہی تین شہادتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ عیاں راچہ بیاں ان علماء اعلام کی تصریحات سے معلوم ہوگیا۔ کہ جو شخص سنی ہوتے ہوئے صحاح ستہ کی کسی حدیث میں کسی قسم کا خدشہ ومناقشہ کرے وہ سنی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بدعتی قرار پاتا ہے۔ (ہم آئندہ ابن جوزی کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے اس امر پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ انشاء اللہ)

(ثانیاً) اور اگر وہ روایات صحاح ستہ کے علاوہ ان کی دوسری کتب میں موجود ہوں تو جب بھی ان

کے نزدیک حجت ہیں کیونکہ ان کے علماء نے تصریحات کی ہیں۔ کہ ان کتب کے مولفین نے نہایت کاٹ چھانٹ اور تنقیح بلیغ کے بعد ان احادیث کو اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ چنانچہ بقول (الفاروق) امام اہلسنت عبدالشکور لکھنوی نے اپنے مقدمہ "تفسیر آیات خلافت" جو بالاقساط رسالہ الفاروق چوکیرہ میں شائع ہو رہا ہے۔ قسط سوم مندرجہ الفاروق بابت یکم اکتوبر ۱۹۵۸ ص ۲۵ تا ص ۲۷ پر روایات اہل سنت کا روایات شیعہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے چند فرق بیان کر کے اپنی روایات کو ترجیح دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں "دوسرا فرق یہ ہے کہ اہل سنت کا فن رجال نہائت مکمل اصول تنقید کے مطابق اور نہائت کامل ہے۔"

صاف بات ہے کہ جب مکمل اصول تنقید کے مطابق علماء اہلسنت نے روائتیں اپنی کتابوں میں جمع کی ہیں۔ تو پھر ان پر موجودہ اہلسنت کو حق تنقید حاصل نہیں ہے۔ "تیسرا فرق ان (شیعہ) کی روایات میں باخود ہا اختلاف اسقدر ہے کہ۔۔۔۔ بخلاف اس کے اہلسنت کے یہاں اختلاف روایات کم اور بہت کم ہے۔۔۔ بالآخر موصوف نے اپنی اس تحقیق انیق کا خلاصہ ان دوسطروں میں لکھا ہے۔ "الحاصل ہماری روایات بے دغدغہ پابندی شرائط وضوابط مذکورہ اصول حدیث واصول فقہ قابل عمل ہیں۔"

واضح ہو گیا کہ اہلسنت کی روایات جو ان کے نزدیک اسقدر اہتمام وانتظام اور اس قدر تتبع وتنقیح کے بعد لکھی گئی ہیں۔ یقیناً اصول حدیث کی بنا پر ان پر حجت قطعیہ ہیں اور انہیں ان میں کسی قسم کا خدشہ ومناقشہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

(ثالثاً) یہ روایات یا تو ان کے اصول حدیث کی بنا پر صحیح السند ہیں یا طرق متعددہ سے مروی ہیں۔ اور یہ تعدد طرق وثوق واعتبار اور اطمینان کا موجب ہوتا ہے علاوہ بریں جب ایسی ہی روایات کتب شیعہ میں بھی موجود ہوں تو وہ متفق علیہ عند الفریقین ہو جائیں گے۔ جن کا قابل اعتبار واستناد ہونا ہر صاحب بصیرت پر واضح ولائح ہے۔ یہاں تک تو ہمارا کلام اصول روایت حدیث کی بنا پر تھا اور الحمدللہ ہم نے علماء اہلسنت کے بیانات سے ثابت کر دیا کہ ان کی روایات

ان پر حجت ہیں واقرار العقلاء علی انفسھم جائز اب آیئے ان روایات کو جو فضائل و مناقب آئمہ دین اور مثالب ومطاعن اعدائے بے تمکین کے بارے میں وارد ہیں۔ ان کو اصول روایت کی کسوٹی پر پرکھیں۔

واضح ہو کہ تدوین احادیث کے وقت چونکہ مخالفین اہلبیت برسر اقتدار اور صاحب حشمت واعتبار تھے۔ ہمارے آئمہ نامدار علیہم السلام کے شیعیان ابرار دنیاوی نقطۂ نظر سے مخذول اور ریاست دنیویہ سے معزول تھے لہٰذا اس صورت میں یہ روایات اگر غلط ہوئیں تو ان کے وضع و جعل کا سبب یا طمع دنیوی یا خوف سلاطین وقت ہوسکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو ضروری تھا کہ وہ روایات ابنائے زمان وسلاطین دوران کے سلیقہ وخواہش کے مطابق ہوتیں کیونکہ ان کے منشا کے مطابق احادیث وضع کرنے سے بڑے بڑے جلیل عہدے اور بڑی بڑی جائیدادیں ملتی تھیں اور ان کے خلاف منشاء کوئی سچی حدیث بھی بیان کرنے پر بڑی بڑی سنگین سزائیں جھیلنی پڑتی تھیں اور مالی و جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔

ع۔ بات پرواں زبان کٹتی تھی

(جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے فانتظر) جبکہ یہ روایات ان کے منشاء ومصلحت کے بالکل مخالف ہیں تو ایسی صورت میں ان کے ثبت وضبط کا سبب نقل کنندگان کی صداقت و حقانیت اور ان احادیث کی صحت کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا وھوالمطلوب۔

باقی رہا اس امر کا ثابت کرنا اس دور میں حضرت امیر المومنین اور انکی اولاد امجاد علیھم السلام کے فضائل ومدائح اور ان کے اعداء کے مطاعن ومثالب کی روایات ذکر کرنے سے بلا ومصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا تھا تو یہ ایک ایسی حقیقت ہے جواظہر من الشمس ہے۔ ہاں فقط غافلین کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے چند اشارات کئے جاتے ہیں (۱) ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بذیل ترجمہ حافظ ابن سقا عبداللہ ابن الوسطی لکھا ہے۔ ''انه املی حدیث الطیر فی واسط فو ثبوا الیه و اقاموه و غسلوا موضعهٗ'' یعنی حافظ ابن سقا نے ایک دن شہر واسط میں حدیث طیر (جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل کی احادیث متواترہ میں سے ہے)

بیان کردی تو لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو وہاں سے نکال دیا اور اس جگہ کو دھوڈالا (۲) مورخ ابن خلکان نے وفیات الاعیان ج اص ۲۱ طبع مصر میں امام نسائی صاحب سنن کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ "انه خرج الی دمشق فسئل عن معاویه و ماروی فی فضائله فقال اما یرضی معاویه ان یخرج راسا بر اس حتی یفضل و فی روایة اخری لا اعرف له فضیلة الا لا اشبع الله بطنه (الی ان قال) فما زالوا یدفعون فی هزنه حتی اخرجوه من المسجد و فی روایته فی خصیه و داسوه حتی حمل الی رمله فمات بها" یعنی یہ جلیل القدر محدث ایک دفعہ دمشق (شام) میں گئے تو ان سے معاویہ اور اس کے فضائل کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ کیا معاویہ اس بات پر رضا مند نہیں ہوتا کہ اس کی جان بخشی ہی ہو جائے چہ جائیکہ اس کے فضائل بیان کئے جائیں اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اس کی فضیلت میں سوائے لا اشبع الله بطنه[1] (یعنی اس کا خدا پیٹ نہ بھرے) کے اور کوئی فضیلت نہیں جانتا ان کا یہ کہنا تھا کہ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے پہلوؤں میں اور بروایت دیگر ان کے شرمگاہ پر گھونسے اور لاتیں مارنا شروع کیں

---

[1] حالانکہ محدث نسائی نے وہی بات کہی تھی جس پر تمام علمائے محققین اہل سنت کا اتفاق ہے چنانچہ صاحب النصائح الکافیہ اپنی اسی کتاب کے ص ۱۶۲، ۶۳ طبع بمبئی میں رقمطراز ہیں "قال الحافظ جلال الدین السیوطی فی کتاب اللئالی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة بعد ان ذکر احادیث کثیرة فی فضل معاویة کلها موضوعة لا اصل لها قال الحاکم لا یصح فی فضل معاویة حدیث ۲۔ وقال خاتم الحافظ محمد بن علی الشوکانی فی کتابه الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة اتفق الحفاظ علی انه لم یصح فی فضل معاویة حدیث یعنی جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لئالی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة میں فضائل معاویہ میں بہت احادیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہ کہ یہ تمام احادیث موضوع و مکذوب ہیں جن کی کوئی اصل و حقیقت نہیں ہے اور امام حاکم نے فرمایا کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی اور خاتم الحافظ امام شوکانی نے اپنی کتاب فوائد مجموعہ فی الاحادیث الموضوعة میں لکھا ہے کہ تمام حفاظ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہوئی (منہ عفی عنہ)

اوران کو روند ڈالا اور یہاں تک کہ ان کو وہاں سے اٹھا کر رملہ کی طرف لے جایا گیا اور وہاں پہنچ کر
وہ جاں بحق ہو گئے۔ (ان اللہ) (الی غیر ذالک من الوقعات التی یضیق عنہا نطاق البیان) یہ اس
دور کے عوام کا رویہ تھا کہ نسائی اور واسطی ایسے جلیل القدر علماء کے ساتھ فقط حضرت علی کی ایک
فضیلت بیان کرنے اور معاویہ کے فضائل سے انکار کرنے پر کیا۔ پھر اگر کوئی شخص خلفاء ثلاثہ کی
منقصت کرتا یا امیر المومنین کے دیگر مناقب بیان کرتا ہوگا۔ تو اس کا جو حشر ہوتا ہوگا اس کا انداز
انہی مذکورہ بالا واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اب اس دور کے سلاطین و امراء کے سلوک کا ایک شمہ ملاحظہ فرمالیجئے (۱) حافظ ابن حجر
عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں بذیل ترجمہ نصر بن علی بن صہبان بروائت عبداللہ بن احمد بن
حنبل لکھا ہے کہ "حدث نصربان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اخذ بیدی
الحسن و الحسین فقال من اجبنی واحب ھذین و اباھما و امھما کان فی
درجتی فی یوم القیمتہ امر المتوکل بضربہ الف سوط فکملہ فیہ جعفر بن
عبدالواحد و جعل یقول لہ ھذا من اھل السنت و لم یزل بہ حتی ترکہ"۔

یعنی نصر بن عبداللہ نے ایک دن یہ حدیث بیان کردی کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن وحسین علیہما السلام کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جو شخص مجھ سے اوران
سے اوران کے ماں باپ سے محبت کریگا وہ بروز قیامت میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا تو
متوکل عباسی نے اس کو (اس حق گوئی کے صلہ میں) ہزار تازیانے لگانے کا حکم دیا۔ جعفر بن
عبدالواحد نے انکے بارے میں متوکل سے گفتگو کی اور یہ کہنا شروع کیا کہ یہ تو سنی ہے بصد مشکل
اس کی جان بخشی ہوئی" علاوہ بریں اس دور کے بعض علماء دنیا نے ایک اور قیامت برپا کر رکھی
تھی۔ اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص حضرت امیر المومنین یا ان کی اولاد طاہرین علیہم السلام کی کوئی
فضیلت بیان کردیتا تھا تو یہ ان کے نزدیک وہ ناقابل عفو جرم تھا کہ فوراً اس کو متہم بالتشیع کرکے ذلیل
وخوار کرنے اور انظار عامہ میں اسے بے وقار کرنے میں اپنا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے

تھے۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں بڑے بڑے جلیل القدر علمائے اہل سنت متھم بالتشیع کئے گئے حالانکہ ان کے تسنن میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا۔ (اور پھر یہ چیز موسمی وبا کی طرح روز بروز بڑھتی گئی اور بالآخر اس قرن چہاردہم اس کی طرف اشارہ کریں گے) اس طرح بعض علماء سوء کا حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل کے اخفاء میں کوششیں کرنا معروف ومعلوم ہے۔

یہ تو بنی عباس کے دور خلافت کے عوام وعلماء اور امرا کی حالت تھی۔ وائے بر عہد بنی امیہ کہ اس میں کیا کیفیت ہوگی؟ جبکہ اس منحوس عہد میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام پر برسر منبر اور نمازہائے واجبہ کے بعد محافل ومساجد میں سب وشتم اور لعن طعن کرنا ان کا شعار بلکہ بنی امیہ کا دین ناہنجار بن چکا تھا۔ فضائل تو کجا آنحضرت کے نام پر کسی کا نام رکھنا موجب قتل واعدام جرم سمجھا جاتا تھا۔ (۱) چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں بذیل ترجمہ علی بن رباح لکھتے ہیں۔ "قال المقری کان بنو امیه اذا سمعوا المولود اسمه علی قتلوه فبلغ ذالک رباح فقال هو عُلَي و کان یغضب من عُلَي و یتحرج علی من سماه به وقال اللیث قال علی ابن رباح لا اجعل فی حل من سمانی علی فان اسمی عُلَي" مقریزی کا بیان ہے کہ بنی امیہ کا یہ دستور تھا کہ جب انہیں یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ کسی بچے کا نام علی ہے تو فوراً اس کو قتل کروادیتے تھے۔ چنانچہ جب یہ خبر وحشت اثر رباح (علی کے باپ) کو پہنچی تو اس نے کہا کہ میرے بچے کا نام تو علی (بضم عین وفتح لام وتشدید یا ہے جو اس علی کی تصغیر ہے) اور جو شخص اس کو علی کے نام سے پکارتا تھا وہ اس پر غضب ناک ہوجاتا تھا لیث کا بیان ہے کہ علی بن رباح نے۔ (بڑے ہوکر) کہا میں کسی شخص کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھے علی کے نام سے یاد کرے کیونکہ میرا نام "عُلَي" ہے بخلاف اس کے، فضائل خلفاء ثلاثہ میں احادیث وضع کرکے بیان کرنے والوں کو بڑے بڑے انعام واکرام اور خلعتوں سے نوازا جاتا تھا۔ اور ان کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز المرام کیا جاتا تھا۔ ۲ چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۵ طبع مصر پر شیخ ابوالحسن علی بن محمد بن ابی یوسف المدائنی کی کتاب الاحداث کے حوالہ سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (ان معاویة کتب نسختةً واحدةً الی عماله بعد عام الجماعة ان برئت

الذمته ممن روی شیئا فی فضل ابی تراب و اهلبیته الخ (الی ان قال ما حاصله) اذا جائکم کتابی هذا فادعوا الناس الی اروایة فی فسل الصحابه والخلفاء الاولین و ان لا تترکوا خبر ایرویه احد من المسلمین فی ابی تراب الا واتوانی بمناقض له فی الصحابة فقرأت کتبه علی الناس فرویت اخبار کثیرة فی مناقب الصحابته مفتعلقة لا حقیقته لها فعلموا سبیانهم و غلمانهم من ذالک الکثیر الواسع حتی روده و تعلموه کما یتعلمون القرآن و علموه بناتهم. و نسائهم (الی ان قال) و مضی علی ذالک الفقهاء و القضاة والولاة و کان اعظم الناس فی ذالک بلیة القراء والمرائون و المستضعفون الذین یظهرون الخشوع والنسق فیفترون الاحدیث لیحظوا عند ولاتهم و یقربوا مجالسهم ولیصیبو الاموال و الضیاع والمنازل حتی انتقلت تلک الاخبار و الحادیث الی ایدی الدیانین الذین لا یستحلون الکذب و البهتان فقبلو هار زوها و هم یظنون انها حق و لو علموا انها باطلة لما رو وها ولم تدینوا بها و قد رویٰ ابن عرفة المعروف بنطویه و هو من اکابر المتحدثین و اعلامهم فی تاریخه ما یناسب هذا الخبر" یعنی معاویہ نے۔ عام الجماعۃ کے بعد ایک دستاویز اپنے تمام گورنروں کے نام لکھی کہ اس شخص سے بیزاری اختیار کی جائے جو ابوتراب (حضرت علی) اور ان کی اہلبیت کے فضائل میں کوئی روایت بیان کرے اور اپنے تمام گورنروں کو لکھا کہ وہ لوگوں کو حضرت عثمان و دیگر صحابہ اور (بالخصوص) خلفاء اولین کے فضائل میں روایتیں وضع کر کے بیان کرنے کی دعوت دیں اور ایسی کوئی روائت باقی نہ چھوڑیں جو حضرت علی کے فضائل میں بیان کی جاتی ہے مگر یہ کہ اس کے مناقض و معارض روائت صحابہ کے حق میں وضع کر دیں چنانچہ اس کی دستاویزیں لوگوں کو پڑھ کر سنائی گئیں اور اس مہم کی انجام دہی کے لئے بہت سے اموال خرچ کئے گئے اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے اخبار موضوعہ صحابہ کے فضائل میں بیان کئے گئے پھر انہوں نے ان روایات کی اپنے بچوں اور غلاموں کو تعلیم دی یہاں تک کہ انہوں نے اس کی اس طرح تعلیم حاصل کی کہ جس طرح

قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور اس طریقہ پر کئی فقیہ کئی قاضی اور کئی والی گذر گئے۔ اس سلسلہ میں تمام لوگوں سے زیادہ باعث مصیبت ریا کار قاری اور ضعیف الدین لوگ تھے جو خشوع وخضوع اور عبادت کو لوگوں پر ظاہر کر کے اس قسم احادیث گھڑتے تھے تاکہ اس ذریعہ سے سلاطین وقت سے خوب خوب فائدے اٹھائیں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ یہی موضوع مکذوب احادیث ان دین دار لوگوں تک پہنچ گئیں جو کسی صورت میں بھی کذب و بہتان کو حلال نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے ان کو قبول کر کے روایت کرنا شروع کر دیا[2] ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ ابن عرفہ معروف بہ نطفویہ جو کہ اکابر محدثین اور علماء اعلام میں سے ہیں۔

---

[1] چنانچہ اسی طرح کتاب نیل الاوطار جلد اول ص ۳۵۵ میں منقول ہے "لذالک قیل لم نرا الصالحین فی شی اکذب منھم فی الحدیث ھم" نے صالحین کو اس قدر جھوٹا کسی بات میں نہیں دیکھا جیسا کہ حدیث کے سلسلہ میں وہ جھوٹے ثابت ہوئے ہیں۔ اسی طرح صحیح مسلم جلد اول ص ۱۴/۱۳ میں موجود ہے بلکہ صاحب کتاب ہدایۃ الموحدین نے بحوالہ الحقائق الحق لکھا ہے کہ مولف احقاق نے حافظ عبدالعظیم منذری الشافعی کی کتاب الترغیب والترتیب سے نقل کیا ہے۔ کہ اباح بعض اعاظم الصحابۃ وضع الحدیث النصرۃ المذھب۔ یعنی بعض بزرگ صحابہ نے اپنے مذہب کی تائید کے لئے حدیث کو وضع کرنا جائز قرار دیا ہے۔ بھلا جس مذہب کے اعاظم صحابہ اور بزرگ علماء کی یہ کیفیت ہو اس کے عوام کا کیا حال ہوگا۔

ع۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(منہ عفی عنہ)

[2] یہیں سے ایک مشہور عقدہ بھی حل ہوگیا جو بعض حضرات کے اذہان میں جولان کرتا رہتا ہے۔ وہ یہ کہ کیا وجہ ہے کہ بعض علمائے اہلسنت مثل صاحب ینابیع المودۃ و کفایۃ الطالب و تذکرہ الخواص و مودۃ القربیٰ ہمدانی و امثالہم باوجود فضائل و مناقب اہل بیت نقل و روایت کرنے کے کس طرح سنی المذہب رہ سکتے ہیں؟ اس کا جواب اور وجہ انحلال یہ ہے کہ مندرجہ متن تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ ان کی دھوکہ خوری کا سبب یہی احادیث فضائل خلفاء ہیں جو عہد اموی کی ایجاد و اختراع ہیں۔ انہوں نے ان روایات کو صحیح تصور کر کے یہ نظریہ قائم کیا کہ بنابریں روایات اہلبیت ہمارے قلوب کا سرور اور خلفا ثلاثہ وغیرھم ہماری آنکھوں کا نور ہیں اور یہ خیال نہ کیا کہ ایسا کرنے سے اجتماع ضدین لازم آرہا ہے (اجتماع ضدین کا بیان ہمارے آئندہ بیانات سے معلوم ہو جائے گا (منہ عفی عنہ)

انہوں نے بھی اپنی تاریخ میں ایسے واقعات درج کیے ہیں۔ جو اس مذکورہ بالا روایت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں جن سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے (۳) زمانہ حال کے مورخ جلیل شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول ص ۶۱ مطبوع اعظم گڑھ میں صاف لفظوں میں اس حقیقت کا اقرار و اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "حدیثوں کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے نوے برس تک سندھ سے آبنائے کوچک اور اندلس تک مساجد میں آل فاطمہ کی توہین کی۔ اور جمعہ میں برسر منبر حضرت علی پر لعن کہلوایا۔ سیکڑوں حدیثیں امیر معاویہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔"

۴۔ غالباً انہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب منہج الوصول الی احادیث الرسول میں ص ۱۵۳ میں لکھتے ہیں "ولیکن قومیکہ عارف بہ سنتہ نہ بودہ این شیوہ برگزیدند قرون متطاولہ دراں گزشت وعوام اسلاف خود رابہ آں طریقہ مستمر یافتہ دانستند کہ دین ہمیں است وبس نعم ماقیل

ع۔ ہر کفر کہ کہنہ شد مسلمانی شد

یعنی وہ لوگ جو سنت نبوی سے واقف نہ تھے انہوں نے اسی طریقہ (یعنی جعلی احادیث) کو اپنانا شروع کر دیا اور بہت صدیاں اس حالت میں گزر گئیں اور (آنے والے) عوام الناس نے) (بلکہ خواص نے بھی) جب اپنے گزشگان کو اسی طریقہ پر دیکھا (جو قرون متطاولہ سے چلا آ رہا تھا) تو خیال کیا کہ بس دین حق یہی ہے۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے۔ ہر کفر کہ کہنہ شد مسلمانی شد (جو کفر و شرک پرانا ہو جائے وہی اسلام بن جاتا ہے) ان علمائے محققین کے اقوال کو مکرر نہائت غور و فکر سے پڑھئے انشاء اللہ اس سے کئی سربستہ راز طشت از بام اور کئی عقدے حل ہو جائیں گے۔

ع۔ صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے

ان حقائق ودقائق کی روشنی میں واضح وآشکار ہوگیا کہ جو روایات کتب اہل سنت میں فضائل ومناقب اور خلافت اہلبیت اوران کے اعداء کے مطاعن ومثالب کے متعلق موجود ہیں وہ بالکل صحیح اور ہر قسم کے کذب وافتراء سے سالم ہیں خصوصاً جب کہ ایسی ہی روایات کتب شیعہ میں بھی موجود ہوں۔ تو ایسی صورت میں یہ متفق علیہ عند الفریقین بن جائیں گی۔ جن کے قابل اعتماد و استناد ہونے میں اہل بصیرت شک وشبہ نہیں کرسکتے۔ بخلاف ان روایات کے جو مخالفین اہلبیت کے فضائل میں بیان کیے جاتے ہیں۔ جن کے موضوع ومکذوب ہونے کی رام کہانی خود انہی کے علماء کی زبانی ابھی بیان ہوچکی ہے کہ وہ بنی امیہ کے منحوس دور کی منظم سازش کا نتیجہ کذاب ووضاع اور خوارج اور ابناء دنیا کے خائن ہاتھوں، پست ذہنوں اور مذموم مقصدوں اور نافرجام کوششوں کا ثمرہ وحاصل ہیں۔ ان حالات میں اگر یہ روایات فضائل تواتر کی حد تک بھی پہنچ جاتی اور کتب شیعہ میں بھی موجود ہوئے تب بھی ناقابل اعتبار واعتماد تھے کیونکہ خوشامد امراء اور خوف اعداء سے ان کے نشرواشاعت وشہرت کا قوی احتمال تھا چہ جائیکہ جب وہ فقط کتب اہل سنت میں اور وہ بطریق اخبار آحاد مروی ومنقول ہیں لہٰذا وہ کسی صاحب عقل وانصاف اہلسنت کے نزدیک حضرت نہیں ہوسکتے چہ جائیکہ شیعوں کے مقابلہ میں ان کو پیش کر کے ان سے فضائل اہلبیت علیہم السلام میں صحابہ کی برابری وہمسری کی مذموم سعی کیجائے۔

(ازالۂ اشتباہ) مذکورہ بالا بیانات سے اس شبہ کا بھی قلع قمع ہوجاتا ہے۔ جو بعض کور باطن اپنی بے بصیرتی وکوتاہ نظری کی وجہ سے کر بیٹھتے ہیں۔ کہ اگر ان قرون اولیٰ میں وضع حدیث کا یوں بازار گرم تھا تو ممکن ہے۔ فضائل آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی روایات بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہوں۔ وجہ ازالہ یہ ہے کہ ہم اوپر محقق ومبرہن کر چکے ہیں۔ کہ اس دور میں زمام حکومت آئمہ دین کے معاندین ومخالفین کے ہاتھ میں تھی۔ ان بزرگواروں کے نام پر نام رکھنا موجب قتل واعدام جرم سمجھا جاتا تھا۔ ان کی کسی فضیلت کے بیان کرنے پر زبانیں گدی سے کھنچوائی جاتی تھیں۔ ان بزرگواروں پر مساجد ومحافل میں سب وشتم کرنا جزء عبادت سمجھا جاتا تھا۔ (بن سکیت امام لغت معلم پسران متوکل عباسی کے حالات ملاحظہ ہوں) ایسے جاں گسل حالات میں کون شخص ان کے

فضائل وضع کر سکتا تھا؟ بلکہ ایسے کٹھن زمانہ میں ان کے حقیقی فضائل ومناقب کا ثبت وضبط ہو کر ہم تک پہنچ جانا خداوند منان کے خاص امتنان اور ان آئمہ دین کے معجزات باہر لا و دلائل حقانیت قاھرہ کا بہترین مظاہرہ ہے۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں کیا خوب لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ اسلام کے فضائل دشمنوں نے بغض وعداوت کی وجہ سے اور دوستوں نے خوف و ہراس کے سبب سے چھپائے لیکن بایں ہمہ "ان فضائلہ ملائت الخافقین شرقاً و غرباً" ان کے فضائل نے مشرق ومغرب کو پر کر رکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ خود حضرت رسول خدا نے بھی ان کے تمام فضائل کو لوگوں پر ظاہر نہیں فرمایا محض اس خوف سے کہ کہیں لوگ ان کو خدا نہ کہہ دیں چنانچہ کتاب ارشاد شیخ مفید میں مذکور ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ ذات السلاسل سے واپس آرہے تھے کہ حضرت امیر المومنین سے فرمایا "یا علی لولا ان اخاف علی امتی ان تقول فیک ماقالت النصاری فی مسیح ابن مریم لقلت الیوم فیک مقالا لا تمر بعدہ بملاء الا و اخذوا التراب من تحت قدمیک" "یعنی اے علی! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری امت کے لوگ تمہارے متعلق وہی نظریہ قائم نہ کر بیٹھیں جو نصاری نے حضرت عیسی کے متعلق قائم کیا تھا تو میں آج تمہارے کچھ ایسے فضائل بیان کرتا کہ تم اس کے بعد کسی قبیلہ سے نہ گزرتے۔ مگر یہ کہ وہ تیمن وتبرک کے لیے تمہارے پاؤں کی مٹی کو اٹھا لیتے" بلکہ اس خوف سے کہ لوگ ان کے حق میں غلو کا شکار ہو کر معبود حقیقی کی توحید سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔

خود حضرت امیر المومنین نے بھی اپنے حقیقی فضائل وکمالات کا ابراز واظہار نہیں فرمایا لیکن بایں ہمہ پھر بھی ان کے فضائل وکمالات کو دیکھ کر ایک گروہ نے خدا مان ہی لیا۔

در پس پردہ نہاں بودی و قومے بضلالت
حرمت ذات تو نہ شناختہ گفتند خدائی
نہ دانم کہ چہ گویند کہ تو چوں از رخ زیبا
پردہ برداری واں چہ ہستی بنمائی

وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اللہ ذوالفضل العظیم قل ھذہ تذکرۃ من شاء اتخذ الیٰ ربہ سبیلا۔

مطلب دوئم۔

(اس امر کا اثبات کہ کسی عالم یا راوی کی طرف تشیع کی مطلق نسبت دے دینا اس کے حق میں قادح نہیں ہوسکتا)

مخفی نہ رہے کہ صراط مستقیم سے منحرف شدہ فرقوں کی قدیم الایام سے یہ عادت وطبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ کہ جب ان کا کوئی اہل علم خدا لگی کے طور پر کوئی کلمہ حمایت اہل بیت علیہم السلام میں زبان مقال پر جاری کردے یا زبان قلم سے تحریر کردے یا کوئی راوی احادیث میں محض اظہار حق کے طور پر خاندان عصمت کی فضیلت میں یا ان کے معاندین کی منقصت میں کوئی روایت نقل کردے یا نوک زبان وقلم سے کوئی جملہ کہدے تو فوراً یہ صاحبان اس پر تشیع کا الزام لگا کر اس کی ہتک حرمت کرتے ہوئے اس کے قول کو ناقابل اعتبار واعتقاد ثابت کرنے کی سعی نافرجام کرتے رہتے ہیں اسی طرح جب اہل حق ان کے کسی عالم کی تحریر اپنے کسی دعوے کے اثبات میں پیش کرتے ہیں اور ان حضرات کے پاس اس کا کوئی معقول جواب نہیں ہوتا۔ تو اس سے گلوخلاصی اور اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے بلکہ اپنی بے بضاعتی و بے مائیگی کو طشت از بام کرنے کیلئے اس عالم پر شیعہ ہونے کا الزام لگا دیتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں ان کے بہت سے علماء اعلام و آئمہ عظام کے دامن پر اس اتہام کے داغ نظر آتے ہیں۔

حد ہوگئی اس سلسلہ میں امام شافعی ایسے امام اہلسنت کو بھی اس اتہام کے ساتھ متہم کیا گیا۔ کیونکہ وہ گاہ بگاہ بعض فضائل اہلبیت کا اظہار اپنے اشعار میں کردیتے تھے چنانچہ انہوں نے خود اس تہمت تشیع کا تذکرہ اور اس کی تردید اپنے بعض اشعار میں کی ہے۔

قالو ترفضت قلت کلا
ما الرفض دینی ولا اعتقادی
ولکن تولیت غیر شک
خیر امام و خیر هادی

فان کان حب الوصی رفضاً
فانّنی ارفض العباد

(صواعق محرقہ ص ۱۳۱ طبع جدید مصر)

بعض اوقات ابنائے زمانہ کے اس رویہ ورفتار سے تنگ آکر انہوں نے ان پر یوں تبرا کیا ہے

برأت الی المھیمن من اناس
یرون الرفض حب الفاطمیه
علی آل الرسول صلوۃ ربی
ولعنته لھذا الجاھلیته

(نصائح کافیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جاہلانہ فعل قرون اولیٰ سے چلا آرہا ہے اور بالخصوص بعض اہلسنت نے ہندوپاک میں آج کل شیعہ گرمشینری کو تیز سے تیز تر کرکھا ہے۔ اور دھڑا دھڑ بڑے ٹھاٹھ سے اپنے علماء اعلام ومورخین عظام ومفسرین کرام کو شیعہ بنارہے ہیں۔ اوران کی اس سلسلہ میں یہ برق رفتاری دیکھ کر پہلو میں حساس دل رکھنے والے بعض اہلسنت بوکھلا اٹھے ہیں۔

(چنانچہ اس کا ثبوت اس کتاب کے اواخر میں پیش کیا جائیگا) ان کی اس مذبوحی حرکت کی روک تھام اور سادہ لوح برادران اسلام کے تنبیہ کی خاطر ہم اس مقام پر یہ امر واضح کردینا چاہتے ہیں کہ ان کا یہ طرز عمل خود اصول وقواعد مذہب اہلسنت کی رو سے غلط محض وباطل بحت ہے اوران کا کسی عالم یا راوی کو مطلق تشیع کی نسبت دے کر اس کے اقوال اور روایا کو رد کردینا ان کی جہالت یا ضلالت کی بیّن دلیل ہے کیونکہ ان کے اساطین مذہب واکابر ملت نے بتصریح تمام لکھا ہے کہ جب تک کسی راوی یا علم کا تشیع رفض کی حد تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک اسکے قول و روایت سے احتجاج واستدلال کیا جاسکتا ہے انہوں نے نہائت واشگاف لفظوں میں لکھا ہے کہ مطلق تشیع کا کسی راوی وغیرہ کے اندر پایا جانا ہرگز اس کے لیے قادح وضرر رساں نہیں ہے

(۱) چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تدریب الراوی ص ۱۲۹ میں اس امر کی صراحت کے بعد علامہ ذہبی کے قول سے اپنی تائید حاصل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وقدصرح بذالک الذهبی فی میزان العتدال فقال البدعته علی ضربین صغری کالتشیع بلا غلو او بغلو کمن تکلم فی حق من حارب علیا فهذا کثیر فی التابعین و تابعیهم مع الدین و الورع والصدق فلو رد هولاء لذهب جملة من الآثار و کبری کالرفض الکامل والغلو فیه فهذا النحو فلا یحتج بهم و هذا لا یحل لمسلم ان یعتقد خلافه"

"یعنی علامہ ذہبی نے کتاب میزان الاعتدال میں اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک بدعت صغریٰ (چھوٹی) جیسے تشیع بلا غلو یا باغلو جیسے کوئی شخص حضرت علی کے ساتھ جنگ کرنے والوں (معاویہ وغیرہ) کے حق میں کچھ کلام کرے تو اس قسم کی بدعت تابعین اور تبع تابعین میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ وہ دین و دیانت زہد و تقویٰ اور صدق وصفا کے زیور سے آراستہ ہیں۔ لہٰذا اگر ان حضرات کی روایات کو (محض تشیع کے جرم میں) رد کر دیا جائے تو بہت سے آثار و اخبار رائیگاں و اکارت ہو جائیں گے۔ دوسری قسم کی بدعت کبریٰ (بڑی) ہے جیسے رفض کامل اور اس میں غلو البتہ ایسے لوگوں کی روایت کے ساتھ احتجاج اور استدلال نہیں کیا جا سکتا (اس کے بعد خود سیوطی فرماتے ہیں) کہ یہی (یعنی ذھبی کا) وہ نظریہ ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی نظریہ قائم کرنا حلال و جائز نہیں ہے"

(۲) نواب صدیق حسن خان نے ہدایت السائل ص ۲۹۲ پر تشیع کی تین قسمیں (مطلق تشیع، تشیع باغلو اور تشیع با رفض) بیان کرنے کے بعد پہلی دو قسموں کے متعلق اس طرح لکھا ہے۔

"باتفاق نزد جمہور ایں چنیں کس مقبول است"

یعنی جمہور اہلسنت کے نزدیک ایسے اشخاص مقبول ہیں بلکہ تشیع کی قسم اول کو لازمہ ایمان قرار دیتے ہوئے اس کو موجب قدح قرار دینے والوں پر تنقید کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں

"غیر مخفی است کے ایں تشیع بلا غلو صفت ملازمه هر مومن است چه ازیں قسم است موالات مومنین سیا امیرالمومنین الخ (الی ان قال) وازیں جا معلوم شد که این قول که مطلق تشیع بدعت است صحیح نیست و قدح بدین باطل الخ"

یعنی مخفی نہ رہے کہ تشیع بلا غلو تو ہر مومن کی لازمی صفت ہے کیونکہ اس قسم کا تشیع مومنین کی باہمی محبت اور بالخصوص امیر المومنین کی موالات ہے (پھر کہا) اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ یہ کہنا کہ مطلق تشیع بدعت ہے اور موجب قدح ہے۔ غلط ہے اور اس سے کسی پر جرح قدح کرنا بالکل غلط ہے" آخر میں خلاصہ کلام یہ قرار دیا ہے کہ "پس مطلق تشیع موجب قدح نیست و مطلق نصب قادح است" یعنی نتیجہ بحث یہ ہے کہ مطلق تشیع موجب قدم نہیں ہے۔ ہاں البتہ نصب وعداوت (اہلبیت) قادح ومضر ہے لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے برادران اسلام نصاب وخوارج کی روایت کو تو قبول کر کے اپنی کتابوں میں ثبت وضبط اور نقل کرتے ہیں۔ لیکن تشیع کے نام سے دور بھاگتے ہیں حد ہو گئی کہ بخاری نے۔ جابر ابن یزید جعفی سے باوجود اس اقرار کے کہ اس کو ستر ہزار احادیث یاد تھیں لیکن محض اس جرم میں کہ وہ شیعہ تھا اور رجعت کا قائل تھا اپنی صحیح میں اس سے کوئی روایت نقل نہیں کی (انوار اللغت پارہ ۵ ص ۸،۷) حالانکہ اس صحیح بخاری میں عمران ابن حطان وحریز ابن عثمان وغیرہ ایسے خوارج کی روایات موجود ہیں عام شیعہ راوی تو در کنار بخاری! نے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے تمام کتاب میں کوئی روایت نقل نہیں کی بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ ابوالعجبی است؟ (۳) علامہ سیوطی اپنی کتاب اتمام الدرایہ شرح نقایہ صفحہ ۲۷ طبع بمبئی میں لکھتے ہیں

لے ایسے ہی متعصب حضرات کے طرز عمل کو دیکھ کر بعض منصف مزاج علماء اہلسنت رونا رو رہے ہیں۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان حیدر آبادی اپنی کتاب انوار اللغۃ پارہ نمبر ۵ صفحہ ۴۷ پارا ۴ ص ۳۸،۳۹ پارہ ۱۶ صفحہ نمبر ۱۹ پر حضرات امام جعفر صادقؑ کی عظمت وجلالت وثقافت وثقات لکھنے کے بعد رقمطراز ہیں" اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہوا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحیٰ ابن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے۔ جو کہتے ہیں فی نفسہ منہ شئی ومجالد احب الی منہ حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا مرتبہ ہے ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو آئمہ اہلبیت سے کچھ محبت واعتقاد نہیں۔ اللہ تعالیٰ امام پر رحم کرے کہ مروان اور عمران ابن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق (جو ابن رسول اللہ ہیں) کی روایات میں شبہ کرتے ہیں"۔ (منہ عفی عنہ)

ع۔ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

"ان المبتدع ان يكفر فواضح انه لا يقبل و ان لم يكفر قبل والا لادى الى رد كثير من احاديث الاحكام فيما رواه الشيعه والقدرية و غيرهم و فى الصحيحين من روايتهم مالا يحصى و لان بدعتم مقرونة بالتاويل مع مالهم من الدين والصيانة اوالتحز نعم سابو الشخين والرافضة لا يقبلون كما جزم به الذهى فى اول الميزان"

یعنی بدعتی آدمی جب تک (بہ سبب بدعت) کفر کی حد تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک وہ مقبول الروایت ہوتا ہے ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی احادیث احکام کو رد کرنا پڑیگا۔ جن کے راوی شیعہ یا قدریہ وغیرہ ہیں۔ حالانکہ صحیحین میں ایسے لوگوں کے بے شمار روایات موجود ہیں علاوہ بریں ایسے لوگوں کی بدعت مقرون بہ تاویل ہے (یعنی انہوں نے۔ عمداً بدعت کو اختیار نہیں کیا) باوجودیکہ وہ دین دار اور کذب وافترا سے اجتناب کرتے ہیں ہاں البتہ شیخین کو سب وشتم کرنے والے اور روافض غیر مقبول الرویات ہیں جیسا کہ اس کا ذہبی نے میزان الاعتدال کی ابتداء میں جزم ویقین کیا ہے" (۴) عبدالشکور لکھنوی مقدمہ تفسیر آیات خلافت میں (جو بالاقساط رسالہ الفاروق میں شائع ہو رہا ہے) ص ۲۵ پر لکھتے ہیں "ہمارے محدثین نے۔ یہ اصول قائم کیا ہے۔ کہ اہل بدعت سے روایت لی جائے بہ چند شرائط اول یہ کہ ان کی بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچی ہو" جبکہ اہل سنت کے اقوال میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اگر کسی کی بدعت کفر تک بھی پہنچ چکی ہو تب بھی صادق اللحہ اور کذب سے مجتنب ہونے کی صورت میں اس کی روایت قبول کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اسی ملا عبدالشکور نے۔ اپنی مذکورہ بالا شرائط کا ذکر کرتے ہوئے شرط دوم کے متعلق لکھا ہے" دوم یہ کہ ان کا صدق معلوم ہو گیا۔ سوم یہ کہ وہ روایت "ان کی بدعت کی موید نہ ہو اسی اصول کی بنا پر امام بخاری جیسے عالی محدث نے بعض شیعوں سے روایت لے لی۔ اور صحیح بخاری میں درج فرمائی مثل یوسف ابن حبان جس کا تشیع تبرا کی حد تک تھا" (۵) علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بذیل ترجمہ ابان ابن تغلب لکھا ہے کہ "انہ شیعی صلف لکنہ صدوق و

صدقه لنا بدعته له الخ" یعنی ابان ابن تغلب بڑا سخت شیعہ تھا مگر بہت ہی سچا تھا۔ پس اس کی سچائی ہمارے لیے (مفید) اور اس کی بدعت اس کے لیے (مضر) ہے الخ بحمد اللہ علماء اہلسنت کی مذکورہ بالا فرمائشات میں تامل وتفکر کرنے سے چند حقائق صاف ثابت ہو جاتے ہیں۔ (۱) یہ کہ بہ اتفاق علمائے اہل سنت مطلق تشیع بلا غلو بلکہ با غلو بھی موجب رد روایت وقدح راوی نہیں ہے (۲) تشیع بلا غلو ہر مومن کی لازمی صفت ہے۔ اور اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ (۳) اہل سنت کے نزدیک تشیع با غلو کا یہ مطلب ہے۔ کہ محاربین علی علیہ السلام مثل معاویہ وغیرہ کے حق میں (از قسم جرح وقدح کچھ کلام) کیا جائے۔ (۴) تابعین وتبع تابعین میں ایسا تشیع با غلو رکھنے والے بکثرت موجود تھے (۵) اگر مطلق تشیع رکھنے والے راویوں کی روایات رد کر دی جائیں۔ تو مذہب اہل سنت کے بہت سے اخبار وآثار مٹ جائیں گے (۶) بقول سیوطی صحیحین میں ایسے راویوں کی بہت سی روایات میں ایسے موجود ہیں۔ (۷) اگر کوئی تشیع قادح ہے تو فقط وہ جو رفض کامل کی حد تک پہنچ چکا ہو جو ان کے نزدیک موجب کفر ہے (۸) یہ کہ ان کے نزدیک تشیع با رفض کا یہ مطلب ہے کہ حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا اقرار اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر سب وشتم اور لعن وطعن کیا جائے۔ (۹) یہ کہ اگر کسی کا تشیع رفض وکفر کی حد تک بھی پہنچا ہوا ہو مگر وہ صدوق (یعنی روایات میں صادق ہو اور کذب سے محترز) ہو تو اس کی روایات قابل اعتماد واستناد ہو سکتے ہیں (۱۰) یہ کہ نصب وعداوت اہل بیت راوی میں موجب جرح وقدح ہو کہ اس کی روایت کو ناقبل حجت بنا دیتی ہے (تلک عشرۃ کاملۃ) ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہو گیا کہ علمائے محققین اہل سنت کے نزدیک اقسام تشیع میں سے ایک اور صرف ایک قسم کے راوی کے لیے قادح اور اس کی روایت کو قبول کرنے سے مانع ہے اور وہ ہے تشیع با رفض کامل اور وہ بھی جب کہ وہ رافضی صادق نہ ہو بلکہ کاذب ہو لہٰذا بنا بریں ہم "شیعہ گرانڈ کمپنی کے ارکان کی خدمت میں التماس کریں گے کہ آئندہ اگر وہ اپنے کسی راوی یا عالم کو متہم بالتشیع کر کے اس کی روایت یا کتاب کو ناقبل قبول قرار دینا چاہیں تو ان پر لازم ہے کہ

اس کا تشیع بارفض بمعنی نمبر ۸ ثابت کریں اور علاوہ بریں وہ اس کا کاذب ومفتری ہونا بھی ادلۂ قطعیہ سے ثابت کریں۔ اگر بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ انہوں نے اس کا بایں ہمہ شیعہ ہونا ثابت کردیا تو شائد ان کی گلوخلاصی ہوجائے گی۔ ورنہ کسی راوی یا عالم کے مطلق تشیع پر اٹھارہ عدد کیا اٹھارہ ہزار دلائل بھی پیش کردیں تو اہل خبر وبصیرت کے نزدیک سوائے تضییع اوقات وتسوید اوراق کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اور ارباب دانش وبینش کے نزدیک ان کی یہ مذموم کوشش کبھی بار آور نہیں ہوگی اور خدا اور رسول کے نزدیک ان کی یہ سعی ہرگز مشکور نہ ہوگی۔ خدارا یہ رویہ بدل دیجئے کا ہے کے لئے اپنے روایان احادیث سید المرسلین اور بزرگان دین پر ایسے بہتان عظیم وافترا جسیم باندھ کر ان کو روحانی تکلیف واذیت پہنچاتے ہو "ذکر فان الذکری تنفع المومنین"

مطلب سوئم:

(معرفت مذہب حق کی ضرورت اور اس کی کیفیت اور شرائط)

واضح ہو کہ اس مطلب میں چار امور قابل بحث ہیں

(۱) ضرورت معرفت مذہب حق (۲) شرائط معرفت

(۳) معیار حق وباطل (۴) کیفیت معرفت

ہم اسی ترتیب سے بالاختصار ان امور پر روشنی ڈالتے ہیں جب انسان زیور عقل و دانش سے آراستہ ہوکر ظلمت کدہ نیستی سے نکل کر عرصۂ ہستی میں قدم رکھتا ہے اور بتدریج جب حد رشد تک پہنچتا ہے اور اپنے جسم ورسم اور کائنات کے عجائب وغرائب کے نقش ونگار پر نظر کرتا ہے۔ تو اپنے اور ان کے خالق ومالک کے متعلق اس کے دل ودماغ میں تتبع وتفحص کی امنگ وخواہش پیدا ہوتی ہے۔ اول اول تو یہ خیال کرتا ہے کہ شائد میں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے لیکن تھوڑے سے تامل کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ میں خود اپنا اور ان اشیاء کا خالق نہیں ہوں کیونکہ اس کی عقل اس سے کہتی ہے کہ اگر تو نے ہی اپنے آپ کو پیدا کیا ہے تو دو حال سے خالی نہیں کیا تو تو نے اپنے آپ کو اس وقت پیدا کیا جب تو موجود تھا۔ یا اس وقت پیدا کیا کہ جب تو

خود معدوم تھا یہ دونوں باتیں بالبداہت باطل ہیں اس لئے کہ اگر تو خود پہلے موجود تھا تو پھر پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اور اگر تو معدوم تھا تو واضح ہے کہ کبھی معدوم کسی موجود کو پیدا نہیں کرسکتا پھر یہ خیال کرتا ہے کہ شاید میرے والدین نے مجھے پیدا کیا ہے لیکن جب تھوڑا سا تدبر کرتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ آخر وہ بھی تو میری طرح انسان ہیں۔ وہ کس طرح میرے خالق ہو سکتے ہیں اسی فطری چیز کی طرف خداوند عالم توجہ مبذول کرواتا ہے "ام خلقوا من غیر شئی ام ھم الخالقون" جب اس کی نظر میں یہ دونوں احتمال باطل ہو جاتے ہیں تو لامحالہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ میری خالق ایک ایسی ذات ہے جو اپنے وجود میں غیر کی محتاج نہیں ہے اور وہ قادر مطلق ہے جو کسی چیز سے عاجز نہیں۔ یہ ہے وہ معرفت فطری جس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے "فطرۃ اللہ التی فطر الانسان علیھا" اور اس کی طرف حدیث میں بھی اشارہ ہے کہ "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام" جب اسے ایک خالق و مالک کا یقین ہو جاتا ہے تو اسے یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ آخر اس نے مجھے پیدا کیوں کیا ہے؟ اس مقام پر بھی عقل اس کی رہبری کرتی ہے کہ ضرور کوئی غرض و غایت ہی باعث ایجاد ہوئی ہے اسی طرف اشارہ ہے "افحسبتم انما خلقنا کم عبثا و انکم الینا لا ترجعون" اس جگہ پہنچ کر اس کی عقل اس غرض و غایت کے معلوم کرنے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ اور یہ حکم لگاتی ہے کہ اس حکیم و علیم خالق کو اپنی طرف سے کوئی خاص معرف اور نمائندہ مقرر کر کے میری طرف بھیجنا چاہیئے جو مجھ سے میری غرض خلقت بیان کرے تا کہ اس پر عمل پیرا ہو کر میں مدارج عالیہ و مراتب سامیہ پر فائز ہو سکوں چنانچہ اسی فطری اور وجدانی ضرورت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے خداوند عالم نے انبیاء (اور ان کی رحلت کے بعد ان کے اوصیاء) مقرر فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے "بعث اللہ النبین مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس حجۃ علی اللہ بعد الرسل" اسی معرف و نمائندہ کو اصطلاح شرع میں نبی و رسول کہتے ہیں۔ سر دست ہمیں امم سابقہ کا ذکر نہیں کرنا اور نہ ان حضرات کا تذکرہ مقصود ہے۔ جو زمانہ حیات حضرت ختمی مرتبت میں موجود تھے۔ ہمیں

صرف ان حضرات کا ذکر کرنا ہے جو آپ کے عہد معدلت انگیز کے بعد دار دنیا میں وارد ہوئے چنانچہ ان قرون متاخرہ میں پیدا ہونے والا آدمی جب چشم بصیرت وا کرتا ہے۔ اور ایک خدا اور ایک رسول کے کلمہ گوؤں کے درمیان اختلافات شدیدہ وافتراقات عدیدہ پر نظر کرتا ہے تو حیرت و تعجب کے بحر میں غرق ہو جاتا ہے۔ اور زبان حال سے یہ کہتا ہے۔

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

گو اسے اجمالاً یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ میری غرض خلق عبادت الٰہی ہے (ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) لیکن چونکہ عبادت معبود کی حقیقی معرفت پر موقوف ہے۔ لہٰذا جب میدان معرفت میں قدم رکھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ معبود حقیقی جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرا ہے بعض کہتے ہیں خدا اپنے عرش پر بیٹھتا ہے تو عرش اس کے دباؤ سے چرچرانے لگتا ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ عادل ہے۔ کسی قسم کا ظلم و جور بندہ کے حق میں روا نہیں رکھتا تو بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ خیرہ وشرہ من اللہ تبارک وتعالیٰ یعنی اچھے اور برے کاموں کے ارتکاب کا وہی ذمہ دار ہے اور پھر ان پر جزا و سزا بھی دیتا ہے الی غیر ذالک من الاختلافات اسی طرح خود نبی اعظم کی ذات والاصفات میں بیسیوں اختلافات مسلمانوں کے اندر دیکھتا ہے کہ کچھ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ نبی مھد سے لیکر لحد تک ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے دوسرے کہتے ہیں کہ قبل از نبوت صغیرہ تو کیا کبیرہ کا بھی مرتکب ہو سکتا ہے اور بعض کا عقیدہ ہے کہ اس کا ہر قول و فعل منشاء ایزدی کے عین مطابق ہوتا ہے۔ ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی اور بعض کا خیال یہ ہے کہ نبی کبھی (ہوس نفسانی یا غلبہ شیطانی سے بھی کوئی بے ہودہ کلام کر سکتا ہے۔ (تلک الغرانیق العلی و ان شفاعتهن لترتجی اور قضیۂ قرطاس میں ان هذا الرجل لیهجر ملاحظہ ہو) وغیر ذالک یہ تو تھی معارف اصولیہ میں اختلاف کی مختصر روئیداد اس کے بعد ان اختلافات سے جب گھبرا کر فروع دین و عبادت کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ بعض ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کو واجب بتاتے ہیں اور بعض باندھ کر پڑھتے

ہیں اور پھر ہاتھ باندھنے والوں میں باہمی اختلافات ہیں کچھ ناف کے نیچے اور کچھ ناف کے اوپر اور کچھ سینے کے اوپر باندھنے کے قائل ہیں۔ بعض بسم اللہ کو باآواز بلند پڑھتے ہیں اور بعض آہستہ اور بعض سرے سے پڑھتے ہی نہیں ہیں بعض دو تین اور چار رکعتوں کے قائل ہیں۔ تو کچھ نماز ہائے پنجگانہ کو دو رکعتی سمجھتے ہیں اسی طرح باقی عبادات مثل روزہ وزکوۃ خمس وغیرہ کی کیفیت و نوعیت میں بیسیوں اختلافات دیکھ کر اس کے تردد وتحیر میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے وہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ فرقہ ہائے اسلام بایں ہمہ اختلافات وافتراقات سب حق پر نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔ جس کا عقلائے روزگار کے نزدیک محال وممتنع ہونا واضح وآشکار ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ تمام فرق اسلام سے سنتا ہے کہ پیغمبر اعظم علیہ السلام فرما گئے ہیں "ستفترق امتی علی ثلاثه وسبعین فرقة کلها فی النار الا واحدة منها ناجية" (حدیث نبوی متفق علیہ) تو اس کے اس یقین میں اور استحکام پیدا ہو جاتا ہے کہ فرق اسلام میں سے اکثریت باطل پرست اور جہنم کا ایندھن ہے۔ ان حالات میں اس کی عقل سلیم وطبع مستقیم اسے مجبور کرتی ہے۔ کہ اس فرقہ ناجیہ کی تلاش کرے۔

ع۔ تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں!

بنابریں عقل فیصلہ کرتی ہے کہ اگر ایسے حالات میں آنکھیں بند کر کے بلا تحقیق اپنے آباؤ اجداد یا دیگر رفاق واحباب کے مذہب پر گامزن رہا تو ممکن ہے کہ واقع میں وہ فرقہ ہلاک ہونے والے فرقوں میں سے ہو۔ لہذا کسی حالت میں اس امر سے تغافل وتساہل نہیں برتا جا سکتا۔

ہمیں یقین ہے کہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد وہ کمر ہمت باندھ کر یہ کہتا ہوا کہ

ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

اس بحر بیکراں میں کود پڑے گا۔ لیکن چونکہ یہ بحر ظلمات مختلف قسم کی آفات وبلیات سے مملو اور پر ہے۔ جس میں خلق کثیر وجم غفیر در مقصود کو تلاش کرتے ہوئے غرق ہو چکی ہے۔ فرق اسلامیہ میں سے ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے کو ناری بتلاتا ہے۔ اہل تسنن کہتے ہیں۔ کہ

وہ ناجی فرقہ ہم ہیں جو سنت رسول کے عامل ہیں۔ باقی سب ناری ہیں پھر سنیوں میں اختلاف بریلوی کہتے ہیں کہ ہم ناجی اور وہابی جہنمی ہیں کیونکہ وہ سرکار رسالت کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں وہابیوں کی بزم میں جایئے تو وہ تمام مسلمانوں کو مشرک وناری بتلا کر اپنے کو توحید کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں اور اگر محفل قادیانی میں قدم رکھئے تو وہ تمام فرقہ ہائے اسلام کو کافرو بے بصیرت اور اپنے کو فردوس کے وارث خیال کرتے ہیں اگر اہل تشیع کی مجلس میں شریک ہوئے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ناجی فرقہ ہم ہی ہیں کیونکہ ہم ہی رسول کی مقرر کردہ کشتی نجات پر سوار ہیں وہ بحر ضلالت و غوایت سے نجات پانے کیلئے ہمارے واسطے مقرر کر گئے ہیں مثل اھلبیتی کمثل سفینہ نوح من رکبھا نجی و من تخلف عنھا غرق و ھوی ہم ہی متمسک بہ ثقلین ہیں کہ جنہیں محسن اعظمؐ اپنی امت کو جہالت وضلالت سے نکالنے کیلئے چھوڑ گئے تھے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی لہٰذا خطرہ اور شدید خطرہ تھا کہ کہیں اس بحرِ ظلمات کا یہ تازہ شناور بھی در مقصود حاصل کرنے سے پیشتر غرق نہ ہو جائے اس لیے ہم ذیل میں اس منزل کو طے کرنے کے واسطے چند ہدایتیں درج کیے دیتے ہیں جو منزل مقصود تک پہنچنے اور در مقصود حاصل کرنے کیلئے اس کیلئے خضر راہ ثابت ہوں ہمیں امید کامل ور جاء واثق ہے کہ اگر اس متلاشی حق نے ان وصایاء اور ہدایات کو اپنے لئے مشعل راہ بنا کر گوہر مراد کو تلاش کیا تو یقیناً وہ در مقصود سے دامن مراد پر کرکے بہ سلامتی ساحل نجات تک پہنچ جائیگا و ذالک ھو الفوز العظیم۔

مطلب چہارم شرائط تحصیل معرفت حق

جو شخص واقعاً حق وحقیقت کا متلاشی اور اس کی معرفت کا خواہاں ہو تو اس کیلئے نہایت ضروری ہے کہ پہلے ان مندرجہ ذیل شرائط کو حاصل کرے تاکہ اس کی کوشش بار آور ہو سکے۔

(شرط اول) یہ ہے کہ اپنے آباؤ اجداد و دیگر متعلقین کے مذہب کی تقلید کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دے اور جو اعتقادات ونظریات بغیر دلیل و برہان بلکہ محض تقلیدی طور پر رکھتا ہے ان سب سے اپنے آئینہ قلب کو پاک وصاف کردے یہ اس لیے کہ خداوند علیم وحکیم نے ہمیں اصول دینیہ و

معارف یقینیہ میں اپنے آباؤ اجداد و دیگر رفقاء و احباب کی تقلید کا حکم نہیں دیا بلکہ اس نے قرآن کریم میں ان امور کے متعلق تقلید سلف کرنیوالوں کی بہت مذمت فرمائی چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

و اذا قیل لھم امنوا قالوا بل نتبع ما الفینا علیه آباء نا او لو کان ابائھم لا یعقلون شیا و لا یھتدون.

کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے کہ جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے خواہ ان کے آباؤ اجداد بے عقل و بے ہدایت ہوں۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: و کذالک ما ارسلنا من قبلک فی قریة من نذیر الاقال مترفوھا انا وجدنا ابائنا علی امة و انا علی آثارھم مقتدون قال اولو جئتکم باھدیٰ مما وجدتم علیه ابائکم قالو انا بما ارسلتم به کفرون الی غیر ذالک من آلایات اس خدائے منان نے اپنے بندگان کو دلیل و برہان سے معارف ایمان کی تحصیل کو واجب ولازم قرار دیا ہے اور یہی دین اسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ اس نے تمام ادیان کو اپنے دعاوی پر برہان قائم کرنے کی ان الفاظ میں دعوت دی ہے قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین بخلاف باقی ادیان کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہماری بات مانو اور اس پر دلیل کا مطالبہ نہ کرو یہ مان لو کہ مسیح و خدا اور روح القدس ایک بھی ہیں اور تین بھی ہیں لیکن یہ نہ پوچھو کہ یہ کس طرح متصور ہوسکتا ہے؟ اس خدائے حکیم نے ہمیشہ اپنے انبیاء و مرسلین کو دلائل قاہرہ اور معجزات باہرہ کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اتمام حجت میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے مقام تدبر ہے کہ جب ہر عقلمند آدمی کسی معمولی دنیوی امر میں بغیر دلیل و برہان کے کوئی اقدام نہیں کرتا تو دین کے معاملہ میں تو اسے کئی درجہ زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے پھر اس میں بغیر دلیل و برہان کے کس طرح محض تقلید سلف پر اکتفا کی جاسکتی ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ تحقیق حق کرے اور روز حساب کیلئے جواب دہی کا سامان مہیا کرے وہ روز کہ جس کے متعلق خلاق عالم فرماتا ہے۔

یوم یفر المرء من اخیه و امه و ابیه وہ ایسا سخت دن ہوگا کہ جس میں انسان اپنے

بھائی اور ماں باپ اور بیوی بچوں غرضیکہ تمام کنبہ سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اپنی نجات کا راستہ تلاش کریگا اور نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی اے عزیز انصاف سے کہہ کہ اگر تو نے دار دنیا میں دلیل و برہان کے ساتھ مذہب حق کی معرفت پر قدرت رکھتے ہوئے اس کو دلیل سے حاصل نہ کیا اور محض اپنے موروثی مذہب پر اڑا رہا جو اس دن واقع میں غلط ثابت ہوگیا تو کس منہ سے خداوند عالم کی بارگاہ میں پیش ہوگا اور جب مقام باز و پرس میں قہار و جبار پروردگار نے تجھ سے یہ استفسار کیا کہ اس مذہب باطل کو کیوں اختیار کیا تھا؟ تو کیا اس وقت تیرا یہ کہہ دینا کہ اپنے والدین یا معلمین یا دیگر وابستگان کی تقلید میں ایسا [illegible] کافی ہوگا؟ اگر اس مقام پر خداوند متعال نے یہ پوچھ لیا کہ کس دلیل کی بنا پر ان کی تقلید کی تھی تو کیا جواب دیگا؟ اگر تو نے یہ کہا کہ بار الہا ترے قران عظیم و سنت نبی کی بنا پر ان کا اتباع کیا تھا تو یہ وہ کذب صریح ہوگا جو عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے اور اگر تو نے یہ کہا کہ چونکہ میں نے اسی مذہب کو حق سمجھا تھا لہٰذا اس مذہب کی متابعت کی تھی تو اس پر اگر یہ سوال کیا گیا کہ کس طرح اس مذہب کو حق سمجھا تھا اگر تو نے یہ کہا کہ قرآن و سنت کی رو سے تو تیرا یہ کہنا دو حال سے خالی نہیں ہوگا اگر تو نے سچ کہا یعنی واقعی قرآن کریم و سنت سید المرسلینؐ کی روشنی میں تو اپنے آبائی مذہب کو اختیار کیا تھا تو پھر ضرور نجات کا پروانہ مل جائیگا (لیکن یہ تقلید آباء نہ ہوئی بلکہ یہ تو دلیل و برہان کا عین اتباع ہے) اور اگر تیرا یہ کہنا غلط ہوا یعنی درحقیقت قرآن و سنت کی رو سے ان کی حقانیت ثابت کیے بغیر ان کی تقلید کی تھی تو کیا ہلاکت ہی ہلاکت نہ ہوگی؟ لہٰذا اے طالب حق! تقلید کے پھندے سے آزاد ہو کر از روئے قرآن کریم و سنت سید المرسلین اور عقل سلیم مذہب حق کی معرفت حاصل کرنے میں (تتبع و تفحص) کر اور جس مذہب کی طرف دلائل و براہین تیری رہبری کریں اسے فوراً اختیار کر خواہ وہ تیرے آبائی مذہب کے موافق ہو یا مخالف کیونکہ بروز حشر تجھ سے تیرے ہی متعلق سوال کیا جائیگا تیرے آباء اجداد کی باز پرس تجھ سے نہیں کی جائے گی قال اللہ تعالیٰ یوم یاتی کل نفس تجادل عن نفسھا و توفی کل نفس ما عملت یعنی بروز حشر ہر نفس اپنے متعلق جھگڑا کرتا ہوگا۔ اور ہر شخص کو

اس کے کئے کی پوری پوری جزادی جائے گی (لا یضر کم من ضل اذا ھتدیتم)

(شرط دوم) شرط دوم یہ ہے کہ مذہب حق کی تلاش کرتے وقت کسی خاص فرقہ کی حمایت اور جنبہ داری کی پٹی کو چشم بصیرت سے اتاردے بلکہ بالکل خالی الذہن ہوکر میدان تحقیق میں قدم رکھے کیونکہ یہی فرقہ نوازی وجنبہ داری ہی وہ مصیبت عظمی اور آفت کبری ہے کہ جس نے ہمیشہ لوگوں کو حق وحقیقت سے باز رکھا ہے ہمیشہ خداوند عالم نے اپنے انبیاء کو بینات ومعجزات دے کر بھیجا لیکن بایں ہمہ جن لوگوں پر اپنے مذاہب باطلہ کی حمایت ورعایت غالب تھی وہ اپنی بات پر اڑے رہے اور کبھی مذہب حق کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا بہت دور نہ جایئے ان یہود ونصاری کو لے لیجئے کہ جب سرکار سید الانبیاء ہزاروں معجزات کے ساتھ ظلمات کفروشرک کو نور اسلام سے کافور وجہالت وضلالت کو اپنے تعلیمات حقانیہ وعلوم ربانیہ سے دور اور کفروزندقہ کے بتکدوں کو بقعۂ نور بنانے کیلئے سرزمین مکہ پر مبعوث ہوئے تو ان لوگوں نے باوجودیکہ ان کے معجزات ساطعہ وبینات قاطعہ مشاہدہ کئے اور ان کو یقین بھی ہوگیا کہ یہ وہی نبی ہے جسکی نبوت ورسالت کی پیشین گوئیاں ہماری کتب میں مذکور ہیں یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم (یہ لوگ رسول کو اس طرح پہنچاتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو) لیکن بایں ہمہ چونکہ تعصب قومی وحمایت مذہبی اور عناد ملی ان پر مسلط تھا اس لیے تصدیق رسالت نہ کرسکے معلوم ہوا کہ تعصب مذہبی یعنی کسی خاص فرقہ کی رو ورعایت وحمایت کرنا ہی انسان کو حق وحقیقت کے قبول کرنے سے مانع ہوا کرتا ہے جس کا نتیجہ ابدی ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا "وبئس المصیر" بخلاف اس کے جو لوگ نجاح وفلاح اور پروردگار عالم کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ہر ممکن صورت سے حق وحقیقت کو دلیل قطعی سے حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں اور اس تک پہنچنے میں جسقدر عوائق وموانع ان کو درپیش ہوں وہ ان سے صرف نظر کرکے اپنے مقصد کے حصول میں برابر بڑھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں منجملہ ان چیزوں کو جورخ حقیقت پر پردہ ڈالتی ہیں ایک مسئلہ کثرت وقلت بھی ہے جو اکثر جویان حقیقت کو فائز المرام نہیں ہونے دیتا حقیقت کا متلاشی جستجو حق کرتے وقت جب دیکھتا

ہے کہ ایک مذہب کے ماننے والے تعداد میں زیادہ ہیں او دوسرے مذہب کے سالکین قلیل تو فوراً اس کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ ضرور وہی مذہب حق ہوگا جس کے ماننے والے بہت ہیں بہت سے سادہ لوح انسانوں کو دیکھا گیا ہے کہ اس مقام پر پہنچ کر ان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں بلکہ اکثر عوام الناس اس وسوسہ کو اپنے مذہب کی دلیل حقانیت تصور کرتے ہیں حالانکہ جن لوگوں کو خداوند عالم نے چشم حقیقت بین عطا فرمائی ہے ان کی آنکھیں کبھی کثرت کے جلوؤں کو دیکھ کر خیرہ نہیں ہوتیں وہ سمجھتے ہیں کہ معیار حق و باطل کثرت و قلت افراد نہیں ہوا کرتا بقول ڈاکٹر اقبال

ع۔ کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

اس کے علاوہ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ خداوند عالم نے اپنے کلام میں بارہا کثرت کی مذمت فرمائی ہے کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین اے رسولؐ اگرچہ تم بہت ہی حرص کرو تا ہم اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے کہیں فرماتا ہے۔ اکثرھم لا یومنون۔ اکثرھم لا یعلمون اکثرھم لا یعقلون اور کسی جگہ پر فرماتا ہے اکثرھم لا یھتدون اکثر لوگ بے ہدایت ہیں کسی مقام پر فرماتا ہے اکثرھم الفاسقون جہاں تک ہماری نظر قاصر کا تعلق ہے قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی کثرت کی تعریف نہیں کی گئی بلکہ ہر جگہ اسکی مذمت کی گئی ہے بخلاف اس کے اقلیت کی فرقان حمید میں ہر جگہ مدح سرائی کی گئی ہے اور کہیں بھی اسکی مذمت نہیں کی گئی ارشاد ہوتا ہے وقلیل من عبادی الشکور یعنی میرے بندوں میں سے شکر گذار بہت تھوڑے ہیں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے و قلیلاً ما ھم۔ و کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ وما امن معہ الا قلیل۔ صاحبان عقل و دانش کو کبھی کثرت سے مرعوب اور قلت سے متوحش نہیں ہونا چاہیے ولا ینبغی التوحش اذا ساعدنا الدلیل اہل باطل کو ان کی کثرت کچھ فائدہ اور اہل حق کو ان کی قلت کچھ ضرر و نقصان نہیں پہنچا ئیگی۔

ؔ وکل امرء یوما سیعلم سعیہ

اذا کشفت عند الالہ المحاصل

یوں تو ہر شخص دعوی کرتا ہے کہ اس کا دامن تعصب مذہبی و تنگ نظری کی مذموم صفت سے آلودہ نہیں ہے لیکن عملی طور پر اکثر ایسے مدعیان کو سخت تعصب و کوتاہ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے ارباب بصیرت ان لوگوں کو پہچانتے ہیں جو اپنے حلقہ اثر میں یہ تبلیغ کرتے ہیں کہ فلاں فرقہ کی محافل و مجالس میں نہ جانا ورنہ تمھارے نکاح ٹوٹ جائیں گے واضح ہے کہ انکا مقصد اس تدلیس سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ اہل حق کے دلائل صداقت ان کے گوش گزار نہ ہونے پائیں تا کہ وہ اپنے تقلیدی مذہب کی چار دیواری سے باہر نہ نکل سکیں اس لیے بعض علماء اعلام نے تعصب و عناد کے معلوم کرنیکی ایک کسوٹی مقرر کی ہے جس پر ہر شخص اپنے کو پرکھ کر یہ پتہ چلا سکتا ہے کے آیا اس میں تعصب مذہبی کی مذموم صفت موجود ہے یا نہیں چنانچہ وہ بزرگوار فرماتے ہیں:

و من یرید ان یعرف ھل فیہ تعصب فلیجرب نفسہ فی حق من یدعوہ الیٰ مذھب غیر مذھبہ فان نفر منہ و غضب علیہ و عزم علی ھجرہ و المباعدہ عنہ فلیعلم ان فیہ تعصب و من لم ینفر ممن دعاہ الی مذھب غیرمذھبہ و لم یغضب علیہ و لم یعزم علی ھجرہ بل رضی بقولہ و طلب منہ الدلیل علی ما یدعوہ الیہ بالتی ھمی احسن فھو قد نجاہ اللہ من التعصب

یعنی جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ آیا اسمیں تعصب و بے جا حمایت کا مادہ پایا جاتا ہے یا نہیں تو وہ اپنے نفس کا تجربہ اس شخص کے حق میں کرے جو اس کو اس کے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کیطرف دعوت دیتا ہے اگر یہ اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اس پر ناراض ہو اور اس سے بائیکاٹ کرنے کا عزم کرے تو جاننا چاہے کہ اس میں تعصب مذہبی پایا جاتا ہے اور جو شخص اس دعوت دینے والے سے اظہار نفرت نہ کرے اور اس پر ناراض نہ ہو بلکہ اس کے قول سے اظہار خوشی کرتے ہوئے اس دعوت دہندہ سے اس کے مذہب کی صداقت پر بطریق احسن دلیل طلب کرے تو ایسے شخص کو خداوند عالم نے تعصب (ایسے مہلک مرض) سے نجات دیدی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرز عمل کو اختیار کرنے کے باقی فوائد سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ ایک فائدہ ہی کیا کم ہے کہ ایسا کرنے سے اس کو مذہبی تبادلہ خیالات کا موقع مل جائیگا اور چونکہ ان دو میں سے یقیناً ایک باطل پر ہوگا لہٰذا اس دعوت دہندہ کو ہدایت حاصل ہو جائیگی یا مدعو کو گھر بیٹھے راہ حق مل جائیگی علی کل حال یا خود ہدایت حاصل کریگا یا اپنے ایک بھائی کی رشد و ہدایت کا باعث بنے گا حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے لئن یھدی اللہ بک رجلاً واحداً خیر لک من الدنیا و مافیھا اگر تیرے ذریعے خداوند عالم کسی ایک شخص کو راہ ہدائت دکھادے تو یہ تیرے لئے دنیا و مافیھا سے بہتر ہے بنا بریں ہر عقلمند جس کے عقل وفہم پر ہوا و ہوس نفسانی اور وسواس شیطانی کے پردے نہیں پڑگئے یقیناً ایسی دعوت پر بجائے ناراضی و پشیمانی کے اظہار مسرت وشادمانی کریگا: نسئل اللہ سبحانہ الرحم علی العباد بالنجاۃ من التعصب والعناد بحق النبی وآلہ الامجاد صلوات اللہ علیھم الی یوم التناد

شرط سوئم: یہ ہے کہ متلاشی حق پر لازم ہے کہ حب جاہ وجلال اور طمع مال ومنال کو اپنے نفس سے نکال دے اور اس شرط کا فائدہ بھی مثل سابق دو شرطوں کے ارباب بصیرت پر مخفی ومحجب نہیں ہے کیونکہ تتبع وتجربہ بتاتا ہے کہ تمام صفات قبیحہ کی یہی جڑ ہے چنانچہ تعصب وعناد اور بے جا حمایت ورعایت وغیرہ کا سبب بھی عموماً یہی حب دنیا ہوا کرتی ہے پیغمبرؐ کا ارشاد ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ جب تک کسی مرض کے سبب کا ازالہ نہ کیا جائے تب تک اس مہلک مرض سے نجات حاصل نہیں ہوسکتی یہ طے شدہ بات ہے کہ بہت سے لوگ محض حب جاہ وجلال اور طمع مال ومنال کیوجہ سے باوجود حقیقت کے منکشف ہوجانے کے اپنے مذاہب باطلہ پر اڑتے رہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے زعم باطل میں اسی ظاہری مال ومنال میں اپنی عزت اور اس کے ترک کرنے میں اس کا زوال خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ للہ العزۃ ولرسولہ و للمومنین و لکن المنافقین لا یعلمون (سورہ منافقون) بلکہ ہر زمانہ کے کفار ومشرکین عموماً اور زمانہ رسولؐ کے یہود ونصاریٰ خصوصاً اسلام کے قبول نہ کرنے پر اگر ذرا غائرانہ نظر ڈالی جائے تو صاف

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس شرف عظیم سے محروم رہنے کی وجہ یہی حب جاہ وجلال تھی اگر وہ تعصب مذہبی و بے جا حمایت ملی بھی کرتے تھے تو درحقیقت اسی صفت کا نتیجہ تھا یہ ایسے حقائق ہیں جو تاریخ اسلام پر نظر کرنے والے حضرات پر مخفی نہیں ہیں لہٰذا طالب آخرت کیلئے لازم ہے کہ محبت دین حق کے پانی سے اس صفت رزیلہ کو حرف غلط کی طرح اپنے صفحہ قلب سے محو کردے مذاہب اسلام کے عوام سے بھی میں یہ اپیل کروں گا کہ وہ اپنے ملاؤں کو اللہ کے مقابلہ میں خدا سمجھ کر ان کی ہر جائز و ناجائز بات پر امنا و صدقنا کے بلا دلیل صمیم قلب سے قبول نہ کریں انہیں چاہیئے کہ وہ کشتی مذہب کے ان ناخداؤں سے ہر امر پر دلیل و برہان کا مطالبہ کریں کیونکہ اسلام دلیل و برہان کا مذہب ہے دیکھئے خداوند عالم نے یہود و نصاریٰ کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: اتخذو احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو خداوند عالم کے علاوہ اپنا خدا بنالیا ہے احادیث میں وارد ہوا ہے بلکہ نہ کبھی احبار و رہبان نے دعویٰ الوہیت کیا تھا اور نہ کبھی یہود و نصاریٰ نے انہیں خدا کہہ کر پکارا تھا بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ وہ خواہشات نفسانیہ کی بنا پر حلال الٰہی کو حرام اور حرام ایزدی کو حلال کردیتے تھے اور یہ عوام اس امر کو جانتے ہوئے بھی محض اندھی تقلید میں ان کی تصدیق کردیتے تھے لہٰذا ہر مسلمان کو دین کے معاملہ میں بہت ہی ہوشیار رہنا چاہیے ورنہ وہ اس وعید و تہدید الٰہی کا مشمول ہوگا۔

مطلب پنجم عرفان حق و باطل کا معیار و میزان؟

ہر عاقل و عارف مسلمان جانتا ہے کہ حق کی معرفت حاصل کرنے اور اسکو باطل سے تمیز دینے کا معیار شریعت مقدسہ اسلامیہ میں چار چیزیں ہیں: (۱) قرآن عظیم (۲) سنت سید المرسلینؐ (۳) احادیث آئمہ دین (۴) حکم عقل سلیم بلکہ عندالتحقیق فرمائشات آئمہ علیہم السلام اور احکام عقلیہ کی بازگشت بھی بالآخر قرآن و سنت کی طرف ہے کما سیتضح لک یہی وہ دوام ہیں جو باتفاق مذاہب اسلام کے باہمی مخاصمہ و منازعہ اور مناظرہ کے وقت ایک دوسرے پر بطور حجت قطعیہ پیش کیئے جاتے ہیں ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ قرآن و سنت ہر دو محکم و متشابہ عام و

خاص مجمل ومفصل ظاہر ومؤول مطلق ومقید ناسخ ومنسوخ وغیرہ انواع واقسام پر مشتمل ہیں اور مقام رفع نزاع میں ان تمام اقسام میں سے جس قسم کے ساتھ تمسک کیا جاسکتا ہے وہ صرف قرآن وسنت کے محکمات ہیں جن کے معانی ومفاہیم علماء تو کیا عام آدمی بھی باآسانی سمجھ سکتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی ہے ان الله لغنی عن العالمین۔ ان الله علی کل شئی قدیر۔ ان الله بکل شئی علیم یا جیسے الله الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیه ترجعون الی غیر ذالک من الایات حتی کہ اس قسم کے محکم آیات کسی تفسیر وتبیین کے محتاج بھی نہیں ہوتے کیونکہ معمولی عربی جاننے والا آدمی بھی ان کا مطلب ومفہوم سمجھ سکتا ہے لیکن محکم کے علاوہ باقی اقسام کے ساتھ استدلال کرنا اور بطور اتمام حجت مد مقابل کے سامنے پیش کرنا سنت صحیحہ کی تفسیر وتشریح پر موقوف ہے کیونکہ متشابہات کو سمجھنا عوام تو کیا عام علماء کے بھی بس کا روگ نہیں ہے لا یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم اسی بیان سے ان اخبار وآیات کے درمیان بہترین جمع بھی ہوسکتی ہے جن سے قرآن کا عام فہم ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض سے مشکل ہونا۔ یہی آیات محکمات احادیث کی صحت وسقم معلوم کرنے کا میزان ومعیار ہیں جیسا کہ شارع مقدس نے فرمایا ہے ما یروی عنی فاعرضوہ علی کتاب الله فما وافق کتاب الله فاعملوا به و ما خالف کتاب الله فاضربوہ علی الجدار (حدیث نبوی ومتفق علیہ) یعنی جب میری روایات تم تک پہنچیں تو انہیں کتاب خدا پر پیش کرو جو قرآن کے مطابق ہوں ان پر عمل کرو اور جو کتاب خدا کے مخالف ہوں انکو دیوار پر پھینک دو اس حدیث سے بھی انہی محکمات کتاب پر پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے فتامل

پس جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہ صحیح اور جو اس کے مخالف ہو وہ موضوع ومکذوب ہوگی۔ بنابریں مقام استدلال میں جب کوئی شخص روایت پیش کرے تو وہ اگر ضعف سند وغیرہ سے گو محفوظ ہو لیکن بظاہر مخالف قرآن ہو تو اگر اسکی کوئی عمدہ تاویل ممکن ہوسکے تو فبہا ورنہ اسے مسترد کردیا جائیگا لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی روایت نقل کرے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ آئمہ علیہم

السلام خالق ورازق ومحی وممیت ہیں تو چونکہ وہ محکمات قرآن کے خلاف ہے لہٰذا اس کی اگر کوئی عم
تاویل (اگر چہ بطور علت غائی بھی ہو) ہو سکی تو فبہا ورنہ اس کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جا
گا اسی طرح اگر کوئی فرقہ خطابات شرعیہ وغیرہ میں نبی معصوم کے خطا کرنے کی روایات نقل کر
بلکہ ان کی گفتگو کو معاذ اللہ ہذیان کی طرف نسبت دے اگر چہ وہ باتیں بحالت مرض ہی کیوں
ہوں تو چونکہ یہ محکم قرآن ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کے مخالف ہے لہٰذا و
روایات اکاذیب کا مجموعہ ہونگے اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے روایات بیان کرے جن سے
آنحضرت کے معراج جسمانی کا انکار اور معراج روحانی کا اقرار مترشح ہوتا ہو تو چونکہ یہ روایتیں
بھی نص قرآن سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا کے مخالف ہیں لہٰذا ان کو رد کر دیا جائیگا اسی
طرح اگر کوئی فرقہ ایسی روایات بیان کرے جن سے ہر فاسق وفاجر اور ظالم وجائر کے امام ہونے
جواز ثابت ہوتا ہو تو چونکہ یہ نص قرآن لا ینال عھدی الظالمین کے مخالف ہے لہٰذا ایسی
روایات کو عہد بنو امیہ کی ایجاد سمجھا جائیگا۔

اسی طرح اگر کوئی ایسی روایت نقل کرے جس سے مفضول کی فاضل پر ترجیح لازم آتی
ہو تو چونکہ یہ آیت محکمہ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی
مالکم کیف تحکمون کے خلاف ہے تو اس کو در خوار اعتناء نہیں قرار دیا جائیگا اسی طرح جو شخص
ایسی روایت بیان کرے جس سے معاذ اللہ سرور کائنات کی شرابخوری ثابت ہوتی ہو ملاحظہ ہو
(جذب القلوب شیخ عبدالحق دہلوی باب ششم ذکر مسجد فضیخ) تو چونکہ یہ عصمت انبیاء کے منافی ہے
لہٰذا باطل ہوگی۔

کسی روایت کے صحت وسقم دریافت کرنے کا دوسرا معیار یہ ہے کہ روایات شاذہ کی
روایات صحیحہ مشہورہ متواترہ سے مطابقت دیکھی جائے اگر ان کے مطابق ہوئیں تو فبہا ورنہ نا قابل
اعتبار واستناد سمجھ جائیں گی۔

خلاصہ یہ کہ ہر مسلمان کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے عقائد ونظریات اور تمام روایات کو
محکمات کتاب وسنت کے اوپر پیش کرے اور وہ عقیدہ ونظریہ رکھے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو اور

جو روایت محکمات کتاب و سنت کے مخالف ہو اسے ترک کر دے کیونکہ وہ بلا شبہ باطل و عاطل ہو گی چنانچہ علماء محققین اہل سنت بھی بالآخر منازل تحقیق طے کرتے ہوئے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں چنانچہ علامہ سیوطی اپنی کتاب اتمام الدرایہ شرح نقایہ ص ۶۲ طبع بمبئی پر بطلان روایت کے قرائن و اسباب کے ضمن میں رقمطراز ہیں و منها ان یکون مناقضاً لنص القرآن و السنة المتواتره منجملہ اسباب بطلان روایت کے ایک یہ ہے کہ وہ نص قرآن یا سنت متواترہ کے مناقض و معارض ہو اس کے برخلاف جو عقیدہ و نظریہ قرآن و سنت کے مطابق ہو اسے اختیار کرے کیونکہ وہ حق ہی حق ہو گا۔

مطلب ششم احکام مستقلہ عقلیہ

مخفی نہ رہے کہ بعض ایسے مسائل ہیں کہ جن کے متعلق عقل سلیم حکم لگانے میں استقلال رکھتی ہے جیسے شریک خدا کا ممتنع و محال ہونا یا خدا کا جسم و جسمانیات سے منزہ ہونا یا عصمت انبیاء و آئمہ کا ضروری ہونا یا تکلیف مالا یطاق کا قبیح ہونا یا جیسے ظلم و ستم کا ہر ایک کے واسطے اور بالخصوص خدا کیلئے قبیح ہونا یا جیسے ارسال رسل انزال کتب کا ضروری ہونا یا احسان اور بھلائی کا اچھا ہونا یا صدق نافع کا مستحسن ہونا وغیرہ وغیرہ جن میں اگر بالخصوص شریعت مقدسہ کی طرف سے کوئی حکم وارد نہ بھی ہوا ہوتا تب بھی ان کے متعلق عقل سلیم اثباتا یا نفیاً حکم لگانے میں توقف و تامل نہ کرتی چہ جائیکہ جب بعض آیات و روایات اس کی تائید کر دیں پھر تو سونے پر سہاگہ ہو گا ظاہر ہے کہ ایسے احکام قطعاً صحیح اور نا قابل تردید ہوتے ہیں لہٰذا جو روایت ایسے احکام کے بظاہر مخالف ہو اگر اس کی کوئی عمدہ تاویل ہو سکے تو فبہا ورنہ وہ نا قابل قبول ہو گی چنانچہ سیوطی نے کتاب اتمام الدرایہ ص ۶۴ پر اسباب کذب روایت کے ضمن میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے و صریح العقل یعنی منجملہ اسباب بطلان روایت کے ایک یہ ہے کہ وہ عقل صریح کے حکم کے مخالف ہو بلکہ اگر کوئی ایسی آیت بھی ہو کہ جو ظاہری طور پر ان احکام مستقلہ عقلیہ کے منافی معلوم ہوتی ہو تو اسکی بھی تاویل لازم و متحتم ہو گی بنا بریں اگر کسی روایت میں یہ وارد ہو کہ خداوند عالم اپنی ٹانگیں جہنم میں ڈال دیگا اور جہنم شدت امتلاء سے قط قط کہہ اٹھے گی تو چونکہ یہ روایت قطع نظر باقی مناقشات کے خدا

کے جسم پر دلالت کرتی ہے جو صریح عقل کے مخالف ہے لہذا موضوع و مصنوع ہوگی (اگر چہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری الصحیح بخاری میں ہی کیوں نہ موجود ہو) اسی طرح اگر کسی روایت میں یہ مذکور ہو کہ حضرت رسول کریمؐ سورہ نجم کی تلاوت فرما رہے تھے کہ شیطان نے اس دوران میں دو جملے بتوں کی تعریف میں آپ کی زبان وحی ترجمان پر جاری کر دیئے (تلک الغرانیق العلی۔ وان شفاعتھن لترتجی) (اگر چہ ابنائے جماعت کی اکثر کتب تفاسیر میں موجود ہو) تو چونکہ یہ صریح حکم عقل یعنی عصمت انبیاء کے مخالف ہے لہذا بلاشبہ مجعول و موضوع متصور ہوگی اسی طرح اگر کوئی فرقہ یہ عقیدہ رکھے یا کسی روایت میں یہ ملے کہ خیرہ وشرہ من اللہ تبارک وتعالیٰ یعنی بندہ کے سب اچھے اور برے کام خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور پھر وہی ان پر عقاب وعذاب کرتا ہے اور اجر و ثواب بھی دیتا ہے تو چونکہ یہ عقیدہ یا روایت مستلزم ظلم باری تعالی ہے لہذا باطل وعاطل ہوگی (ان لم یمکن تاویلہ) اسی طرح اگر کوئی فرقہ یہ نظریہ رکھتا ہو کہ خداوند عالم تکلیف مالا یطاق دے سکتا ہے تو چونکہ یہ بھی مستلزم ظلم ہے اور مخالف نص قرآن (لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا) ہے لہذا یہ نظریہ غلط محض ہوگا اسی طرح اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے اور اس پر کوئی روایت بھی پیش کرے کہ ہر لحاظ سے افضل وارجح کی موجودگی میں مفضول و مرجوح کو حاکم اور افضل کو محکوم بنانا جائز ہے تو چونکہ یہ عقیدہ و روایت صریح عقل کہ ترجیح بلا مرجح اور ترجیح مرجوح برجح قبیح ہے کے خلاف ہے لہذا باطل محض وعاطل بحت ہوگی۔

الی غیر ذالک یہاں پر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حکم عقل سے مراد وہی احکام ہیں جن پر عقل سلیم حکم لگانے میں مستقل ہو اس کا یہ مطلب نہیں جیسا کہ بعض بے سمجھ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ہر وہ روایت اگر چہ صحیح السند اور واضح الدلالت ہی کیوں نہ ہو جو ان کے عقول وغیرہ مستقیمہ وافہام سقیمہ میں نہ آئے یا ان کی ہوا و ہوس کے مخالف ہو یا ان کے نظریات فاسدہ و آرائے کاسدہ کے مخالف ہو تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت خلاف عقل ہے لہذا قابل اعتبار نہیں ہے بلکہ بعض بے بصیرت تو آیت قرآنیہ تک کے متعلق ایسا کہہ دینے میں کوئی باک محسوس

نہیں کرتے واضح رہے کہ کوئی آیت یا روایات بعض مقصر یا قاصر اور عاجز لوگوں کے ناقص فہم کے خلاف ہونیکی وجہ سے مسترد نہیں ہو سکتی جب تک احکام مستقلہ عقلیہ کے مخالف نہ ہو بلکہ ایسی صورت میں وہ حکم عقل حجت ہوگا جو قرآن وسنت کے موافق ہو ورنہ تعارض کی صورت میں آیت و روایت کو مقدم سمجھا جائیگا هذه هي ضابطة العقول المعول عليها في هذا الباب فاحفظ ذالک و کن منه علي ذكر

مطلب ہفتم مذہب حق معلوم کرنے کی کیفیت کا بیان

واضح ہو کہ جو شخص معرفت حق حاصل کرنے کے درپے ہے وہ تین قسموں سے خارج نہیں۔

(۱) یا تو اس قدر پڑھا لکھا ہے کہ خود بخود مذاہب مختلفہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کے ادلہ صحیح وسقیم میں تمیز کر سکتا ہے اور یا ایسا نہیں ہے اس صورت میں پھر یا تو (۲) وہ اس قدر عقل وفہم اور اس قدر استعداد رکھتا ہے کہ مختلف مذاہب کے علماء سے گفتگو کر کے ان کے صحیح وغیر صحیح دلائل میں فرق کر سکتا (۳) یا اس قدر استعداد اور قابلیت بھی نہیں رکھتا۔

یہ ہیں طالبان حق کی تین قسمیں ان میں سے ہر ایک کا طریق معرفت جدا جدا ہے چنانچہ اگر طالب حق پہلی صنف سے تعلق رکھتا ہے تو اسکے لئے عرفان حق وحقیقت بہت ہی آسان ہے کیونکہ میزان معرفت جو ہم نے اوپر مفصل بیان کر دی ہے اس کو اپنے لیے خضر راہ بنا کر تمام مذاہب کے دلائل ومسائل کو اس پر جانچے جس مذہب کے عقائد ونظریات میزان پر پورے اتریں بلا تامل اس کو اختیار کرلے اور باقی مذاہب سے کوئی سروکار نہ رکھے اور اگر دوسری صنف سے تعلق رکھتا ہے تو اسکا طریقہ معرفت اگرچہ بہ نسبت پہلی صنف کے قدرے مشکل ہے لیکن بہ نسبت تیسری قسم کے آسان ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ یہ صحیح وسقیم اور درست و نادرست میں امتیاز کر سکتا ہے لہذا خود مذاہب اسلام کے علماء سے اس سلسلہ میں گفت وشنید کرے اور تمام کے دلائل وبراہین کو گوش حقیقت نیوش سے سن کر سابق میزان معرفت کے مطابق ان میں غور وتامل کرے پس جس

فرقہ کے ادلہ و براہین اس معیار کے مطابق اسکو زیادہ محکم و مضبوط معلوم ہوں اسی مذہب کی اقتدا
کر کے اسے واجب الاتباع سمجھے اور اگر تیسری قسم میں سے ہے (جیسا کہ اکثریت ایسے ہی
لوگوں کی ہے) تو اس کیلئے تحصیل حق کا طریق احسن یہ ہے کے پہلے ایک مذہب کے کسی بڑے
مشہور دیانتدار عالم کے پاس جائے اس سے اس کے مذہب کی حقانیت وصداقت کے دلائل
دریافت کر کے قلمبند کرالے بعدازیں ان دلیلوں کو اس مذہب کے مخالف مشہور مذہبی پیشوا کی
خدمت میں لے جائے پس اگر یہ عالم پہلے مذہب والے عالم کی دلیلوں کو باطل کردے تو یہ
دوبارہ پہلے عالم کی خدمت میں واپس جا کر اس سے صورت حال بیان کرے اگر وہ اس عالم کے
جواب کا جواب الجواب نہ دے سکے تو معلوم ہو جائیگا کہ وہ باطل پر ہے اور اگر وہ اس کی تردید
کردے تو پھر طالب حق دوبارہ اس دوسرے عالم کے ہاں حاضر ہو اگر وہ اس جواب الجواب کی
تردید نہ کر سکے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ باطل پر ہے وعلی ھذا القیاس جب ان میں سے ایک کا
بطلان واضح وعیاں ہو جائے تو اس کو خیر باد کہہ دے اب اس دوسرے مذہب کی دلیل کو لیکر
تیسرے مذہب والے کی خدمت میں پہنچے اور اسکے پاس بدستور سابق گفت وشنید و آمد و رفت
کرے اور اسی سلسلہ کو جاری رکھے یہاں تک کہ بالآخر ایک مذہب پر اس بحث کا خاتمہ ہو جائے
وہی آخری مذہب بلا شک وشبہ حق وصدق کا پیکر اور حقانیت وصداقت کا مجموعہ ہوگا اگرچہ ایسا
کرنے میں اس طالب حقیقت کو سخت محنت ومشقت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن حق یہ ہے کہ حق بغیر
محنت ومشقت برداشت کئے بآسانی حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ

بے رنج گنج میسر نمی شود

اگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ ایک ہی فرقہ کی دلیل معلوم کر کے اس پر قناعت کرلی اور
دوسرے مذہب کے دلائل ومسائل پر نظر نہ کی تو اگر حق دوسرے مذاہب میں ہو جن کے متعلق
اس نے تتبع وتفحص نہیں کیا تو وہ شرعاً وعقلاً خداوند عالم کے نزدیک معذور نہیں ہو سکے گا کیونکہ
اخروی موقف حساب سے پیشتر خود اس کی عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تو کیسے اس ایک مذہب کے اد

کو دیکھ کر ان پر قناعت کر سکتا ہے شائد حق ان فرقوں میں ہو جن کے ادلہ و براہین کو تو نے دیکھا ہی نہیں اور شاید ان میں سے کوئی فرقہ تیرے مذہب کی تردید کرنے پر قادر ہو اور اس کے پاس اپنے مذہب کی حقانیت پر نا قابل تردید دلائل ہوں لہٰذا ایسی صورت میں حق و حقیقت کے ایک عقلمند متلاشی کو ایک مذہب کی صداقت کا ہرگز یقین نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسرے مذاہب کا بطریق مذکور جائزہ نہ لے لے۔ اس کے علاوہ جب خداوند عالم نے بروز محشر اس کے مذہب کے باطل ثابت ہونے کے بعد موقف حساب میں اس سے یہ سوال کر لیا کہ تو نے بغیر دوسرے مذاہب کی حقانیت کا جائزہ لینے کے کس طرح اس مذہب کا اتباع کیا تھا حالانکہ تجھے یہ احتمال تھا کہ شائد حق دوسرے فرقوں میں سے کسی فرقہ میں ہو؟ تو اگر اس نے جواب میں یہ کہا کہ میرے عقل کو یہ احتمال ہی نہ تھا تو اس کو یہ کہہ کر کہ جب تو نے دوسرے مذہبوں کی سیر ہی نہیں کی تھی تو یہ یقین کس طرح ہو گیا تھا کہ یہی تیرا مذہب حق ہے خاموش کر دیا جائیگا قل فللّٰہ الحجۃ البالغہ بعد ازیں سقر اس کا مقر اور ھاویہ اس کا زاویہ ہوگا اعاذنا اللہ منہ۔

اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح ہو گیا کہ کسی انسان کو اس وقت تک اپنے مذہب کی حقانیت و صداقت کا علم و یقین حاصل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ دوسرے مذاہب کی حقیقت حال سے اطلاع حاصل نہ کرے۔ (مگر یہ کہ وہ جہل مرکب کا شکار ہو)

اے عزیز اپنے مذہب کی حقانیت اور دوسرے مذاہب کے بطلان پر حجت شرعیہ حاصل کر تا کہ روز حساب رستگار ہو سکے مجھے یقین کامل ہے کہ اگر طالبان حقیقت و متلاشیان صداقت نے ان مذکورہ بالا قواعد و شرائط کی پابندی کے ساتھ مذہب حق کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو وہ کبھی اپنے مقصد و مطلب میں خائب و خاسر نہ ہوں گے بلکہ یقیناً گوہر مقصود سے دامن پر کر کے فائز المرام ہوں گے کیونکہ خداوند عالم کا وعدہ ہے والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا.

ان حقائق کی روشنی میں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو لوگ بزعم خود تحقیق کرتے ہیں اور باوجودیکہ شب و روز میں کئی مرتبہ اھدنا الصراط المستقیم کا لقلقہ لسانی کرتے رہتے ہیں لیکن تاہم

پاہ ضلالت و جہالت سے نہیں نکل سکتے وہ درحقیقت شرائط تحصیل معرفت کے فقدان اور لماحقہ
تحصیل حق میں کوشش نہ کرنے کا نتیجہ ہے ورنہ خداوند عالم کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا فلن
یخلف اللہ وعدہ میں اپنی اس ناچیز کتاب کے ناظرین کرام کی خدمت میں التماس کروں گا
کہ جب وہ اسکا مطالعہ فرمانا چاہیں تو پہلے اس مقدمہ میں ان مذکورہ بالا شرائط و قواعد کا بغور مطالعہ
فرمالیں اور انکو ملحوظ خاطر رکھ کر آگے بڑھیں اور اسے محض تحقیق حق وابطال باطل کیلئے ملاحظہ
فرمادیں نہ کہ تفریح طبع و تنزہ خاطر کیلئے۔ اگر ان شرائط و ضوابط کا لحاظ کر کے اسے پڑھیں گے تو
مجھے وعدہ الٰہی اور اس کے لطف لامتناہی سے رجاء واثق و امید کامل ہے کہ ایسے قارئین کرام ضرور
فائز المرام ہوں گے اور اپنے گوہر مقصود کو حاصل کر کے فلاح دارین حاصل کرسکیں گے۔

فقد بینّت لک طریق النجاۃ فاسلکہ ان اللہ خلیفتی علیک و ھوالموفق
والمعین و بہ نستعین بحق النبی و اھلبیتہ المعصومین صلوات اللہ علیھم اجمعین
فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ و
اولئک ھم اولوا الالباب اے رسولؐ میرے ان بندوں کو بشارت دیں جو ہر کہنے والے کے قول
کو توجہ سے سنتے ہیں اور اس میں جو اچھی بات ہوتی ہے اس کو قبول کر کے اس کی پیروی کرتے ہیں
ایسے ہی لوگوں کو اللہ ہدایت فرماتا ہے اور ایسے ہی لوگ صاحبان عقل ہیں۔

گر نیاید بہ گوش حقیقت کس
بر رسولاں بلاغ باشد و بس

والسلام علی من اتبع الھدی

وانا الاحقر
محمد حسین النجفی الپاکستانی بقلمہ
من مقام النجف الاشرف العراق
۱۱ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

تواتر حدیث ثقلین

﴿فصل اول﴾

(حدیث متواتر کی تعریف اوراس کے احکام)

مخفی نہ رہے کہ مضمون نگار صاحب نے چند مرسل وغیر صحیح السند روایات کہ جن میں کتاب وسنت کی لفظیں موجود ہیں (جن پر ہم انشا اللہ عنقریب مفصل تبصرہ کریں گے) نقل کرنے کے بعد یوں درافشانی فرمائی ہے "حدیث ثقلین کے صحیح کلمات تو یہ ہیں جو ہم نے کتب حدیث معتبرہ سے نقل کر دیئے ہیں اور جو کلمات عوام الناس کی زبانوں پر مشہور ہیں وہ کسی صحیح السند روایت میں موجود نہیں ہیں" (الفاروق بابت جون ۱۹۵۸ء) اس جری وجسور مضمون نگار کی جرات وجسارت دیکھ کر قلم دوزبان حیران اور

ع۔ ناطقہ سر بہ گریبان ہے کہ اسے کیا کہیے

وہ صحیح ومتواتر اور متفق علیہ عند الفریقین حدیث ثقلین کہ جس کا زمان صدور سے لیکر آج تک بڑے بڑے معاندین ومخالفین اور مناظرین جو مسلمانوں کے نزدیک آسمان مناظرہ کے درخشندہ ستارے سمجھے جاتے ہیں جیسے ابوعلی جبائی وقاضی عبدالجبار معتزلی وابن حضر کی فضل ابن روز بہان اور عبدالعزیز دہلوی وامثالہم جن کی بے پایاں کوششیں اظہر من الشمس ہیں یوں کیوں نہ کہہ دوں کہ جن کی تمام زندگی باطل کی تائید اور حق کی تردید میں گزری اگرچہ انہوں نے مفہوم ومطلب حدیث میں کئی رکیک تاویلیں او کمزور توجیہیں بیان کی ہیں۔ لیکن اس ی

صحت میں خدشہ نہ کر سکے بلکہ اس کی صحت کا اقرار کیا جیسا کہ ہم آئندہ انکے بیانات کو قلمبند کریں گے۔ انشاء اللہ باقی اہلسنت کے مفسرین ومحدثین ومورخین اور علماء ومصنفین کا ذکر ہی کیا وہ تو کتب معتبرہ میں اس حدیث کے طرق عدیدہ اور اسانید صحیحہ کو ثبت وضبط کرنے اور اسکی توضیح وتشریح کرنے میں غالباً علمائے شیعہ سے بھی گوئے سبقت لے گئے ہیں (شکر اللہ سعیہم) لیکن بایں ہمہ ہمارے مولوی اللہ یار صاحب صدور حدیث کے تیرہ سو سال بعد آج ابن تیمہ حرانی سرگروہ خیل عثمانی وسردار لشکر مروانی کے تتبع میں پاکستان میں اس ضال ومضل وجاہل اور غالی کی مردہ ناصبیت وخارجیت کو (جسکا جنازہ مدت سے اہل حق دفن کر چکے ہیں) کو ازسرنو برگ وبار دیکر دوبارہ زندہ کرنے کی مذموم کوشش کر کے اپنے سوئے سریرہ وخبث باطن کا اظہار کر رہے ہیں مولوی صاحب آئمہ دین علیہم السلام کے فضائل ومناقب بلکہ نصوص خلافت وامامت میں وارد شدہ احادیث صحیحہ اور روایات متواترہ کا انکار کر کے ایک عظیم الشان فرقہ کے قلوب کو مجروح کرتے ہوئے اسلام کے دو جلیل القدر بھائی بھائی فرقوں کے درمیان منازعات ومخالفت اور مخاصمت پیدا کرنے اور ان کے درمیان فتنہ وفساد کی چنگاری کو ہوا دینے کی مذموم سعی کر رہے ہیں ''والفتنہ اشد من القتل'' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی چیرہ دستی وباطل پرستی اور جارحیت ابن تیمیہ وغیرہ سے بھی چند قدم آگے بڑھ گئی ہے جیسا کہ ہمارے آئندہ بیانات سے واضح ولائح ہو جائے گا بہر حال اب ہم صحابہ وصحابیات رسول اسلام ومحدثین کرام ومفسرین عظام ومورخین فخام اور علماء اعلام کی روایات وتحقیقات جلیلہ اور تدقیقات نبیلہ کی روشنی میں ملا صاحب کی فرمائش کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ قارئین کرام پر ان کی دسیسہ کاری وفریب دہی ۔۔۔ کی قلعی کھل

ل ابن تیمیہ کے متعلق میرے ان کلمات سے قارئین چین بجبیں نہ ہوں کیونکہ یہ کلمات خود انہی کے علماء کے عطا کردہ ہیں۔ جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائیگا۔ ورنہ میں بذات خود کسی فرقہ کے علماء کے حق میں ایسے کلمات استعمال کرنے کی ہرگز جسارت نہیں کرتا۔ (منہ عفی عنہ)

جائے اور مولوی صاحب کا دین اور دیانت فضل وصیانت طشت از بام ہو جائے انشاء اللہ العزیز ہمارے بیانات سے ارباب انصاف پر واضح ہو جائیگا کہ یہ حدیث ثقلین بحسب افادیات علماء فریقین متواتر بلکہ فوق المتواتر ہے اور اسی طرح اسکے مفہوم و منطق و پر وارد شدہ اعتراضات کا قلع قمع کرنے کے بعد اس کا آئمہ دین علیہم السلام کی امامت وخلافت کی نصوص سے ہونا بھی ارباب بصیرت پر آشکار ہو جائیگا اور اس کے ساتھ ساتھ مذہب اثنا عشریہ کی صداقت وحقانیت بھی ''کالشمس فی رابعة النہار'' واضح و آشکار ہو جائیگی اصل مطلب میں وارد ہونے سے پیشتر حدیث متواتر کی تعریف اور اس کے بعض احکام کا مختصر بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ آئندہ اثبات مقصد میں یہ چیز خضر راہ ثابت ہو۔

خبر متواتر کی تعریف

واضح ہو کہ خبر متواتر کی تعریف میں علماء کے درمیان قدرے اختلاف ہے چنانچہ بعض نے اس کی تعریف یہ کی ہے وہ حدیث کہ جس کو سلسلہ بہ سلسلہ آٹھ راوی روایت کریں اور بعض نے دس اور بعض نے بارہ یا اس سے کچھ کم وبیش اعداد ذکر کیے ہیں (شواہد اسی باب کی فصل چہارم میں مذکورہ ہوں گے) مگر مشہور یہ ہے ''مانقله جماعة عن جماعة لا یتصور رتوافقهم علی الکذب لکثرتهم و تصل بک هکذا'' یعنی خبر متواتر یہ ہے کہ جس کو صاحب حدیث سے سلسلہ بہ سلسلہ ایک ایسی جماعت نقل کرتی رہے جس کا بہ سبب کثرت عدد کذب وافترا پر اتفاق کرنا متصور نہ ہو سکے اور اسی طرح تم تک پہنچ جائے۔

(اصول شاشی ص ۱۸ طبع دہلی)

(خبر متواتر کے احکام)

(۱) صاحب اصول شاشی مذکورہ بالا عبارت کے بعد خبر متواتر کے احکام ذکر کرتے ہوئے لکھتے

ہیں والمتواتر یوجب العلم القطعی یعنی خبر متواتر علم قطعی [۱] کے حصول کا موجب ہوتی ہے۔ (۲) اسی کتاب مذکور میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد مسطور ہے ویکون ردہ کفرا یعنی خبر متواتر کا رد کرنا موجب کفر و ارتداد ہوتا ہے (۳) شرح نخبۃ الفکرص ۸ پر مزکور ہے۔ ''والمتواتر لا یبحث عن رجاله بل یجب العمل به من غیر بحث'' یعنی حدیث متواتر کے راویوں سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ بغیر بحث و فحص اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے جب خبر متواتر کی تعریف اور اس کے احکام معلوم ہو گئے تو اب ہم بعونہ تعالیٰ اس کو اپنے لئے مشعل راہ بنا کر حدیث ثقلین کے متواتر ہونے کو ثابت کریں گے تا کہ اس کا تواتر اسناد اور اس کے منکرین کا کفر وارتداد خود انہی کے بیان کردہ موازین کے مطابق ناظرین کتاب پر واضح و اشکار ہو جائے۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں
گفتہ اید در حدیث دیگراں

---

[۱] واضح رہے کہ خبر متواتر سے سامع کو علم و یقین اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اس کا ذہن شکوک و شبہات کی آلودگی سے ملوث نہ ہو چکا ہو۔ ورنہ (سواء علیهم أنذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون) غالباً اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکرص ۶ پر لکھا ہے ''و قد یتخلف عن البعض لمانع'' یعنی بعض لوگوں کو کسی مانع کی وجہ سے علم حاصل نہیں ہوتا اسی شرط کی بنا پر ہم مخالفین اسلام کے اس مشہور شبہ کا جواب بآسانی دیتے ہیں۔ جو وہ مسلمانوں پر کیا کرتے ہیں'' کہ تم مسلمان آنحضرتؐ کے دعوئے نبوت اور ان کے معجزات کے متواتر ہونے کا دعوی کرتے ہو اور تواتر موجب علم ہوتا ہے حالانکہ ہمیں ہرگز علم حاصل نہیں ہوتا۔ لہذا تمہارا دعوی غلط ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ متواتر سے سامع کو علم تب حاصل ہوتا ہے کہ جب اس کا دل و دماغ شکوک و شبہات سے پاک ہو۔ چونکہ تم میں یہ شرط مفقود ہے لہذا بحکم اذافات الشرط فات المشروط لہذا شرائط کے فقدان کی وجہ سے علم مفقود ہے۔ (منہ عفی عنہ)

﴿فصل دوم﴾

(نقل الفاظ حدیث)

چونکہ یہ حدیث شریف طرق مختلفہ اور اسانید متعددہ سے مروی ہے لہٰذا اس کے تعبیرات و الفاظ میں قدرے اختلاف ہے اگر چہ ہم ایک مشہور تعبیر جو کتاب کے ٹائٹل پر لکھی جا چکی ہے پر اکتفا کر سکتے تھے لیکن بعض اہم حکم و مصالح کی بنا پر تمام طرق و اسانید کے ملاحظہ کے بعد جو الفاظ و تعبیرات اس حدیث شریف کے متعلق نظر سے گزرے ہیں ان سب کو ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں۔

(نص الحدیث بطرقہ المتعددہ)

قال رسول اللہؐ ایها الناس انما انا بشرا و شک اویوشک اوانی لا ظن ان ادعی فاجیب او ان یاتینی اویاتی رسول ربی فاجیب او فاجبته او کانی قد دعیت انی اوانا اوترکت او سلفت او مخلف فیکم الثقلین او ثقلین اوامرین او ثقلین او خلیفین او اثنین ما ان تمسکتم به اوبهما او ما ان اکذتم بهما او به اوما ان اعتصتم بها او به لن تضلو بعدی او لن تضلوا ابدا او ىن تضلوا ان اتبعتموهما او انکم لن تضلوا بعد هما و هما کتاب الله و اهلبیتی عترتی احد هما اثقل من الآخر اواکبر من الاخر او کتاب الله حبل ممدود او کتاب الله فیه الهدی والنور او الصدق او کتاب ربی و عترتی اهلبیتی او عترتی و هم اهلبیتی او عترتی اهلبیتی و قرابتی او اهلبیتی و انهما لن یتفرقا او انهما لقرینان لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا او فاتقوا الله و انظروا کیف تخلفونی او تخلفونی فیهما او فانظروا کیف تلحقونی فبهما او بهم او بهما او ما تخلفونی فیهما ان اللطیف الخبیر قد اخبراو انبانی انهما لن

یفترقاحتی یلقیانی سئلت ذلک ربی فاعطانی فلا تسبقوهم فتهلکوا ولا تعلموانهما هم فانهم اعلم منکم او فاستمسکوا بهما ولا تضلوا او انهما لن ینقضیا حتی یردا علی الحوض سئلتهما ربی فوعدنی ان یردهما علی الحوض او سئلت ذلک لهماوالحوض عرضه ما بین بصره الی صنعاء فیه من الانیه عدد الکواکب او ان الطیف الخبیر عهد الی انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض کهاتین و اشار بالسباتین و اسئلکم او سائلکم حین تلقومانی نن ثقلی او انی سائلکم حین تردون علی عن الثقلین کیف خلفتمونی ان الله سائلی و سائلکم فما ذا انتم قائلون او انی فرطکم علی الحوض فانظرونی کیف تخلفوانی فی الثقلین قبیلٰ او قلنا او قالو و ما الثقلن قالٙ کتاب اللّٰه طرفه بیدالله و طرفه بایدکم اوقال الاکبر او الثقل الاکبر منهما او اولهما او احدهما کتاب الله والا صغر او اثقل الاصغر او الآخر عترتی فمن استقبل قبلتی اجاب دعوتی فلیستوص بهما خیرا او وصیکم بکتاب الله وعترتی اوثیکم بکتاب الله و عترتی احدهما اعظم من الآخر او قال انی سائلکم عن اثنین عن القرآن و عترتی او ان الله سائلکم کیف خلفتمونی فی کتابی و اهلبیتی او انا تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا او ما ان اخذتم به لن تضلوا بعدی امرین اوصیکم اکبر من الاخر سبب موصول من السماء الی الارض اوانی تارک فیکم الثقلین خلفی کتاب الله و عترتی او قد ترکت فیکم ما لم تضلوا بعده اوانی ترکتم فیکم الثقلین الثقل الاکبر و الثقل الاصغر اما الثقل الاکبر فبیدالله و الطرف الا من یلیدکم هو کتاب الله ان تمسکتم به لمن تضلوا بعدی و لن تذهوا ابدا اوفا ستمسکو به فلا تضلوا ولا تبدلوا او فتمسکوا به لن تضالو و لن تضلوا الثقلا لاصغر فعترتی اهلبیتی او ألا عترتی او

اذکر کم اللہ فی اھلبیتی قال مرۃ او مرتین ثلاث مرات او ان اللہ عزوجل اوحی الی انی مقبوض اقول لکم قولا ان حملتم بہ نحوتم و ان ترکتموہ ھلکتم ان اھل بیتی و عترتی ھم خاصتی و حامتی انکم مسئولون عن الثقلین کتاب اللہ و عترتی ان تمسکتم بھما لن تضلوا او افکم لن تضلوا ان اتبعکم و استمسکم بھما او انی تارک فیکم کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی فھما خلیفتان بعدی احدھم اکبر من الآخر اوانی تارک فیکم الثقلین کلام اللہ و عترتی الافتمسکو بھما فانھما حبلان لا یتقطعان الی یوم القیامہ و قال[1] ایھا الناس یوئشک ان اقبض قبضا سریعاً فینطلق بی و قدمت الیکم القول معذرۃ الیکم الا انی فخلف فیکم کتاب ربی عزوجل و عترتی اھلبیتی ثم اخذ بید علی فقال ھذا علی مع القران و القران مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض فاسئلھما عما خلفت فیھما۔ (ماخوذ از رسالہ حدیث ثقلین)

یہ تھی حدیث ثقلین باختلاف الفاظ وعبارات جو ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ طرق واسانید سے مروی ومنقول ہے اور ان سب میں لفظ کتاب وعترت یا اہلبیتی یا ہر دو لفظ مذکور ہیں اگر چہ اس حدیث شریف کے الفاظ میں قدرے اختلاف ہے مگر یہ اختلاف اس کے مطلب ومعنی میں خلل انداز نہیں ہوتا۔ بقول شاعر

عباراتنا شتی و حسنک واحد
و کلّ الی ذالک الجمال یشیر

--۲۱

[1] اس تمۃ روایت کو بالخصوص دار قطنی، محمد ابن جعفر بزاز ابن عقدہ و شریف سمہودی اور ابن حجر مکی و سلیمان ابن ابراہیم بلخی الحنفی وغیرھم بہت سے علماء نے نقل کیا ہے (منہ عفی عنہ)

(دفع توھم)

شائد کوئی کوتاہ نظر و بے بصیرت انسان بموجب ڈوبتے کو تنکے کا سہارا الفاظ حدیث کے اختلاف کا سہارا لیکر صحت حدیث میں خدشہ کرتے ہوئے یہ کہدے کہ یہ اسقدر اختلاف الفاظ عدم صحت کی دلیل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ لو کان من عند غیر اللہ لو جدوا فیہ اختلافا کثیرا اگر قران غیر خدا کا کلام ہوتا تو اس میں یقیناً اختلاف کثیر ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ اختلاف دلیل عدم صحت ہے ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ یہ توہم چند وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً اس لیے کہ کسی چیز میں مطلق اختلاف تعبیر اس کی عدم صحت کا موجب نہیں ہوتا ورنہ اکثر آیات واحادیث سے دست بردار ہونا پڑے گا جیسا کہ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہاں وہ اختلاف جو تعارض وتناقص اور تباین کی حد تک پہنچ جائے وہ البتہ موجب تساقط یا باعث توقف ہوتا ہے (علی اختلاف الرائین اور وہ بھی اس وقت جبکہ مرجحات خارجیہ مفقود ہوں) اور جس اختلاف کو موجب بطلان قرار دیتے ہوئے قرآن سے نفی کی گئی ہے باتفاق مفسرین اس سے ایسا ہی اختلاف مراد ہے جو حد تناقض تک پہنچ جائے ورنہ بظاہر اختلاف تعبیر و الفاظ تو قرآن مجید میں بھی بکثرت موجود ہے مثلاً ایک ہی مسئلہ اماتہ کو لے لیجیے اس کے متعلق تین قسم کی تعبیریں موجود ہیں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم یعنی تمہیں وہ ملک الموت مارتا ہے جو تمہارے اوپر موکل کیا گیا ہے دوسری جگہ فرماتا ہے توھم توفتھم الملائکہ یعنی لوگوں کو بہت سے ملائکہ موت دیتے ہیں تیسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے واللہ یحی و یمیت یعنی اللہ مارتا ہے اور جلاتا ہے کیا اس قسم کے اختلاف تعبیرات سے کوئی ان آیات کے بطلان کا توھم کرسکتا ہے (معاذ اللہ) درحقیقت ان آیات کے درمیان قطعاً کوئی تعارض وتباین نہیں ہے معلوم ہوگیا کہ اگر فقط الفاظ وتعبیرات مختلف ہوں لیکن

مفاد و معنی کے لحاظ سے ان میں کوئی تباین و تہافت نہ ہو بلکہ متحد المعنی ہوں (جیسا کہ اس حدیث شریف کے الفاظ میں پایا جاتا ہے کہ تمام الفاظ ایک ہی معنی و مفہوم پر دلالت کر رہے ہیں اور تمام عبارات ایک محور کے ارد گرد گھوم رہے ہیں تو ایسا اختلاف بجائے مضر ہونے کے الٹا اس چیز کی اہمیت و عظمت پر دلالت کرتے ہوئے اس کے حسن و جمال میں اضافہ کر دیتا ہے بقول شاعر

عباراتنا شتی و حسنک واحد
و کل الی ذاک الجمال یشیر

ثانیاً اس ظاہری اختلاف عبارات کے کئی علل و اسباب ہو سکتے ہیں (ا) ممکن ہے کہ راویوں نے اس حدیث شریف کو نقل بالمعنی کے طور پر روایت کیا ہو (ب) ممکن ہے کہ مرور ایام کے بعد صحابہ کرام کو سہو و نسیان کی وجہ سے بعض الفاظ میں شک ہو گیا ہو کہ آیا آنحضرت نے اوشک فرمایا تھا یا یوشک انی فرمایا تھا یا انا "انا اترکت فرمایا تھا یا تارک لم تضلوا" فرمایا تھا یا لن تضلوا و علی ہذا القیاس ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ اس قسم کا اختلاف احادیث میں بکثرت پایا جاتا ہے اور ہرگز موجب قدح نہیں ہوتا (ج) بعض اخبار و آثار سے مستفاد ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کتاب و عترت کی اہمیت کے پیش نظر مختلف اوقات و متعدد مواقع جیسے حجۃ الوداع بروز عرفہ، بمقام غدیر اور بوقت مرض الموت وغیر ذالک) یہ ارشاد فرمایا ہے ابن حجر مکی

۱؎ نقل بالمعنی کا مطلب یہ ہے کہ راوی حدیث کسی مصلحت کی بنا پر عین الفاظ روایت کو ترک کر دے اور اس کے مطلب و مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کر دے۔ واضح رہے کہ جب ایک ہی واقعہ کو متعدد اشخاص اس طرح بیان کریں کہ بعض اصل الفاظ کو نقل کریں اور بعض اس کے مفہوم و معنی کو ذکر کریں تو ایسی صورت میں الفاظ کا مختلف ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔ لیکن ایسا اختلاف اصل مقصد کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچاتا۔ یہ نقل بالمعنی چند شرائط کے ساتھ (جو فن درایۃ الحدیث میں مذکور ہیں) جائز ہے۔ چنانچہ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ (مشکوۃ) ص (۲) مطبوعہ دہلی میں نقل بالمعنی کا جواز ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں "والنقل بالمعنی واقع فی الکتب الستۃ وغیرھا" یعنی نقل بالمعنی صحاح ستہ وغیرہ کتب میں موجود ہے (منہ عفی عنہ)

نے صواعق محرقہ میں اس احتمال کو تقویت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اذلا مانع من انه اکرّر علیهم ذالک فی تلک المواطن اهتماماً بشان الکتاب العزیز والعتره الطاهره یعنی بعید نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے کتاب خداوندی اور عترت نبوی کی اہمیت وعظمت بتانے کیلئے مقامات مذکورہ میں کئی بار یہ وصیت فرمائی ہو معلوم ہوا کہ اختلاف ازمنہ وامکنہ کی وجہ سے الفاظ میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے اور یہی احتمال نظر قاصر میں زیادہ قوی ہے و ان کان الاحتمال الاول لا یخلو عن قوة کیونکہ آثار واخبار میں اس پر بکثرت شواہد موجود ہیں بعض راویات میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ نے مقام عرفہ میں یہ ارشاد فرمایا اور بعض میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے مقام غدیر خم پر یہ وصیت فرمائی اور بعض اخبار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں (جبکہ آپ کا حجرہ صحابہ کرام سے مملو ومشحون تھا) یہ ارشاد فرمایا جیسا کہ مشکوۃ شریف وصواعق محرقہ وغیرہ میں مسطور ہے

(واللہ العالم)

فصل سوم

حدیث ثقلین کے مآخذ ومدارک اور مصادر کا بیان

واضح ہو جیسا کہ مقدمہ میں بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ مذاہب اسلام کے علمائے اعلام کے طبقات مختلفہ ومفسرین ومحدثین اور مورخین ومتکلمین وغیرہ نے اپنے اپنے صحاح وسنن ومسانید اور تفاسیر وسیر وتواریخ وغیرہ میں باسانید صحیحہ اور حسنہ وبطرق متعددہ اس حدیث کا ذکر کیا ہے شائد ہی کوئی مفسر ایسا ہو جس نے کسی مناسب آیت مثل ایھا الثقلان یا آیت تطہیر یا آیت مودت وغیرہ کی ذیل میں اس حدیث کو ذکر نہ کیا ہو اسی طرح شاذ ونادر ہی کوئی ایسا محدث ملے گا جس نے احادیث رسولؐ ضبط کرتے وقت اس حدیث شریف کو اپنی کتاب کی

پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہوئے اور وقائع مہمہ کو درج کرتے ہوئے اس حدیث کو نہ لکھا ہو اسی طرح شاید مشکل سے کوئی ایسا متکلم ومناظر مل سکے جس نے مسئلہ امامت پر پہنچ کر اس حدیث کو اپنے مدعا کے اثبات یا مخالف کے دعوی کی دلیل کے طور پر (اگر چہ بعد میں اسکی دلالت میں خدشہ ہی کیوں نہ کیا ہو) ذکر نہ کیا ہو اسی طرح شاید ہی کوئی ایسا اہل لغت ہوگا جس نے لغت عرب لکھتے وقت مادہ ثقل یا عتر پر پہنچ کر اس حدیث کو ذکر نہ کیا ہو ان تمام طبقات علماء نے برابر اپنی اپنی تالیفات قیمہ میں اس حدیث شریف کو ثبت وضبط کر کے اپنی دیانت علمیہ کا ثبوت دیا ہے اور اگر کسی شخص نے اس کو نظر انداز کیا ہے تو وہ اس حدیث میں کسی قسم کی قدح کا موجب نہیں ہو سکتا بلکہ یہ چیز ایسا کرنے والے کی بے علمی و بے اطلاعی یا دین دیانت کی کمی یا خاندان رسالت سے زیادتی کی بین دلیل ہے ہم یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے اور دانہ از انبارے طبقات مذکورہ الصدر کے چند اعاظم علما کے اسماء گرامی درج کرتے ہیں لیهلک من هلک عن بینة و یحی من حی عن بینة مختلف علوم وفنون کی مختلف کتابوں سے الگ الگ حوالہ دینے کی بجائے انسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بعض محقق علماء اسلام کی تحقیقات سے استفادہ کرتے ہوئے ان تمام مصادر و مآخذ اہلسنت وشیعہ کو زمانی ترتیب کے ساتھ یہاں یکجا کر دیا جائے جن میں یہ حدیث شریف ثقلین مذکور ہے۔

(۱) المنمق ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشمی ت ۲۲۵ھ (۲) الطبقات الکبری محمد بن سعد الزہری م ت ۲۳۰ھ ج۔۲۔۱۹۴ طبع دار صادر بیروت (۳) المصنف ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی ت ۲۳۵ھ ۱۰۔ ص ۵۰۶ ھ ۳۰ ۔۱۰ المسند ابن حنبل ۔ احمد بن محمد بن حنبل ت ۲۴۱ھ۔ ۹۶۔۲۔۳۹۰ وغیرہ نیز کتاب مناقب الامام علی ۱۱۴۲ نیر فضائل الصحابہ ص ۱۷۰، ۹۶۸ وغیرہ (۵) مسند الکسی عبد بن حمید الکسی ت ۲۴۹، ھ ح ۲۴۰، ۲۶۵ (۶) سنن الدارمی ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی ت ۲۴۹ھ ۲۵۵ ح ۔۳۱۰۔۲۔۴۳۲ ح ۲۳۱۹۔ (۷) التاریخ الصغیر ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ت ۲۵۶ھ ۲۔۳۱۰۔ (۸) صحیح مسلم ابو الحسن مسلم بن الحجاج النیشاپوری

ت ۲۶۱ھ ج ۲۔ ص ۲۳۸، کتاب فضائل الصحابہ ۲۔ ۶۲ ۳ ح ۸، ۲۴ طبع عیسی الحلبی المصر (۹) سنن ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ت ۲۷۵ھ ۱۔ ۴۳۔ (۱۰) سنن ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی ت ت ۲۷۵ھ (۱۱) کتاب المعرفۃ والتاریخ الحافظ یعقوب بن سلیمان الفسوی ت ۲۷۷ھ ۱۔ ۵۳۶، ۵۳۸ (۱۲) انساب الاشراف محمد بن یحیی البلاذری ت ۲۷۸ھ ۱ص ۳۱۵ بذیل ترجمہ حضرت علی ۲۔ ۱۱ ح ۴۸ طبع النجف (۱۳) سنن الترمذی محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی ۲۷۹ھ ۲۔ ص ۳۰۷، ۳۰۸ طبع بولاق مصر (۱۴) تاریخ الیعقوبی احمد بن ابی یعقوب بن جعفرت ۲۸۴ھ ۲۔ ص ۱۱۲ (۱۵) نوادر الاصول محمد بن علی ابن ابوعبدالحکیم الترمذی ت ۲۸۵ھ ص ۶۸، ۶۹ (۱۶) کتاب السنۃ احمد بن عمر بن ابی عاصم ابوبکر الشیبانی ت ۲۸۷ھ ۲۲۹ ح ۵۴۸ او ۵۵۱ وغیرہ (۱۷) سند البز از احمد بن عمر بن عبدالخالق ابوبکر البزاز ۲۹۲ھ ص ۷۵، ۲۷۷۔ (۱۸) سنن النسائی ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی ت ۳۰۳ھ ۳۹۳۰۔ (۱۹) خصائص امیر المومنین علی ابن ابی طالب ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی ت ۳۰۳ھ ص ۹۶۳۹ طبع تہران ومصر (۲۰) مسند ابوالعلی الحافظ احمد بن علی بن المثنی الموصلی ت ۳۰۷ھ ۲ ح ۱۰۲، ۱۰۲۷، ۱۱۴۰۔ (۲۱) الذریۃ الطاہرۃ محمد بن احمد الانصاری ابوبشر الدولابی ت ۳۱۰ھ ۱۲۶ ح ۲۲۸ طبع بیروت (۲۲) صحیح بن خزیمہ ابوبکر محمد بن اسحاق ت ۳۱۱ھ ۳۴۰ باب الصدقات (۲۳) غریب الحدیث ابوبکر محمد بن القاسم الانباری ت ۳۲۰ھ (۲۴) المصاحف ابوبکر محمد بن القاسم الانباری ۳۴۰ھ (علی مانقلہ السیوطی فی الدر المنثور) (۲۵) مشکل الآثار ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ ت (۳۲۱ھ ۲۔ ص ۳۰۷، ۴ص ۳۶۸ (الضعفا الظاہریہ دمشق (۲۷) العقد الفرید ابوعمرو احمد بن محمد بن عبدربہ القرطبی ت ۳۲۸ھ ۲ص ۱۵۸، ۳۴۶ (۲۸) الآمالی ابوعبداللہ الحسین بن اسمٰعیل الضبی المحاولی البغدادی ۳۳۰ھ ۳، ورقہ ۳۸ نسخہ مخطوطہ دارلکتب اظاہریہ دمشق (۲۹) المعجم الصغیر الحافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ۃ ۳۶۰ھ ج اصبہ ۳ ۷ طبع دہلی و اص ۱۳۱، ۱۳۵ طبع مصر (۳۰) المعجم الکبیر الحافظ

الکامل فی ضعفاء رجال عبداللہ بن عدی الجرجانی ت ۳۶۵ ھ ۔ ح ۲۰۸۷ ۔ (۳۲) عوالی الحدیث ابوالشیخ بن حیان الاصبہانی ت ۳۶۹ ھ ورقہ ۱۶۰ مخطوطہ دارلکتب الظاہریہ دمشق (۳۳) تہذیب اللغۃ ابومنصور محمد بن الازہر الزہری الھروی ت ۳۷۰ ھ ۹ ۔ ص ۸۷ (۳۴) الموتلف والمختلف الحافظ علی بن عمر بن احمد البغدادی الدارقطنی ت ۳۸۵ ھ ۲ ۔ ح ۱۰۳۶، ۳ ۔ ح ۱۴۰۷، ۴ ۔ ۲۰۶۱ (۳۵) غریب الحدیث ابوسلیمان احمد بن محمد الخطابی ۃ ۳۸۸ ھ ۲ ۔ ص ۱۹۲ (۳۶) مناقب اہلبیت محمد بن سلیمان بن داؤد البغدادی مخطوط (۳۷) مستدرک الصحیحین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری ت ۴۰۵ ۔ ۳ ۔ ۹۰، ۱۱۰ ۔ ۱۴۸ ۔ ۵۳۳ طبع حیدرآباد (۳۸) شرف النبوۃ عبدالملک بن محمد ابوسعید النیشاپوری الخرگوشی ت ۴۰۷ ھ ورقہ ۲۷۲ نسخہ مخطوط مکتبہ ظاہریہ دمشق (۳۹) المغنی فی الامامۃ ۔ القاضی عبدالجبار المعتزلی ت ۴۱۴ ھ ۲۰، ۱۹۱ ۔ ۲۳۶ (۴۰) الصحابۃ ۔ ابومحمد بن عبداللہ بن محمد الباوردی مخطوط ۔ (۴۱) الکشف والبیان عن تفسیر القرآن ابو اسحاق احمد بن ثعلبی ت ۴۲۷ ھ بذیل تفسیر ایہا الثقلان وآیہ اعتصام (واعتصمو بحبل اللہ مخطوطہ ۔ (۴۲) حلیہ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی ت ۴۳۰ ھ ا صہ ۳۵۵ طبع السعادہ المصر (۴۳) منقبۃ المطہرین ابونعیم الاصبہانی ت ۴۳۰ ھ (۴۴) السنن الکبری احمد بن الحسین بن علی البیہقی ت ۴۵۸ ھ ۲ ۔ ص ۱۴۸، ۷ ص ۳۰، ۱۰ ص ۱۱۳، ۱۱۴ طبع بیروت (۴۵) تاریخ بغداد و مدینہ السلام ابوبکر الخطیب البغدادی ت ۴۶۳ ھ ۸ ۔ ص ۴۴۲، ۱۴ ص ۶۴ (۴۶) تلخیص المتشابہ فی الرسم الخطیب بغدادی ت ۴۶۳ ھ ا ص ۶۲، ۲ صہ ۶۹ (۴۷) التاریخ الیمینی ابوالنصر محمد بن عبدالجبار العتبی مخطوط (۴۸) مناقب امیرالمومنین علیہ السلام علی بن محمد الطیب الجلابی الشافعی المعروف بہ ابن مغازلی ت ۴۸۳ ھ ص ۲۳۴ ح ۲۸۱، ۲۳۵، ح ۲۸۳، ح ۲۸۴ طبع تہران (۴۹) الجمع بین الصحیحین ابوعبداللہ محمد بن فتوح الحمیدی ت ۴۸۸ ھ نسخہ مخطوط دارلکتب الظاہریہ دمشق (۵۰) الرسالۃ القوامیۃ فی مناقب الصحابۃ ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانی ت ۴۸۹ ھ مخطوط (۵۱) فردوس الاخبار ابوشجاع شیرویہ ابن شہردار الدیلمی الہمدانی ت

۵۰۹ ھ مخطوط دارلکتب الظاہریہ دمشق (۵۲) مصابیح السنۃ ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی ت
۵۵۱۶ ۔ص ۲۰۶،۲۰۵ طبع قاہرہ مصر (۵۳) تفسیر معالم التنزیل ۔ ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی
۵۱۶ ھ بذیل تفسیر آیت مودۃ ۶۔ص ۱۰۱ اور بذیل تفسیر سنفرغ لکم ایھا الثقلان ۷۔۔ص
۶ (۵۴) شرح السنۃ ابومحمد الحسین بن مسعور البغوی ت ۵۱۶ ھ ۲ ص ۲۱۸ باب مناقب اہلبیت
(۵۵) عیون الاخبار محمد ابن محمد ابن زید العلوی الثمر قندی مخطوط (۵۶) مجمع غرائب الحافظ
ابوالحسن عبدالغافر ابن اسماعیل الفارسی ت ۵۵۲۹ ھ مخطوط (۵۷) الجمع بین الصحاح الستۃ ابوالحسن
رزین العبدری ت ۵۲۹ ھ مخطوط دارلکتب الظاہریہ دمشق (۵۸) الفائق فی غریب الحدیث
عباداللہ محمد زمخشری ت ۵۳۸ ھ ۱۔ص ۱۷۰ طبع مصر (۵۹) الشفاء بتعریف حقوق المصطفی بشرح
القاری ۔ القاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الاندلسی ت ۵۴۴ ھ ص ۴۴۰،ص ۶۰۷،۴۰۱۔
(۶۰) البحر الوجیز فی تفسیر کتاب اللہ العزیز القاضی ابومحمد بن عطیہ المحاربی ت ۵۴۶ ھ ۱۔ص
۳۴ (۶۱) زین الفتی فی تفسیر ہل اتی ابومحمد احمد بن محمد العاصمی مخطوط (۶۲) مناقب امیرالمومنین
ابوالموئید موفق بن احمد المکی الخوارزمی الحنفی ت ۵۸۸ ھ اص ۱۰۴ مطبعۃ الزہرۃ (۶۴) لباب
الالباب فی فضائل آلال والاصحاب عمر بن عیسے الدھلقی ورقہ ۱۴۷ باب ۴ مخطوط دارالکتب
الظاہریہ دمشق ۔ (۶۵) تاریخ دمشق ابوالقاسم علی بن الحسن الشافعی المعروف باب العساکرت
۵۷۱ ھ ۱۔ص ۴۵ ح ۵۴۵ ،۲ص ۴۵۵ ح ۵۴۷ اسی طرح بذیل باب ترجمہ علی طبع بیروت
(۶۶) المعجم الحافظ ابن عساکر الشافعی ت ۵۷۱ ھ ۱۱۔۲۰۵ (۶۷) کتاب الصحابہ ۔ الحافظ محمد بن
احمد ابوموسی المدینی ت ۵۸۱ ھ مخطوط (۶۸) الاربعین فی فضائل امیرالمومنین ابوعبداللہ محمد بن
مسلم ابوالفوارش مخطوط (۶۹) العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواھیہ عبدالرحمٰن بن الجوزی ت
۵۹۷ ھ مخطوط (۷۰) الموجز فی فضائل الخلفاء ابوالفتوح السعد بن ابی الفضائل العجلی ت ۶۰۰ ھ
مخطوط ۔ دارالکتب الظاہریہ دمشق (۷۱) تفسیر الرازی ''مفاتیح الغیب'' فخرالدین محمد بن الرازی
ت ۶۰۶ ھ بذیل تفسیر آیت اعتصام ۳۔ص ۱۸، ۸،ص ۱۶۲ طبع بیروت ۔ اسی طرح ۳ ص ۷، ۷

ص ۷۳ طبع مصر (۷۲) جامع الاصول فی احادیث الرسول مبارک ابن محمد الجزری الشافعی المعروف بابن الاثیر الجزری ت ۶۰۶ ھ۔ ص ۷، ۱۸۷، ۱۰۔ ص ۱۰۲، ۱۰۳ طبع مصر (۷۳) النھایہ فی غریب الحدیث ابن الاثیر الجزری ۶۰۶ ھ ۱۔ ص ۱۵۵ طبع مصر۔ ۱۔ ص ۲۱۶ طبع بیروت (۷۴) معالم العترت النبویہ الحافظ ابو محمد عبدالعزیز بن الاخضر الجنابذی ت ۶۱۱ ھ مخطوط۔ (۷۵) اعراب الحدیث النبوی ابو البقا عبداللہ بن ابی عبداللہ الحسین العبکری ت ۶۱۶ ھ ص ۹۷ (۷۶) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ابوالحسن علی بن محمد المعروف بابن الاثیر الشافعی ۶۳ ۲ ھ ص ۱۲، ۳، ص ۱۴۷ (۷۷) مشارق الانوار النبویہ عن صحاح الاخبار المصطفویہ رضی الدین الصغانی ت ۶۵۰ ھ ۳ ص ۵۷ (۷۸) کتاب المختارہ ضیاالدین محمد ۷ بن عبدالواحد المقدسی طبع مصرت ص ۶۴۳ مخطوط (۷۹) مطالب السئول فی مناقب آل الرسولؐ ابو سالم محمد بن طلحہ القرشی الشافعی ت ۶۵۲ ھ ص ۸ (۸۰) تذکرۃ خواص الامۃ فی معرفۃ الائمۃ شمس الدین یوسف (سبط ابن جوزی) ت ۶۵۴ ھ ص ۳۲۴، ص ۳۳۲، ص ۳۳۲، باب ۱۲ (۸۱) تلخیص صحیح مسلم ابو العباس القرطبی الانصاری ت ۶۵۶ ھ ۲ ص ۱۰۰ (۸۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید عبدالحمید بن ہبۃ اللہ المعتزلی ت ۶۵۶ ھ ۲ ص ۱۳۰، ۶ ص ۳۷۵ طبع مصر (۸۳) کفایۃ الطالب فی مناقب علی بن ابی طالبؑ الحافظ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی ت ۶۵۸ ھ ص ۱۳ البع النجف (۸۴) تہذیب الاسماء واللغات۔ یحیٰ بن شرف ابوزکریا محی الدین النووی ت ۶۷۶ ھ ۱۔ ص ۳۴۷ (۸۵) المنہاج فی شرح صحیح مسلم۔ یحیٰ بن شرف ابوزکریا النووی ۶۷۶ ھ۔ ۱۵ ص ۱۸۰ (۸۶) وفیات الاعیان۔ ابوالعباس شمس الدین احمد بن خلکان ت ۶۸۱ ھ ۲۔ ص ۱۶۹ (۸۷) تحفۃ الابرار شرح مصابیح السنہ البغوی القاضی ناصر الدین ال البیضاوی ت ۶۸۵ ھ ورق ۲۳۶ نسخہ مخطوطہ دارالکتب الظاہریہ دمشق (۸۸) النعیم المقیم لعترۃ النبی العظیم شرف الدین ابو محمد عمر بن محمد الموصلی ورق ص ۶۴ باب ۳ مخطوطہ (۸۹) ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری ت ۶۹۴ ھ ۳ مخطوط (۹۰) اتحاف السادۃ محمد بن سعید شرف الدین البوصیری ت ۶۹۵ ھ ۳ ورق ۵۵

مخطوط۔ (۹۱) لسان العرب جمال الدین الافریقی المصری المعروف بابن منظور ت ۷۱۱ھ ۴ص
۵۳۸، ۱۱۱۔ ص ۸۸، ۱۳۷ بذیل مادۃ ثقل و مادہ حبل و مادہ العترۃ (۹۲) شرح المصابیح ظہیر
الدین عبدالصمد بن نجم الدین الفارقی ج ت ۷۰۷ھ ورق ۳۴۰ مخفوظ۔
(۹۳) النجم الثاقب فی اشرف المناصب بدرالدین الحسن حبیب الحلبی ورق ۱۸۶ مخطوط دارالکتب
الظاہریہ دمشق (۹۴) فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین صدر الدین ابراہیم بن
محمد الحموی ت ۷۲۲ھ ۱۔ ص ۷، ۲۳۱، ۱۳۶، ۲۳۴ ص ۲ وغیرہ طبع اولی (۹۵) تکلمہ تفسیر مفاتیح
الغیب للرازی نجم الدین ابوالعباس احمد المکی القمولی ت ۷۲۷ھ (۹۶) غرائب القرآن و
رغائب الفرقان نظام الدین حسین بن محمد النیشاپوری ت ۷۲۷ھ ۱ ص ۳۴۹ بذیل آیت
الاعتصام (۹۷) منہاج السنہ ابن تیمیہ احمد بن عبدالحلیم الدمشقی الحرانی ت ۷۲۸ھ ۴ ص ۸۵،
۱۰۴ (۹۸) مشکوۃ المصابیح الخطیب ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ التبریزی ت ۷۳۷ھ ص ۲۵۵،
۲۰۸ طبع دمشق و ص ۵۶۸ طبع دہلی (۹۹) تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل علاء الدین
البغدادی الخازن ت ۷۴۱ھ بذیل آیت الاعتصام ۱ ص ۲۵۷ و بذیل تفسیر آیت مودہ۔ و بذیل
آیت سنفرغ لکم ایھا الثقلان۔ طبع مصر۔ (۱۰۰) دستور الحقائق فخر الدین الحنفوی
(مخطوط) (۱۰۱) تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف الحافظ یوسف بن عبدالرحمٰن ابوالحجاج المزی ت
۷۴۲ یا ۷۴۳ھ ۳ ص ۲۷۸ ح ۳۶۱۵۔ ۳۔ ص ۲۰۳ ح ۳۶۸۸ (۱۰۲) تہذیب الکمال فی
اسماء الرجال الحافظ ابوالحجاج المزی ت ۷۴۲ یا ۷۴۴ھ۔ ۱۰ ص ۵۱ (۱۰۳) الکاشف فی شرح
المشکوۃ شرف الدین الحسن بن محمد الطیبی ت ۷۴۳ھ مخطوط (۱۰۴) المفاتیح فی شرح المفاتیح شمس
الدین محمد بن المظفر الخلخالی ت ۷۴۵ھ مخطوط (۱۰۵) تفسیر البحر المحیط اثیر الدین ابوحیان الاندلسی
ت ۷۴۵ھ ۱۔ ص ۱۲ (۱۰۶) تلخیص المستدرک علی الصحیحین شمس الدین محمد بن احمد بن الذھبی
۷۴۸ھ۔ ۳ ص ۱۰۹ (۱۰۷) سیر اعلام النبلا شمس الدین محمد ابن احمد الذھبی ت ۷۴۹ھ
۳۶۵ (۱۰۸) الجوہر النقی علی سنن البیھقی ابن الترکمان علاؤ الدین علی بن عثمان ت ۷۴۹ھ

۳۱ بذیل سنن بیہقی حیدر آباد دکن (۱۰۹) نظم درر السمطین جمال الدین محمد بن یوسف الزروندی ت ۷۵۰ھ ۲۳۱، ۲۳۲ طبع النجف الاشرف (۱۱۰) شرح المصابیح زین العرب علی بن عبداللہ المصری ت ۷۵۱ھ۔ شرح مصابیح السنۃ بغوی ورق ۳۵۶ مخطوط۔ (۱۱۱) المنتقی سیرۃ المصطفی سعید الدین محمد بن مسعود الکازرونی ت ۷۵۸ھ مخطوط۔ (۱۱۲) تفسیر القرآن العظیم اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی ت ۷۷۴ھ ۳۔ ص ۴۸۰ بذیل تفسیر آیت تطہیر و ۴ص ۱۱۳ بذیل تفسیر آیت مودہ طبع مصر۔ (۱۱۳) تاریخ ابن کثیر اسماعیل بن عمر الدمشقی ت ۷۷۴ھ ۷ص ۳۴۹ طبع مکتبہ المعارف بیروت، ۷ص ۳۴۹ طبع حیدر آباد (مجمع الاحباب وتذکرۃ اولی الالباب شمس الدین محمد بن الحسن الواسطی ت ۷۷۴ھ ورق ۷۸ مکتبہ سلیمانہ اسلامبول (۱۱۵) مودۃ القربی السید علی بن شہاب الدین الھمدانی ت ۷۸۶ھ مخطوط۔ (۱۱۶) شرح المقاصد سعد الدین بن مسعود بن عمر التفتازانی ت ۷۹۱ھ ۲۔ ص ۲۲۱ (۱۱۷) محاسن الازہار فی تفصیل مناقب العترۃ الاخیار الاطہار ہسام الدین بن احمد الحلیت اواخر ۸۰۰ھ (۱۱۸) کشف الاستار علی زوائد البزاز۔ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی ت ۸۰۷ھ ۳ص ۲۲۱ ح ۲۶۱۲ مخطوط۔ (۱۱۹) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی ت ۸۰۷ھ۔ ص ۱۹۵، ۹۔ ص ۱۶۵، ۱۲۳، ۹ ص ۱۶۲، ۱۶۴ (۱۲۰) القاموس المحیط مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشافعی ت ۸۱۷ھ ۳ص ۳۴۲ بذیل مادۃ الثقل طبع مصر (۱۲۱) فصل الخطاب محمد ابن محمد الحافظی المعروف بہ خواجہ پارساۃ ۸۲۲ھ مخطوط (۱۲۲) معرفۃ ما یجب لآل البیت النبوی من الحق علی من عداھم۔ تقی الدین احمد بن علی المقریزی المصری ت ۸۴۵ قاہرہ مصر (۱۲۳) ھدایۃ السعداء شہاب الدین بن شمس الدین الدولت آبادی المعروف بہ ملک العلماء ت ۸۴۹ھ مخطوط۔ (۱۲۴) مناقب السادات۔ شہاب الدین دولت آبادی مخطوط (۱۲۵) شرح مصابیح السنہ عثمان بن محمد الھروی ص ۷۸ انسخہ مخطوط مکتبہ سلیمانیہ اسامبول (۱۲۶) المطالب العالیہ۔ بزوائد المسانید الثمانیہ الحافظ احمد بن علی ابن حجر العسقلانی (۸۵۶) ھ ۴ص ۶۵ ح ۳۹۷۲ باب فضائل علیہ السلام طبع کویت (۱۲۷) تسدید

القوس فی ہامش الفردوس الحافظ ابن حجر العسقلانی ت ۸۵۲ھ ص ۹۸۱۔ (۱۲۸) فتح الباری فی شرح صحیح البخاری الحافظ بن حجر العسقلانی ۃ ۸۵۲ھ (۱۲۹) الفصول المہمہ فی معرفۃ الائمہ نور الدین بن الصباغ المالکی ت ۸۵۵ھ ص ۲۳، ۲۴ (۱۳۰) استجلاب ارتقاء الغرف لحب اقرباء الرسول ذوی الشرف شمس الدین السخاوی الشافعی ت ۹۰۲ھ ورق ۲۲ مخطوط (۱۳۱) تفسیر المواہب العلیہ (تفسیر حسینی) الملا حسین بن علی الکاشفی الواعظ ت ۸۱۰ھ۔ ۲ص ۳۶۸ بذیل تفسیر آیت سنفرغ لکم ایہا الثقلان (۱۳۲) الرسالۃ العلیہ فی الاحادیث لملا حسین بن علی الکاشفی ت ۸۱۰ھ ص ۲۹، ۳۰ (۱۳۳) الدالمنثور فی التفسیر بالماثور لحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی ۃ ۹۱۱ھ ۲ص ۶۰، ص ۷، ۶ ص ۷۰، ۳۶۰، ۷ص ۳۴۹ (۱۳۴) احیاء المیت بذکر فضائل اہل البیت علیہم السلام لحافظ جلال الدین سیوطی ت ۹۱۱ھ ص ۱۲، ۱۹، ۳۶، ۳۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، مطبوعہ بر حاشیہ کتاب الاتحاف بشرف الاشراف للبشراوی ت ۱۱۶۲ھ طبع مصر (۱۳۵) نہایۃ الافضال فی تشریف الآل لحافظ جلال الدین السیوطی مخطوط (۱۳۶) الجامع الصغیرفی احادیث البشیر النذیر لحافظ جلال الدین السیوطی (۱۳۷) الاساس فی فضائل بنی العباس لحافظ جلال الدین سیوطی (۱۳۸) الامالہ فی رتبۃ الخلافۃ الحافظ جلال الدین سیوطی۔ (۱۳۹) البدور السافرۃ عن امور الآخرۃ لحافظ جلال الدین السیوطی (۱۴۰) الجامع الکبیر (یاجمع الجوامع) لحافظ جلال الدین سیوطی (۱۴۱) الخصائص الکبری لحافظ جلال الدین السیوطی ت ۲۶۶ (۱۴۲) جامع الاحادیث لحافظ جلال الدین السیوطی ۲ ح ۸۳۴۱-۸۳۴۲-۸۳۴۶۔ وغیرہ (۱۴۳) الدرالنثیر یا مختصر نہایۃ ابن الاثیر جلال الدین السیوطی ص ۱۵۵ (۱۴۴) جواہر العقدین فی فضل الشریفین نور الدین علی بن عبداللہ بن احمد الشریف السمودی ۹۱۱ھ ورق ۸۶، ۸۷ مخطوط۔ (۱۴۵) شرح الرسالہ الاعتقادیہ فضل اللہ بن روز بہان الخجی الشیرازی۔ (۱۴۶) المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ۔ شہاب الدین احمد العسقلانی الشافعی ۹۲۳ھ ۷ص ۷ طبع مصر (۱۴۷) تفسیر انوری، عبدالوہاب بن محمد بن رفیع الدین البخاری ۹۳۲ھ در تفسیر آیت مودۃ مخطوط (۱۴۹) سبب

الھدی والارشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ (سیرۃ شامیہ) شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الدمشقی
۹۴۲ھ (۱۵۰) تیسیر الوصول الی جامع الاصول عبدالرحمٰن بن علی الشیبانی ۹۴۳ھ ا۔ص ۱۶ طبع
نولکشور لکھنو (۱۵۱) تفسیر السراج المنیر محمد بن احمد الشربینی ۹۶۸ھ ۳ ص ۹۶۸ ص ۵۲۸ و ۴ سہ
۱۶۷ (۱۵۲) المنحۃ المکیۃ فی شرح القصیدۃ الھمزیہ شہاب الدین احمد بن حجر الھیثمی المکی ۹۷۳ھ
۷۵، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۹، ۱۳۶ امینیہ مصر (۱۵۴) کنز العمال الملا علی المتقی الھندی ۹۷۵ھ ا ص
۴۸ ح ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۶۶۷ او غیرہ (۱۵۵) مجمع البحار غریب الحدیث محمد طاہر الفتنی الگجراتی
۹۸۶ھ بذیل مادہ ثقل اور مادۂ عترۃ (۱۵۶) تکملہ مجمع البحار محمد طاہر الفتنی الگجراتی بذیل مادہ ثقل
(۱۵۷) نواقص الروافض عباس بن معین الدین المعروف بہ مرزا مخدوم الجرجانی الشریفی ۹۸۸
ھ مخطوط (۱۵۸) العقد النبوی السر المصطفوی ابن عبداللہ بن العبدروس الیتمی ۹۹۰ھ مخطوط
(۱۵۹) البراھین القاطعہ فی ترجمۃ الصواعق الحرقہ کمال الدین بن فخر الدین الجبرمی او آخر
۱۰۰۰ھ (۱۶۰) تاج الدرۃ فی شرح البردۃ بدر الدین محمد بن احمد البروی او آخر ۱۰۰۰ھ (۱۶۱)
الاربعین فی فضائل امیر المومنین عطاء اللہ بن فضل اللہ جمال الدین الشیرازی ۱۰۰۰ھ (۱۶۳)
برکات المفاتیح فی شرح مشکوۃ المصابیح۔ الملا علی بن السلطان الھروی المعروف بہ ملا علی قاری
۱۰۱۳ھ ۵، صہ ۵۹۴، ۵۹۳ (۱۶۴) فیض القدیر فی شرح الجامع التیسیر فی شرح الجامع الصغیر
عبدالرؤف المناوی ۱۰۳۱ھ مخطوط۔ (۱۶۶) انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون (سیرۃ
حلبیہ) نور الدین علی الحلبی الشافعی ۳۳۔ا ھ ۳ ص ۸ و ص ۲۰۱، ۳۳۶ (۱۶۷) وسیلۃ المآل فی
مناقب الآل احمد بن الفضل بن محمد باکثیر المکی ۱۰۲۷ھ مخطوط (۱۶۸) الصراط السوی فی مناقب
آل النبی محمود بن محمد بن علی الشیخانی القادری مخطوط (۱۶۹) تذکرۃ الابرار سید محمد بن السید جلال ماہ
عالم البخاری ت ۱۰۴۵ھ مخطوط (۱۷۰) اللمعات فی شرح المشکات الشیخ عبدالحق المحدث
الدہلوی ت ۱۰۵۶ھ (۱۷۱) مدارج النبوۃ الشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی ت ۱۰۵۲ھ ص ۵۲
(۱۷۲) نسیم الریاض شہاب الدین بن احمد الخفاجی ۱۰۶۹ھ ۳۔ص ۴۰۹ و سہ ۲۸۳، ۳۲۴ و ص

۳۲۹ (۱۷۳) السراج المنیر فی شرح الجامع الصغیر علی بن احمد بن محمد العزیزی البولاقی ت ۱۰۷۰ ھ اص ۳۲۱، ۳۲۲ ص ۲۵ (۱۷۴) جمع الفوائد من جمع الاصول و مجمع الزوائد محمد بن سلیمان المعتزلی المالکی ۱۰۹۴ھ اص ۱۶ طبع میرٹھ ھند ۲ص ۲۳۶ باب مناقب اہل البیت (۱۷۵) رسالۃ العقائد الملا یعقوب البنیانی اللاہوری ۱۰۹۸ھ مخطوط (۱۷۶) ملحقات الابحاث المسددہ صالح بن مہدی المقبلی الصنعانی ۱۱۰۸ھ مخطوط (۱۷۷) سمط النجوم العوالی عبدالملک بن حسین العصامی المکی ۔ ۱۱۱۱ھ ۲ص ۵۰۲ (۱۷۸) جنیق فی تمیز الثقلین محمد امین بالفضل اللہ الحسینی ۱۱۱۱ھ ص ۳۱ (۱۷۹) البیان التعریف فی اسباب الحدیث الشریف ابراہیم بن محمد بن حمزہ الحسینی ۱۱۲۵ھ ص ۱۶۴، ۱۶۵، و۲ص ۳۶ (۱۸۰) شرح المواہب اللدینہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی ۱۱۳۲ھ ج ۷ صہ ۴، ۸ (۱۸۱) مرافض الروافض حسام الدین بن محمد السہارنپوری مخطوط (۱۸۲) مفتاح النجا مناقب آل العباء المیر از محمد بن معتمد خان البدخشانی مخطوط (۱۸۳) نزل الابرار بما صح من مناقب الائمۃ الاطہار المیر زا محمد بن معتمد خان البدخشانی طبع اصفہان (۱۸۴) تنفید العود السنیہ بتمہید الدولۃ الحسینہ رضی الدین محمد بن علی الشامی ۱۱۴۲ھ (۱۸۵) ذخائر المواریث الشیخ عبدالغنی بن اسماعیل النابلسی الحنفی ص ۱۴۶، ۲۱۵ ح ۱۹۳، (۱۸۶) معارج العلی فی مناقب المرتضی محمد صدر العالم مخطوط ھ اص ۲۱۵ ح ۱۹۳ (۱۸۷) الاتحاف بحب الاشراف شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد بن عامر الشبر اوی ۱۱۶۲ھ ص ۶ (۱۸۸) ازالۃ الخفاء عن سیرۃ الخلفاء شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی ۱۱۷۶ھ (۱۸۹) قرۃ العینین شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی ۱۱۷۶ھ ص ۱۲۸ (۱۹۰) دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب محمد معین بن امین السندی (۱۹۱) الروضۃ الندیہ فی شرح التحفۃ العلویۃ محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی ۱۱۸۲ مخطوط (۱۹۲) ذخیرۃ المآل فی مناقب آلال احمد بن عبدالقادر العجلی ۱۱۸۲ھ مخطوط (۱۹۳) اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفی و فضائل اہلبیتہ الطاہرین محمد بن علی الصبان الشافعی ص ۱۱۰، ۱۱۱، (۱۹۴) تاج العروس من جواہر القاموس محب الدین محمد مرتضی الزبیدی الحنفی ۷ ص ۲۴۵، ۲۴۵ ح وطبع مصر (۱۹۵) الدریہ

الیتیمہ فی بعض فضائل السید العظیمہ عبداللہ بن ابراہیم بن حسن میر غنی الحسینی المکی محب اللہ لکھنوی ۱۲۰۷ھ ورق ۸، ۷۱، ۷۷ مخطوط مکتبۃ الظاہریہ دمشق (۱۹۶) وسیلۃ النجات فی مناقب السادات محمد مبین بن محب اللہ لکھنوی ۱۲۲۰ھ (۱۹۷) سعادۃ الکونین فی بیان فضائل الحسنین محمد اکرم الدین دہلوی (۱۹۸) تفریح الاحباب فی مناقب الآل والاصحاب جمال الدین میرزا حسن علی المحدث لکھنوی (۱۹۹) الحق المبین فی فضائل اہلبیت سید المرسلین محمد رشید الدین خان الدہلوی ۱۲۴۳ھ (۲۰۰) ایضاح لطافۃ المقال محمد رشید الدین خان الدہلوی (۲۰۱) منتھی الارب فی لغۃ العرب عبدالرحیم بن عبدالکریم الصفی بوری ۱۲۶۷ھ۔ ۱۔ص ۱۴۳ بذیل مادۃ الثقل (۲۰۲) مرآۃ المومنین ولی اللہ بن حبیب اللہ بن محب اللہ لکھنوی مخطوط (۲۰۳) ینابیع المودۃ الشیخ سلیمان البلخی القندوزی ۱۲۹۴ھ ص ۲۲، ۳۱، ۳۲، ۳۴، وغیرہ طبع نجف، ترکی، لبنان (۲۰۵) مشارق الانوار فی فوز اہل الاعتبار حسن العدوی الحمزاوی ۱۳۰۳ھ ص ۸۶ (۲۰۶) السیرۃ النبویۃ احمد بن زینی دحلان ۱۳۰۴ھ ۳ص ۳۰۰، مطبوعہ بر حاشیہ سیرۃ حلبیہ ۳ص ۳۳۰، ۳۳۱ طبع مصر (۲۰۷) السراج الوہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج صدیق حسن خان القنوجی ۱۳۰۷ھ (۲۰۸) القول المستحسن فی فخر الحسن المولوی حسن زمان الترکمانی اوائل ۱۴۰۰ھ (۲۰۹) رموز الاحادیث احمد ضیاء الدین الکمشا خانوی الحنفی ص ۱۴۴ طبع ترکی (۲۱۰) نور الابصار فی فضائل اہلبیت النبی الاطہار السید مومن بن حسن مومن الشبلنجی بغداد ۱۳۰۸ھ (۲۱۱) تاریخ آل محمد بہجت بہلول آفندی ص ۴۵ (۲۱۲) التحفۃ اثنا عشریہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ الدہلوی (۲۱۳) الفتح الکبیر یوسف بن اسماعیل النبہانی ۱۳۵۰ھ۔ ۱۰۔ص ۴۵۱، ۵۰۳ و ص ۲۳۲ س ۲۶۷، ۲۹۱ (۲۱۴) الانوار المحمدیہ یوسف ابن اسماعیل النبہانی ۴۳۵ بیروت (۲۱۵) الانوار الآخودی شرح جامع الترمذی الحافظ ابوالعلی محمد بن عبدالرحمن المبارک بوری ج ۱۰ ص ۲۶۷، (۲۱۶) الشرف المؤید یوسف بن اسماعیل النبہانی ص ۱۸ طبع مصر و ص ۱۸، ۲۲ طبع بیروت (۲۱۷) الروض النضیر العباس بن احمد الیمنی ج ۳۳۳۵، ۲۶۶ (۲۱۸) التاج لجامع الاصول منصور بن علی ناصف ۱۳۷۱ھ کے بعد۔ ج

۳ص ۳۰۸، ۳۰۹ مصر (۲۱۹) الفتح الربانی بترتیب مسند احمد بن حنبل الشیبانی احمد النباء الساعاتی ص ۱۸۶ (۲۲۰) بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی احمد البنا الساعاتی ج ۴ص ۲۶ (۲۲۱) ارجح المطالب لملا عبداللہ امرتسری ص ۳۳۵ وغیرہ وغیرہ۔

ان بعض شیعہ علماء وزعماء اور راویوں کے نام جنہوں نے حدیث ثقلین کو نقل کیا ہے

جہاں تک شیعہ رواۃ اور شیعہ علماء و محدثین اور مورخین و ناقلین کا تعلق ہے تو وہ ''حدث ولا حرج'' کا مصداق ہیں اور سب کا عدواحصاء تو اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ البتہ یہاں چودہ سو سال کے چند چیدہ چیدہ حضرات کے اسماء گرامی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

پہلی صدی ہجری کے بعض شیعہ راویان حدیث ثقلین

(۱) حضرت علی علیہ السلام (۲) حضرت امام حسن علیہ السلام (۳) حضرت امام حسین علیہ السلام (۴) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام (۵) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام (۶) سلیم بن قیس چار آئمہ کا صحابی (۷) سالم بن ابی جعد صحابی حضرت امیر علیہ السلام (۸) مالک بن ابی حمزہ صحابی حضرت امیر علیہ السلام (۹) ہشام بن حسان صحابی امام حسن علیہ اسلام (۱۰) علی بن ثابت دہان صحابی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام (۱۱) ابان بن ابی عیاش صحابی امام چہارم و پنجم (۱۲) مالک بن عطیہ (ایضاً) (۱۳) محمد ابن مسلم صحابی امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام (۱۴) ابوالمقدام صحابی امام سجاد و امام محمد باقر علیہما السلام (۱۵) عمران بن میثم تمار صحابی امام سجاد علیہ السلام وغیرہم۔

دوسری صدی ہجری کے بعض شیعہ راویان حدیث ثقلین

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (۲) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۳) حضرت امام رضا علیہ السلام (۴) جابر بن یزید جعفی صحابی امام محمد باقر علیہ السلام (۵) ابوحمزہ

ثمالی صحابی امام سجاد و امام باقر علیہ السلام (۶) یزید بن معاویہ بجلی صحابی امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام (۷) اسماعیل بن جابر جعفی صحابی امامین علیہم الھسلام (۸) صالح بن عقبہ صحابی امامین علیہم السلام (۹) علی بن فضال صحابی امامین علیہم السلام (۱۰) حسین بن زید بن علی صحابی امام صادق علیہ السلام (۱۱) معاویہ بن وھب صحابی امام جعفر علیہ السلام (۱۲) ابان بن عثمان صحابی امام جعفر صادق علیہ السلام (۱۳) ابو بصیر صحابی امام جعفر صادق علیہ السلام (۱۴) ابن مسکان صحابی امام جعفر صادق علیہ السلام (۱۵) یعقوب بن شعیب اسدی صحابی امام جعفر صادق علیہ السلام (۱۶) غیاث بن ابراہیم صحابی امام جعفر صادق علیہ السلام (۱۷) زرارہ ابن اعین صحابی امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۱۸) عمرو بن اذینہ صحابی امام جعفر امام صادق و امام کاظم علیہم السلام، (۱۹) علی بن ابی حمزہ صحابی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام (۲۰) ابن فضیل صحابی امام کاظم علیہم السلام (۲۱) ہشام ابن الحکم صحابی امام صادق و کاظم علیہم السلام (۲۲) عیسیٰ بن عبدالملک۔ امام جعفر صادق اور امام رضا علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے بعض شیعہ راویان حدیث ثقلین

(۱) امام محمد تقی علیہ السلام (۲) حضرت امام علی نقی علیہ السلام (۳) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام (۴) شاذان بن خلیل نیشاپوری صحابی امام کاظم و امام جواد علیہم السلام (۵) جعفر بن بشیر بجلی صحابی امام رضا علیہ السلام (۶) یونس بن عبدالرحمٰن صحابی امام رضا علیہ السلام (۷) حماد بن عیسے صحابی امام رضا علیہ السلام (۸) صفوان بن یحیٰ صحابی امام رضا علیہ السلام (۹) اسحاق بن ابراہیم صحابی امام کاظم و امام جواد علیہم السلام (۱۰) محمد بن ابی عمیر صحابی امام کاظم و امام رضا و امام جواد علیہم السلام (۱۱) حسن بن علی بن فضال صحابی امام کاظم علیہ السلام (۱۲) شعیب بن ایوب صحابی امام کاظم و امام رضا علیہما السلام (۱۳) ابراہیم بن ہاشم صحابی علی بن فضال صحابی امام رضا علیہ السلام (۱۴) داؤد بن سلیمان بن الفراء صحابی امام رضا علیہ السلام (۱۵)

ریان بن الصلت صحابی امام رضا علیہ السلام (۱۶) محمد بن عبداللہ مدنی صحابی امام رضا و امام جواد علیہما السلام ج (۱۷) حسن بن محبوب صحابی امام رضا علیہ السلام (۱۸) احمد بن محمد بن عیسی صحابی امام رضا و امام جواد و امام علی نقی علیہم السلام (۱۹) حسین بن حماد اهوازی صحابی امام رضا و امام جواد و امام علی نقی و الہادی علیہم السلام (۲۰) ابو عبداللہ محمد بن شاذان نیشاپوری صحابی امام عسکری علیہ السلام (۲۱) سہل بن زیاد الآدمی۔ صحابی امام جواد، امام ہادی، اور امام عسکری علیہم السلام (۲۲) احمد بن محمد بن خالد بن عبدالرحمن البرقی صحابی امام تقی و نقی علیہم السلام (۲۳) محمد بن حسن صفار صحابی امام حسن عسکری علیہ السلام (۲۴) عبداللہ بن جعفر حمیری صحابی امام عسکری علیہ السلام وغیرھم۔

چوتھی صدی ہجری کے بعض شیعہ راویان حدیث ثقلین

(۱) شیخ سعید بن عبداللہ قمی (۲) علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی (۳) ابو جعفر محمد بن قولویہ (۴) ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن جعفر حمیری القمی (۵) ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی (۶) احمد بن محمد ابن سعید بن عقدہ (۷) محمد بن ابراہیم نعمانی (۸) محمد بن حسن بن احمد بن الولید القمی (۹) شیخ علی بن الحسین بن بابویہ القمی (۱۰) ابوالنصر محمد بن مسعود عیاشی (۱۱) محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی (۱۲) ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ (۱۳) ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ القمی (شیخ صدوق) (۱۴) ابوالحسن علی بن محمد الکاتب (۱۵) حسن بن عبداللہ بن سعید العسکری (۱۶) ہارون بن موسی تلعکبری (۱۷) ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن محمد الشیبانی (۱۸) ابو محمد حسن بن علی بن حسین بن شعبہ حرانی وغیرہم۔

پانچویں صدی ہجری کے بعض شیعہ راویان حدیث ثقلین

(۱) جناب شریف سید رضی محمد بن الحسین الموسوی (۲) شیخ احمد بن محمد بن موسی (۳) عبداللہ الحسین بن عبداللہ بن الغضائری (۴) شیخ محمد بن النعمان (شیخ مفید) (۵) الشریف مرتضی علی بن الحسین الموسوی (۶) شیخ تقی بن نجم الحلبی معروف بہ ابوالصلاح حلبی (۷) الشیخ

ابوالفتح محمد بن علی کراجکی (۸) ابومحمد حسن بن ابی الحسن بن محمد دیلمی (۹) شیخ محمد بن احمد بن فتال نیشاپوری (۱۰) شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی وغیرہم۔

چھٹی صدی ہجری کے بعد والے بعض شیعہ راویان حدیث ثقلین

(۱) شیخ محمد بن حسن بن علی فتال (۲) ابومنصور احمد ابن علی بن ابی طالب الطبرسی (۳) شیخ ابوعلی فضل بن الحسن طبرسی (۴) عماد الدین ابوجعفر محمد بن ابوالقاسم علی بن محمد الطبرسی (۵) شیخ رضی الدین ابونصر حسن بن فضل طبرسی (۶) قطب الدین ابوالحسین سعید بن ہبۃ اللہ راوندی (۷) رشید الدین ابوجعفر المازندرانی معروف بہ ابن شہرآشوب (۸) شیخ ابوالحسین یحیٰ بن حسن (ابن بطریق) (۹) ابوالفضل علی بن الحسن بن الفضل طبرسی (۱۰) سید علی رضی الدین ابوالقاسم بن طاؤس الحسنی (۱۱) سید غیاث الدین عبدالکریم بن احمد ابن طاؤس (۱۲) علی بن الحسین بن ابوالفتح اردبیلی المتوفی ۶۹۲ھ (۱۳) جمال الدین حسن بن یوسف بن المطہر حلی متوفی ۷۲۵ھ (۱۴) نجم الدین ابوالقاسم جعفر بن الحسن بن یحیٰ متوفی ۷۲۶ھ (۱۵) الشیخ علی بن یونس العاملی (زین الدین بیاضی متوفی ۸۷۷ھ (۱۶) شیخ عبدالعالی بن شیخ بدر الدین الکرکی متوفی ۹۸۸ھ (۱۷) قاضی نوراللہ شوشتری (شہید ثالث) متوفی ۱۰۱۹ھ (۱۸) المولی محمد طاہر بن محمد حسین الشیرازی القمی متوفی ۱۰۹۸ھ (۱۹) شیخ محمد بن الحسن بن محمد بن الحر العاملی متوفی ۱۱۰۴ھ (۲۰) السید ہاشم بن سید سلمان بن السید اسماعیل البحرانی النوبلی متوفی ۱۱۰۷ھ (۲۱) الشیخ محمد بن باقر بن محمد تقی المجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ (۲۲) المولی محمد محسن بن شاہ مرتضیٰ محدث فیض کاشانی متوفی ۱۱۰۰ھ (۲۳) الشیخ محمد باقر الاصبہانی الیمھانی متوفی ۱۱۵۹ھ (۲۴) شیخ مرزا محمد تقی بن علی النوری (محدث نوری) متوفی ۱۲۶۳ھ (۲۵) میر سید حامد حسین الموسوی الکھنوئی متوفی ۱۳۰۶ھ (۲۶) شیخ عباس القمی (محدث قمی متوفی ۱۳۵۹ھ (۲۷) السید ابوالقاسم قمی (صاحب لوامع التنزیل) ۱۳۰۰ھ (۲۸) السید علی الحائری معروف بہ علامہ حائری متوفی ۱۴۰۰ (۲۹) السید

عبدالحسین شرف الدین متوفی ۱۳۷۷ھ (۳۰) شیخ عبدالحسین الامینی النجفی (۳۱) آقا بزرگ الطہرانی (۳۲) السید محمد حسین الطباطبائی (۳۳) السید علی نقی النقوی الکھنوی (۳۴) السید شہاب الدین المرعشی النجفی (۳۵) الشیخ محمد حسین المظفر النجفی ا(۳۶) الشیخ قوام الدین القمی الوشنوی (۳۷) عبدالکریم رؤف عراقی (۳۸) الشیخ حسین بخش جاڑا الباکستانی (۳۹) السید صفدر حسین النجفی الباکستانی (۴۰) احقر الشیخ محمد حسین النجفی الباکستانی وغیرہم۔

شیعہ کتب تفاسیر و احادیث اور کتب تراجم و تواریخ و کلام وغیرہ میں شاید ڈھونڈنے سے ایسی کوئی کتاب نہ مل سکے جو اس حدیث شریف کے ذکر سے خالی ہو بلکہ یہ حدیث تمام کتب شیعہ کی زینت بنی ہوئی ہے۔

(فصل چہارم)

(ان صحابہ و صحابیات رسولؐ اسلام کے نام جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔)

مخفی نہ رہے کہ حدیث ثقلین کچھ کم چالیس صحابہ و صحابیات سے بطرق عدیدہ مروی ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ ص ۱۴۸ طبع جدید بذیل آیۃ رابعہ لکھتے ہیں کہ "واعلم ان الحدیث التمسک بذلک طرقاً کثیرۃ واردۃً عن نیف و عشرین صحابیا و فی بعض تلک الطرق انه قال ذالک بعرفة وفی آخرانه قال ذالک بغدیر خم و فی آخرانه قال بالمدینة فی مرضه و قد امتلأت الحجرة بالصحابه الخ۔"

یعنی حدیث تمسک (ثقلین) کے بہت سے طرق ہیں کچھ اوپر بیس صحابہ کرام سے مروی ہے اور ان طرق میں سے بعض میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ حدیث مقام عرفہ میں اور بعض میں ہے کہ مقام غدیر خم میں اور بعض میں ہے کہ مرض الموت میں جبکہ آپ کا حجرہ صحابہ کرام سے پُر تھا۔ ارشاد فرمایا۔ آخر میں لکھا ہے۔ "ولا تنا فی اذلا مانع الی آخرما قدمنا نقله" یعنی ان روایات کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ مانع نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے

قرآن وعترت کی اہمیت وعظمت بتلانے کے لئے ان تمام مقامات متعددہ پر یہ حدیث ارشاد فرمائی ہو فقط بعید ہی نہیں بلکہ حقیقت یہی ہے کہ آنحضرت نے مقامات متعددہ پر یہ ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ ہم فصل اول میں ازالہ وہم کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ نیز یہی صاحب ایک اور جگہ ۲۲۶ باب وصیۃ النبیؐ پر اس حدیث کو چند طرق سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ''ولھذا الحدیث طرق کثیرہ عن بضع و عشرین صحابیا لا حاجۃ الی بسطھا'' یعنی یہ حدیث بہت سے طرق کچھ اوپر ۲۰ صحابیوں سے مروی ہے کہ ہمیں ان طرق کی شرح وبست کی چنداں ضروری نہیں ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جب یہ روایت متواتر ہے تو اس کے رجال سند کے متعلق زیادہ بحث وتمحیص کرنا کوئی معتد بہ فائدہ نہیں رکھتا۔ اس لیے شیعیان علی علیہ السلام کے پکے دشمن ابن حجر بھی اس گورکھ دھندے میں پڑنے کو تضیع اوقات خیال کر رہے ہیں لیکن بایں ہمہ ہمارے ملا اللہ یار صاحب ہیں کہ حدیث ثقلین کی صحت میں خدشہ کر کے اس کے رجال سند پر مستقل کتاب لکھنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یا اللہ وللعجب العجاب انہیں یا ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ اور ہم خیال حضرات کی ضیافت طبع کے لئے ہم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اور ان فصلوں میں اس کے اثبات تواتر پر زور دے رہے ہیں۔ ورنہ ہمارا وقت اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا۔ کہ اک ایسی مسلم الثبوت حقیقت کے اثبات میں اس کو صرف کرتے۔ شیخ سلیمان بلخی الحنفی ینابیع المودۃ میں شریف سمودی بصری سے نقل کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے اپنے کتاب جواہر العقدین میں اس حدیث کے کچھ طرق واسانید لکھنے کے بعد کہا ہے کہ اس باب میں بیس سے زیادہ صحابہ کرام موجود ہیں۔ اور اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ حدیث کو شمس الدین سخاوی نے اپنی کتاب استجلاب میں باسناد ابی سعید خدری اور زید بن ارقم نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''وفی الباب عن جابر و حذیفہ ابن اسید و خذیمہ ابن ثابت و سھل ابن سعد وضمیرہ و عامر ابن لیلی و عبدالرحمن ابن عوف و عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر و علی ابن حاتم و عقبہ ابن عامر و علی ابن ابی طالبؑ و ابی

ذر و ابی رافع و ابی شریح الخزائی و ابی قدامه الانصاری و ابی هریره و ابی الهیثم ابن الشیبان ورجال من قریش و ام سلمه و ام هانی ابنه ابی طالب الصحابیه رضوان الله علیهم انتهی کلام شمس الدین السخاوی" یعنی اس سلسلہ میں ان حضرات کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جابر ابن عبداللہ خدیفہ الخ۔۔۔۔ "ورجال من قریش" یعنی قریش کے کچھ مردوں سے بھی مروی ہے) اس جملہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور حضرات بھی اس سلسلہ میں شامل ہیں۔ صاحب عبقات عالم الثقلین حضرت علامہ سید حامد حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے مجلد ثانی حدیث ثقلین میں اس حدیث شریف کو قدرے شرح و بسط کے ساتھ مندرجہ ذیل صحابہ وصحابیات سے بحوالہ کتب اہل سنت درج کیا ہے من شاء فلیرجع الیہ یہاں فقط ان حضرات کے اسماء گرامی تحریر کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے وہی ھذہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ، حسن ابن علیؑ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاری، ابن عباس، ابوسعید خدری، جابر ابن عبداللہ انصاری، ابوالہیثم ابن التیہان، حذیفہ ابن یمان، ابورافع غلام حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری و خذیمہ ابن ثابت ذی شہادتین و زید ابن ثابت "مرکار علامہ سے زید ابن ارقم کا نام ترک ہوگیا ہے ورنہ ان کا نام نہایت نمایاں طور پر اس سلسلہ میں ذکر کیا جاتا ہے" وابو ہریرہ و عبداللہ ابن حنطب بن جبیر، ابن مطعم، ابن عزب، انس بن مالک، طلحہ ابن عبیداللہ تمیم، عبدالرحمٰن ابن عوف سعد ابن ابی وقاص عمرو ابن العاص سعد ابن سعد عدی ابن حاتم، عقبہ ابن عامر، ابو ایوب انصاری، ابوشریح خزائی، ابوقدامہ انصاری، ابولیلیٰ انصاری، ضمیرہ اسلمی، وعامر ابن لیلیٰ ومعصومہ کبریٰ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔ ام سلمہ وام ھانی، رضوان اللہ علیھم، ان صحابہ وصحابیات کی روایت کا مدرک و ماخذ ان کی وہ کتب کثیرہ ہیں جن کا ذکر فصل سوئم میں ہو چکا ہے۔ اور ان سب طرق کا سلسلہ سند زید ابن ارقم تک منتج کیا ہے۔ حضرت علامہ سید حامد حسین اعلی اللہ مقامہ نے عبقات حدیث ثقلین کی جلد نمبر ۲ میں صفحہ ۸ سے لیکر ۵۷۶ تک ۱۳۰۰ سال کے ان علماء اعلام کے نام گنوائے ہیں جنہوں نے اس حدیث

الثقلین کو اپنی اپنی قیم کتابوں میں درج کیا ہے اور وہ بھی رجال سند کی توثیق کے ساتھ فیالہ من عالم ماوسع علمہ ۔۔۔۔۔۔۔ اوران سب طرق کا سلسلہ سند زید ابن ارقم تک منتہی کیا ہے اس مقام پر پہنچنے کے بعد ہم ناظرین کرام کی انظار عالیہ وتوجہات سامیہ کو حدیث متواتر کی مذکورۃ الصدر تعریف کی طرف مبذول ومنعطف کراتے ہوئے ان سے ملتمس ہیں کہ اس تعریف اور پھر اس حدیث کے مذکورہ بالا طرق واسانید عدیدہ کو مدنظر رکھ کر اور خدائے تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر انصاف سے بتلائیں کہ آیا حدیث ثقلین میزان تواتر پر سوفیصد پوری اترتی ہے۔ یا بایں ہمہ اس کے متواتر ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جس انسان کو مبداء جود وفیض سے عقل وفہم اور عدل وانصاف کا ذرہ بھر بھی حصہ نصیب ہوا ہے۔ وہ ان صحابہ وصحابیات رسولؐ کے جمع کثیر اور ان تمام قرون اولیٰ ومتوسطہ ومتاخرہ کے علماء اعلام وبزرگان اسلام کے جم غفیر کے روایات وتصریحات کو دیکھنے کے بعد ہرگز اس حدیث کے تواتر میں کوئی خدشہ ومناقشہ نہیں کرسکتا۔ قطعاً اس حدیث کے صحیح ومتواتر ہونے کے متعلق بقدرِ سرِ سوزن بھی اس کی آئینہ قلب پر غبار باقی نہیں رہ سکتا یقیناً ان حقائق کے اندر ایک باانصاف صاحب عقل وفہم انسان کے لیے سامان علم وایقان موجود ہے۔ بھلا کوئی شخص اس کی صحت وتواتر میں کسی قسم کا شک وشبہ کرہی کیونکر سکتا ہے۔ آخر خبر متواتر کی ہی تعریف تو تھی کہ جسے اسقدر اشخاص روایات کریں کہ جن کا کذب وافترا پر اتفاق عادۃً پر متصور نہ ہوسکے بنا بریں ہم ارباب انصاف سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا کوئی شخص اہل سنت کہلاتے ہوئے اپنے ان بے شمار اساطین مذہب وارکان ملت (جو اس کے مذہب کیلئے بمنزلہ قطب آسیا ہیں) اور اس قدر صحابہ وصحابیات رسول اکرمؐ (جو اس کے نزدیک کلہم عدول کے مصداق ہے) کس طرح ان کے لئے کذب وافترا کا احتمال کرسکتا ہے۔ آیا علماء اعلام ان امور سے جو صحتِ حدیث میں مضر ہوسکتے ہیں (جنکا انکشاف اب ہمارے ملا صاحب کررہے ہیں۔) واقف تھے یا نہیں؟

اگر یہ کہا جائے کہ واقف نہ تھے تو پھر ان ارکان اسلام کی جہالت لازم آئے گی اور

اگران امور سے واقف تھے اور عمداً ان سے چشم پوشی کر کے غیر صحیح روایات کو صحیح کا لباس پہنا کر اپنے کتب میں درج کر گئے تو اس صورت میں ان کا فاسق و فاجر ہونا لازم آئیگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ شاید غلبۂ سہو و نسیان کیوجہ سے ان سے ایسا فعل سرزد ہو گیا ہو تو یہ توہم بھی بہ دو ۲ وجوہ باطل و عاطل ہے۔ اولاً اس لیے کہ اسقدر جم غفیر و جمع کثیر کا سہو و نسیان پر اتفاق اگر محال عقلی نہیں تو محال عادی تو ضرور ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ اگر سہو و نسیان کے احتمال کا نہ ہونا بھی تواتر کے ثبوت میں شرط قرار دیا جائے۔ تو پھر ان راویوں کی عصمت کی قید کا اضافہ بھی کرنا پڑیگا۔ اور وہ بھی جب کہ ہمارے ملا صاحب کے نزدیک معصوم سہو و نسیان سے منزہ ہو واضح ہے کہ اس صورت میں تواتر کا سدِ باب ہو جائیگا۔ اور خبر متواتر "عنقاء" بن کے رہ جائیگی۔ کہ "یسمع ذکرہ ولا یبصر شخصہ" جو کہ بالبداھۃ باطل و عاطل ہے۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث شریف کے تواتر میں ہرگز کسی قسم کا خدشہ و مناقشہ نہیں کیا جا سکتا۔ وھو المطلوب!!

(ایک علمی لطیفہ)

فصل اول میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ کہ علمائے اسلام کے درمیان خبر متواتر کی تعریف میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض اس کے لیے آٹھ راویوں کو معتبر سمجھتے ہیں اور بعض دس کو اور بعض کم و بیش کو۔ ہم نے کہا تھا کہ اس اختلاف کے شواہد فصل چہارم میں ذکر کئے جائیں گے۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ان کا اجمالی تذکرہ کیا جائے (۱) ابن حجر مکی صواعق محرقہ ص ۲۱ طبع مصر بزعم خود چند طرق سے روایت صلوۃ ابی بکر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ واعلم ان ھذا الحدیث متواتر فانہ ورد من حدیث عائشہ و ابن مسعود الخ

یعنی جاننا چاہیئے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ (دلیل یہ ہے) کہ یہ حدیث حضرت عائشہ اور ابن مسعود سے مروی ہے (۲) ابن حجر عسقلانی نے کتاب تہذیب ج ۷ ص ۲۰۹ اور اصابہ ج ۲

ص ۵۱۲ پر حدیث (یا عمار تقتلک الفئة الباغیة) کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''تواترت الرویات بہ روی ذلک عن عمار و عثمان و ابن مسعود و حذیفہ و ابن عباس الخ''، یعنی یہ روایت متواترات میں سے ہے کیونکہ یہ حضرت عمار اور عثمان الخ چھ سات صحابہ کرام سے مروی ہے (۳) ابن حزم نے حدیث ''الائمة من قریش'' کو متواتر کہا ہے۔ ملاحظہ ہو اسکی کتاب فصل ج ۴ ص ۸۹ اور ثبوت میں چھ صحابہ مثل انس بن مالک و ابن عمرو معاویہ وغیرہ کے اسماء ذکر کیے گئے ہیں۔ (۴) اسی ابن حزم نے اپنی کتاب محلی میں (علی ماحکی عنہ) بذیل مسئلہ عدم جواز بیع ماء جو چار صحابیوں سے منقول ہے۔ اس کو متواتر کہتے ہوئے اس کی مخالفت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں ''فہولاء اربعة من الصحابہ رضی اللہ عنہم فہو نقل متواتر لا تحل مخالفتہ'' یعنی یہ چار صحابہ کرام روایت کر رہے ہیں۔ اور یہ نقل متواتر ہے۔ جسکی مخالفت جائز نہیں ہے (کیونکہ متواتر کی مخالفت صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ موجب کفر ہوتی ہے کما تقدم فی الفصل الاول) مقام تدبر ہے۔ کہ آٹھ اور چھ بلکہ چار صحابہ وصحابیات کی نقل شدہ حدیث تو متواتر اور اسکی مخالفت ناجائز ہو سکتی ہے۔ لیکن حدیث ثقلین باوجودیکہ پینتیس ۳۵ صحابہ وصحابیات سے مروی و منقول ہے۔ اس کے تواتر بلکہ صحت میں خدشہ و مناقشہ کیا جا رہا ہے۔ بات در اصل یہ ہے کہ حدیث متواتر میں خواہ آٹھ عدد راوی ضروری ہوں۔ یا چار عدد یا کچھ زیادہ مگر حدیث الثقلین چونکہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں وارد ہے۔ لہذا اس میں شرائط تواتر میں اضافہ ہو جانا اور پینتیس ۳۵ عدد صحابہ وصحابیات کی روایت اور سینکڑوں علمائے اعلام کا اسے نقل کرنا اس حدیث شریف کے تواتر کے لیے ناکافی ہے؟

ع جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا؟

امید ہے کہ یہ لطیفہ علمیہ بلکہ تقصیمیہ منصف مزاج حضرات کیلئے درس عبرت ثابت ہوگا اگرچہ اس حدیث کے متواتر ہونے کے متعلق کافی لکھا جا چکا ہے جو یقیناً ارباب دانش و

بینش کیلئے اس مطلب عظیم کو ثابت کرنے کے واسطے کافی وافی ہے لیکن چونکہ طبائع انسانیہ مختلف ہوتی ہیں اگر کوئی جمودی طبیعت رکھنے والا لکیر کا فقیر آدمی اس بات پر مصر ہو کہ اس حدیث شریف کے متواتر ہونے کی تصریح کسی مستند عالم اہل سنت کی زبانی پیش کیجائے تو محض اس خیال سے کہ ایسے آدمی کی یہ تمنا تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے ہم اسکی ضیافت طبع اور اس کے عذر کو قطع کرنے کیلئے اس سلسلہ میں بعض علمائے اعلام کے تصریحات لکھے دیتے ہیں (۱) علامہ شیخ صالح ابن مہدی بن علی المقبلی الصنعانی متوفی ۱۱۰۸ھ ملحقات ابحاث مسددہ میں اس حدیث کو چند طرق سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں روایاۃ مع شواھد ھمتواترہ یعنی علاوہ شواہد و دلائل کے اس حدیث کے طرق و روایات متواتر ہیں (۲) نواب سید صدیق حسن خان (صدق) بھوپالی اپنی کتاب منہج الوصول ۱۳ پر لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ حاکم ابوسعید نے حدیث موالات غدیر کو متواتر کہا ہے کیونکہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے اس کو روایت کیا ہے یہاں تک کہ محمد بن جریر طبری نے پچھتر ۷۵ اسناد سے اس روایت کو نقل کیا ہے جس میں ثقلین اور من کنت کا مضمون وارد ہے تو جب ایک روایت متواتر ہے تو لامحالہ دوسری بھی متواتر ہوگی کما لایخفی ۔۔ لیجئے حضرات! اب تو بحمدہ تعالیٰ تصریحات صحیحہ بھی مل گئی ہیں لہٰذا اس مقصد کے اثبات کیلئے یہی دو شہادتیں کافی ہیں لہٰذا باایں ہمہ اگر اب بھی کوئی ضدی وہٹ دھرم آدمی اپنے انکار پر ہی اصرار کرے تو یہ اس کی صاف ہٹ دھرمی و سینہ زوری اور حماقت و دین کی کمزوری ہے جس کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں ہے۔

وکلُ الداء ملتمس شفاہ

وداء الحمق لیس لہ شفاء

نستعیذ باللہ منہ

فما ذا بعد الحق الا الضلال

(فصل پنجم)

(راویان حدیث ثقلین کے حالات کی بابت مضمون نگار کے خیال پہ نقد و تبصرہ)

آپ یہ سن کر متعجب ہوں گے کہ باین ہمہ شواہد و دلائل قطعیہ و تصریحات صریحہ جو اس حدیث شریف کے صحیح و متواتر ہونے کے متعلق آپ سماعت فرما چکے ہیں آج ہمارے ملا اللہ یار صاحب کوس لمن الملک الیوم بجاتے ہوئے اپنے علمائے متقدمین کی فروگذاشتوں کی تلافی کرتے ہوئے حدیث ثقلین کے راویوں کی جانچ پڑتال کرنا چاہتے ہیں اگرچہ ان کے اس فعل شنیع سے ان کے تمام علمائے اعلام کی تجہیل و تفسیق ہی لازم کیوں نہ آئے کیونکہ بموجب خالف تعرف یعنی بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟ ان کو اپنی شہرت سے سروکار ہے خواہ کوئی جاہل بنے یا فاسق قرار پائے؟ ہم نے ابتداء کتاب میں ان کی جو عبارت نقل کی ہے اس کے بعد رقمطراز ہیں ”ہم نے جس قدر تحقیق کی ہے معلوم ہوا کہ ان روایات میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ضرور ہے عنقریب ہم اس حدیث کے راویوں کے مفصل حالات جو کتب رجال فریقین سے ظاہر ہوتے ہیں ناظرین الفاروق کے سامنے پیش کرنے والے ہیں“ الخ پھر کچھ کلمات کے بعد لکھتے ہیں: ”ہمارے علماء نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی ورنہ ایک مدت سے ان چیزوں کا فیصلہ ہوگیا ہوتا الخ۔۔۔ (الفاروق مجریہ ۱۵ جون ۱۹۵۸ء) سابقہ تحقیقات کافیہ و بیانات شافیہ پیش کرنے کے بعد ہم اس ہرزہ سرائی کی جواب دہی سے اپنے آپ کو فارغ سمجھتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ایسے شخص کی۔۔۔ عقل و دانش اور دین و دیانت کے متعلق کچھ عرض کریں س امر کا فیصلہ با انصاف قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں کہ وہی بتلائیں کہ جو شخص ایسی مسلم لثبوت اور متفق علیہ حدیث کے متعلق جو پینتیس ۳۵ عدد صحابہ و صحابیات رسول اسلامؐ سے روی ہو اور جو تقریباً چودہ سو سال سے بلا تفریق مذہب تمام اعاظم علمائے اسلام نے اپنی ضنیفات منیفہ و تالیفاتِ لطیفہ میں باسانید عدیدہ و صحیحہ و صریحہ درج کر کے اس کی صحت پر مہر

ثبت کی ہو ایسا خیال ظاہر کرنے والے کیلئے کونسا لقب و خطاب مناسب ہے۔۔۔

ع۔ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

آپ ہی اپنے جور و جفا پہ ذرا غور کریں

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

جب بحمدہ تعالیٰ کالشمس فی نصف النہار حدیث شریف کا متواتر بلکہ فوق التواتر ہونا واضح و آشکار ہو گیا اور فصل اول میں ہم فن درایۃ الحدیث کی رو سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ والمتواتر لا یبحث عن رجالہ بل یحب العمل بہ من غیر بحث کہ حدیث متواتر کے رجال سند سے بحث نہیں کیجاتی بلکہ بغیر بحث و فحص اس پر عمل واجب ہوتا ہے تو اب ہم ملا صاحب کو مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ کاہے کے لئے اپنے کو زحمت و مشقت میں ڈالتے ہیں وقت کی قدر و قیمت کے پیش نظر بہتر ہے کہ اسے کسی مفید کام میں صرف کریں آپ ایسا کام ہی کیوں کرتے ہیں کہ جس کے باعث لوگ آپ کو دیوانہ دیا واگو اور نہ معلوم کیا کیا کہیں اور سوائے اپنے علمائے اعلام کی تجہیل و تذلیل کے حاصل بھی کچھ نہ ہو بایں ہمہ اگر شدت بغض و عداوت باخاندان نبوت آپ کو چین سے بیٹھنے نہ دے اور خواہ مخواہ اس لایعنی کام میں پڑنا ہی چاہیں تو پہلے مقدمہ کتاب میں مطلب ثانی کو پیش نظر رکھ کر اس سلسلہ میں قدم آگے بڑھائیں ورنہ تمہاری سعی و کوشش بالکل لاحاصل اور ناکام سے ناکام تر ہو کر رہ جائیگی وہ امر یہ ہے کہ ہم مقدمہ میں اہلسنت کے علمائے اعلام کے کلام سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ راوی وغیرہ میں مطلق تشیع کا پایا جانا اس کیلئے قادح نہیں جب تک رفض کامل (یعنی شیخین پر سب و شتم کرنے تک نوبت نہ پہنچ جائے بلکہ فقط رفض بھی قبول روایت سے مانع نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ساتھ اس راوی کا کاذب و مفتری ہونا ثابت نہ ہو جائے لہٰذا اگر کوئی رافضی ہونے کے باوجود صادق القول ہو تو اسکی روایت بھی قبول کیجائیگی (تفصیل مقدمہ مطلب ثانی میں ملاحظہ ہو)

ساتھ یہ بھی ثابت کرنا لازم ہوگا کہ ان کا تشیع رفض کامل کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور اس کے علاوہ وہ کاذب و مفتری بھی ہیں لہٰذا صرف کسی راوی کے متعلق کسی کتاب میں یہ نظر آجانا کہ یہ شیعی یا بدعتی ہے اس کا یہ لازمہ نہیں ہے کہ وہ رفض کامل بھی رکھتا ہو اور اسی طرح کسی کے متعلق یہ دیکھ لینا کہ "آن رافضی است" یہ لازم نہیں کہ وہ کاذب و مفتری بھی ہے جب تک یہ امور ادلۂ قاطعہ و شواہد ساطعہ سے ثابت نہ کئے جائیں اس وقت تک آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور ہمارا یہ دعوی ہے کہ ملا اللہ یار تو کیا اگر ان کے تمام یار و انصار جمع ہو کر بھی اس مہم کو سر کرنا چاہیں تو تا قیام قیامت اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے کیونکہ (اولاً) تو کسی راوی کا بایں قیود و شرائط تشیع ثابت کرنا ان کے بس کا روگ نہیں (ثانیاً) اس لئے کہ فصل اول میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث شریف طرق متعددہ جو تقریباً ساٹھ تک پہنچے ہوئے ہیں اور اسانید متکثرہ سے مروی ہے پیغمبر اسلامؐ نے بکثرت اور کئی بار مختلف اوقات و مقامات میں اس کی تکرار فرمائی ہے لہٰذا بفرض محال اگر آپ اس کے اسانید عدیدہ و طرق متکثرہ میں سے کسی ایک طریق کی سند میں خدشہ و مناقشہ کرنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو اس سے اس کے باقی اسانید و طرق پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب تک کہ تمام طرق و اسانید میں اس قسم کے اسباب ضعف سند ثابت نہ کئے جائیں و دون اثباتہ خرط القتاد و من ادعی ذالک فعلیہ الدلیل ولکن لیس لہ الی یوم القیامۃ من سبیل بہر حال بحیثیت برادر مسلمان ہونے کے ہم نے فرض نصیحت ادا کر دیا ہے اب اس پر عمل پیرا ہو کر اس سے بہرہ مند ہونا ملا اللہ یار اور ان کے یار و انصار کے اختیار میں ہے۔

~~~
مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
~~~

☆☆☆☆
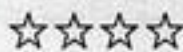
باب دوم

ملاں صاحب کے اپنے دعوی کی تائید میں چند پیش کردہ روایات اور ابن تیمیہ حرانی کے کلام سے استدلال پر تبصرہ؟:

﴿فصل اول﴾

کتب اہل سنت سے پیش کردہ روایات ضعیف السند اور نا قابل استلال ہیں

ہم نے کتاب کے پیش لفظ میں صراحت کردی ہے کہ ملا صاحب کے مضمون کی صرف دوسری قسط ہماری نظر سے گزری ہے مگر قرائن حالیہ ومقالیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی پہلی قسط میں کوئی جدت وتنوع نہیں پایا جاتا۔

بلکہ وہی مطالب ہیں جو قسط ثانی میں معمولی تفاوت کے ساتھ مذکور و مسطور ہیں ان کا تمۂ بیان جو بعنوان خلاصہ کلام درج ہے جس میں انہوں نے اپنے تمام مضمون کا نچوڑ بیان کیا ہے ہمارے اس نظریہ کی تائید کرتا ہے بنابریں ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ان کے تمام مضمون کا خلاصہ صرف دو امر ہیں (۱) یہ کہ وہ حدیث ثقلین جس میں کتاب وعترت کے الفاظ وارد ہیں صحیح السند نہیں بلکہ صحیح حدیث وہ ہے جس میں کتاب وسنت کی لفظیں موجود ہیں (۲) یہ کہ اپنے اس دعوی کی پہلی شق یعنی کتاب وعترت والی حدیث پر کچھ شکوک وشبہات وارد کئے ہیں اور دوسری شق یعنی کتاب وسنت والی حدیث کی تائید میں توڑ موڑ کر چند روایات کتب فریقین سے پیش کئے ہیں بلکہ تمام مضمون کی بازگشت صرف ایک بات کی طرف ہے کہ صحیح حدیث ثقلین وہ ہے جسمیں کتاب وسنت کے الفاظ پائے جاتے ہیں اور بس ہم نے باب اول میں بعونہ تعالی بیانات عدیدہ اور تحقیقات سدیدہ سے کتاب وعترت والی حدیث کا بہ شہادات

کتب وعلماء فریقین صحیح و متواتر ہونا واضح و لائح کردیا ہے اور اس حدیث پر ملا صاحب کے شکوک وشبہات کا ازالہ اور قلع قمع دلائل و براہین کے تیز حربوں سے باب سوم میں کیا جائیگا انشاء اللہ۔ سر دست اس باب ثانی میں صرف ان کی پیش کردہ روایات اور ابن تیمیہ کے کلام کا جائزہ لینا ہے سو جاننا چاہیئے کہ ملا صاحب نے بمصداق الغریق یتشبث بکل حشیش یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت آئیں بائیں شائیں کر کے اور بہت ہاتھ پیر مار کے اور اکتر بیونت کے چند روایتیں اپنی تائید میں پیش کی ہیں ان کے ذریعے مشہور حدیث ثقلین کا معارضہ کر کے ان کو اس پر ترجیح دینے کی سعی قبیح و فضیح کی ہے حالانکہ یہ روایات بہ سبب مرسل و مقطوع السند ہونے کے اور بوجہ ان کے راویوں کے کذاب و وضاع ہونے کے اس قابل ہی نہیں کہ فی نفسہ قابل اعتبار و اعتماد ہوں چہ جائیکہ ایک متواتر حدیث کے مقابلہ میں ان کو بطور مقابلہ و معارضہ پیش کر کے انہیں مقدم سمجھا جائے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

(روایت اولی۔) موطا مالک سے ایک روایت نقل کی ہے:

”مالک انه بلغه ان رسول الله قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکم بهما کتاب الله و سنة نبیه“

مالک کہتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں کتاب و سنت چھوڑے جاتا ہوں۔ الخ۔۔۔ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد ملا صاحب بعنوان نوٹ رقمطراز ہیں ”اب راز بالکل فاش ہوگیا اور حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ جن دو چیزوں کو واجب الاطاعت اور ضروری الاتباع فرمایا ہے وہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہیں۔ الخ۔۔۔ (الفاروق صفحہ ۴ مجریہ ۱۵ جون ۱۹۵۸ھ)

چونکہ یہ روایت مرسل ہے اور سرے سے اس میں سلسلہ سند ہی ناپید ہے تاکہ قواعد جرح و تعدیل کی میزان پر اس کے راویوں کو پرکھا جائے لہذا یہ روایت بوجہ مرسل و مقطوع

نووی پر ہے والمرسل من الروایات فی اصل قولنا و قول اهل العلم بالاخبار لیس بحجۃ خلاصہ معنی یہ ہے کہ مرسل حدیث جمہور محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے علاوہ بریں بمصداق

ع۔ تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

باوجودیکہ مالک نے اس روایت کو مرسلاً نقل کیا ہے لیکن بعض نقادِ اخبار و حفاظ کبار اس کے بعض مفتری و کذاب اور وضاع راویوں پر مطلع ہو ہی گئے ہیں چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی کتاب اللئالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ج ا ص ۴۹ طبع مصر قدیم و جدید ص ۹۳ پر لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ کثیر ابن عبداللہ ابن عمر کذاب ہے ابن حبان نے کہا ہے کہ لہ عن ابیہ عن جدہ نسخۃ موضوعۃ یعنی وہ اپنے باپ کے توسط سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے نسخہ موضوعہ (جھوٹی کتاب) رکھتا ہے پھر دار قطنی کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کثیر ضعیف ہے بعد ازیں موطا مالک والی مذکورہ مرسل روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کو ابن عبدالبر نے کتاب تمہید میں بطریق کثیر عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے (جو اسی نسخہ موضوعہ کی ایک کڑی ہے) اور حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب اطراف میں تصریح کی ہے کہ مالک نے یہ حدیث اسی کثیر سے لی ہے اب راز بالکل فاش ہوگیا اور حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ موطا مالک والی روایت بالکل موضوع و مکذوب ہے اور بمقابلہ حدیث متواتر مردود مطرود ہے کیونکہ اس کا مرسل ہونا ہی اس کے ناقابل حجت ہونے کیلئے کافی تھا چہ جائیکہ جب اسکا راوی نہ صرف ضعیف بلکہ مفتری و کذاب ہے اور بالخصوص جبکہ حدیث متواتر کے معارض ہو اور یہی کیفیت ان کی باقی نقل کردہ روایات کی ہے کہ کوئی روایت سلسلہ سند ندارد اور کوئی ضعیف السند ہے (۲،۳) اس کے بعد دو روائتیں مستدرک حاکم ج ا ص ۹۳ سے اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ جن میں سے ایک بتوسط عکرمہ ابن عباس کی طرف منسوب ہے اور دوسری ابی ھریرہ سے مروی ہے۔

ان روایتوں کے ساتھ اہلسنت کا احتجاج و استدلال کرنا مثل روایت سابقہ بچند وجوہ
باطل و مردود ہے اولاً اس لیئے کہ یہ دونوں روائتیں بھی مثل سابق مرسل ہیں جو اہلسنت کے قواعد
کیمطابق ناقابل اعتماد و اعتبار ہوتی ہیں ثانیاً اس لیئے کہ چونکہ یہ عکرمہ اور ابی ہریرہ سے مروی ہیں
اور یہ دونوں علمائے محققین کبار و ناقدین اخبار کے نزدیک مقدوح و مجروح و مطعون ہیں اور قطعاً
ن کی روایت کسی کیلیئے قابل احتجاج اور استناد نہیں ہوسکتی۔ (فضلا عن اهل الحق)۔

چنانچہ عکرمہ کے متعلق ہم عنقریب ابن تیمیہ کے کلام پر تبصرہ کرتے وقت اہلسنت
کے علمائے رجال کے کلام سے اس کا خارجی و کذاب و وضاع ہونا ثابت کریں گے بالانصاف
اظرین پر واضح و لائح ہوجائیگا کہ یہ مفتری حضرت ابن عباس پر ہمیشہ کذب و افترا کیا کرتا تھا
س کی وجہ سے اسے بعض اوقات بڑی بھاری عقوبتوں سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا فانتظر ہاں
ردست یہاں ابوہریرہ کے حال خسران مآل پر نہایت اختصار و اجمال کے ساتھ روشنی ڈالی
باتی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اخبار و آثار معتبرہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ اختراع و ایجاد
ں بڑا مشاق آدمی تھا اور صحابہ و صحابیات کرام نقل روایت میں اسکو نہایت مطعون و موہون
مجھتے تھے۔ بلکہ بعض خلفاء وقت نے اس کے نقل احادیث کرنے پر بڑی سخت پابندی لگا رکھی
ی خدیجہ ابن قتیبہ کتاب تاویل مختلف الاحادیث میں نظام سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی و
ر وعثمان و عائشہ ابوہریرہ کی نقل روایت میں تکذیب کیا کرتے تھے (۲) ابن ابی الحدید نے
سکافی کی کتاب التفصیل سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ ان اکذب الناس
اکذب الاحیاء علی رسول الله ابوهریره الدوسی کہ آنحضرتؐ پر تمام لوگوں سے
یادہ افترا باندھنے والا ابوہریرہ ہے (۳) ابن کثیر نے شریک سے روایت کی ہے اور انہوں
نے مغیرہ سے مغیرہ کا بیان ہے کہ ابراہیم نے کہا کان اصحابنا یدعون من حدیث ابی

اعمش الثوری کا بیان قلمبند ۱ کیا ہے اسی طرح ملا علی متقی کنز العمال کتاب العلم میں لکھتے ہیں عن السائب بن یزید قال سمعت عن عمر ابن الخطاب یقول لابی ہریرہ لتترکن الحدیث عن رسول اللہ او لا لحقنک بارض دوس یعنی صائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطاب کو ابو ہریرہ سے سخت خطاب کرتے ہوئے سنا کہ اے ابو ہریرہ تو آنحضرتؐ سے (جھوٹی) روایتیں بیان کرنا ترک کردے ورنہ میں تجھے زمین دوس (ابو ہریرہ کا پیدائشی وطن ہے) میں پہنچادوں گا خود ابو ہریرہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اس کے نقل روایت پر بڑی سخت پابندی عائد کر رکھی تھی چنانچہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ بذیل ترجمہ حضرت عمر لکھا ہے کہ ابی سلمہ نے ایک دن ابو ہریرہ سے یہ دریافت کیا کہ کنت تحدث فی زمان عمر ھکذا کہ کیا تو اسی طرح (جیسے آج کل گل کھلاتا ہے) حضرت عمر کے زمانے میں بھی حدیثیں بیان کرتا تھا؟ ابو ہریرہ نے کہا کہ اگر اس وقت میں بیان کرتا تو کوڑے لگتے تھے'' اسی طرح ابن کثیر شافعی نے ابو ہریرہ کی وفات کے ضمن میں لکھا ہے کہ صالح ابن ابی الاضدوابی سلمہ سے نقل کرتے ہیں ابی سلمہ کا بیان ہے کہ ''سمعت ابا ھریرہ یقول ما کنا نستطیع ان نقول قال رسول اللہ حتی قبض عمر ''یعنی میں نے ابو ہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم عمر کے زمانہ میں قال رسول اللہ نہیں کہہ سکتے تھے۔۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہوگئے۔

۱؎ خود ابو ہریرہ کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ لوگ ان کو مفتری و کذاب سمجھتے تھے۔ چنانچہ سیوطی عین الاصابہ میں لکھتے ہیں ''اخرج ابن ابی شیبہ عن ابی رزین قال خرج الینا ابوھریرہ یضرب علی جبینہ بیدہ قال انکم تحدثون انی اکذب علی رسول اللہؐ اشھدانی سمعت رسول اللہ الخ ''یعنی محدث ابن ابی شیبہ نے ابی رزین سے نقل کیا ہے۔ کہ ایک دن ابی ہریرہ اس حال میں برآمد ہوئے کہ اپنے ہاتھ سے اپنی پیشانی کو پیٹ رہے تھے اور پھر ہم سے یوں خطاب کیا۔ کہ تم لوگ یہ بیان کرتے ہو کہ میں رسول خداؐ پر بہتان باندھتا ہوں اس کے بعد شہادت دیتے ہوئے ایک روایت بیان کی کہ میں نے آنحضرت سے سنا تھا کہ اگر آدمی کی ایک جوتی

(۵) ابن ابی الحدید نے اسکافی کے رسالہ سے نقل کیا ہے۔ کہ ابوہریرہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے دین کو معاویہ نے دنیا کے عوض میں خرید لیا تھا تا کہ خدا کو گواہ بناتے ہوئے بنی امیہ کی فضیلت اور خاندانی عظمت میں حدیثیں اختراع کر کے بیان کرے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کا دختر ابوجہل کے خطبہ کرنے کی روایت کے اختراع و ایجاد کی ایک کڑی ہے الخ۔۔۔ (بئس ماالشترو ابه انفسهم لو كانو يعلمون) (۶) ابن حزم کی کتاب محلی مسئلہ خیار کی بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام الاحناف ابوحنیفہ بھی ابوہریرہ کی روایت سے احتراز کرتے تھے چنانچہ وہاں لکھا ہے کہ آپ نے ابوہریرہ کی ''حدیث مصراۃ'' کو مسترد کر دیا ہے۔

یہ ہیں حضرت ابوہریرہ کے اجمالی حالات وکوائف جن میں ارباب بصیرت کے لئے درس عبرت موجود ہے۔ لیکن ہائے افسوس ''ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار'' ''بہر حال عاقلاں را اشارتے کافیست'' اس سے زیادہ لکھنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ورنہ ''سخن بسیار است'' بہر کیف۔

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

(۷) بعد ازیں بعینہ ایسی ہی ایک روایت کتاب اللئالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ مولفہ علامہ جلال الدین سیوطی مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۹۴ سے نقل کی ہے۔ (الجواب بعون اللہ الوہاب) اگر ملا صاحب میں ذرہ بھر بھی شرم وحیا ہوتا تو ہرگز اس روایت سے استدلال نہ کرتے کیونکہ اس سے تمسک کرنا بچند وجوہ باطل ہے۔ جن کے متعلق ہرگز احتمال نہیں دیا جا سکتا کہ ملا صاحب پر مخفی رہی ہوں اولاً یہ کہ یہ بعینہ موطائے امام مالک والی روایت ہے۔ لہٰذا ایک مرتبہ اس کے موطا سے نقل کرنے کے بعد دوبارہ اس کے تکرار کی کیا ضرورت ہے؟ ثانیاً یہ روایت موطا میں مرسلاً مذکور ہے لیکن سیوطی نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ابن عبدالبر نے کتاب تمہید میں اسے سنداً ذکر کیا ہے اور اسکی سند میں کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ واقع ہے جسکی خود سیوطی

کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ "لا یصح کثیر کذاب" یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا راوی کثیر کذاب ہے۔ اس کے بعد علماء کے وہ اقوال نقل کئے ہیں جو۔ اوپر موطا مالک والی روایت کی تردید میں ذکر ہو چکے ہیں۔

(فصل دوم)

بنابر تعارض مشہور حدیث ثقلین کو اس روایت پر ترجیح دینے کا بیان

ملا صاحب کی پیش کردہ روایت کی حقیقت و کیفیت اور اصلیت سابق بیان نیر البرہان میں طشت از بام کردی گئی ہے۔ اور حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ یہ روایت اپنے داخلی وجوہ ضعف و اختلال کی وجہ سے اس قابل نہیں ہے کہ فی حد ذاتہ اس پر اعتماد کیا جاسکے چہ جائیکہ اس کو صحیح و متواتر اور مسلم بین الفریقین حدیث ثقلین کے مقابلہ میں بطور معارضہ پیش کیا جائے؟ بہر حال چونکہ ملا صاحب نے خوش فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان حدیثوں کے درمیان تعارض و تباین کا خیال کر کے اس روایت ضعیفہ کو اس روایت متواترہ پر مقدم کرنے کی حرکت شنیعہ و قبیحہ کی ہے۔ لہٰذا ہم بھی اس مرحلہ میں گفتگو کرنے پر مجبور ہیں۔ ورنہ باب اول میں حدیث ثقلین کا تواتر ثابت کردینا اس گورکھ دھندے میں داخل ہونے سے ہمیں بے نیاز کردیتا ہے۔ بہر کیف اب ہم ذیل میں اہلسنت کے اصول کی بنا پر ثابت کرتے ہیں کہ مشہور حدیث ثقلین ہی کو مقدم کرنا اور ترجیح دینا لازم ہے وذالک بوجوہ عدیدہ

(اولاً) اس لئے کہ باب اول میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ حدیث ثقلین بالفاظ کتاب و عترت نہایت مشہور بلکہ متواتر و متفق علیہ عند الفریقین ہے اور تمام مشاہیر اسلام و علمائے اعلام کی کتب معتبرہ میں باسانید صحاح و حسان مذکور و مسطور ہے بخلاف دوسری (کتاب و سنت والی) حدیث کے کہ وہ معدودے چند کتب میں ماثور و منقول ہے (اور قطع نظر مذکورہ بالا مناقشات کے جو اس کو بالکل ہی ناقابل اعتبار و اعتماد بنا دیتے ہیں) وہ حدودِ اخبار آحاد سے

ہر نہیں ہے اور ارباب دانش وبینش پر مخفی نہیں ہے کہ اخبار احاد کبھی اخبار متواترہ کا مقابلہ و
معارضہ نہیں کر سکتے اخبار احاد کو اخبار متواترہ کے مقابلہ میں پیش کرنا طریق عدل وسداد سے
خارج ہے۔ بلکہ غیر مشہور روایت حجت شرعیہ ہی جب ہوتی ہے کہ وہ روایت مشہور ومتواتر
کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ اصول شاشی ص ۸۴ طبع لکھنو میں لکھا ہے کہ "وجب عرض الخبر علی
الکتاب والسنه المشهورة" یعنی خبر واحد کا قرآن وسنت مشہورہ پر پیش کرنا ضروری ہے۔
اگر ان کے مطابق ہوئی تو فبہا ورنہ وہ ناقابل احتجاج واستدلال سمجھی جائے گی)۔ لہٰذا تعارض
کی بنا پر مشہور حدیث ثقلین اس حدیث کو درجہ حجیت واعتبار ہی سے ساقط کر دیتی ہے۔ چہ جائکہ
اس کو اس کے مقابلہ میں بطور معارضہ پیش کیا جائے (ان ھذا الا اختلاق) (ثانیاً) اہل سنت
کے اصول مقررہ میں سے ہے کہ اگر ایک روایت صحاح ستہ اور بالخصوص بخاری ومسلم میں ہو اور
دوسری روایت صحاح ستہ کے علاوہ کسی اور کتاب میں ہو اور ان کا باہمی تعارض ہو جائے تو تمام
علمائے اعلام اہلسنت کے نزدیک صحاح ستہ والی روایت کو مقدم سمجھا جاتا ہے اور باب اول میں
ثابت کیا جا چکا ہے کہ حدیث ثقلین بالفاظ کتاب وعترت صحیح مسلم ومشکوۃ وترمذی وغیرہ سینکڑوں
کتابوں میں موجود ہے۔ بخلاف دوسری حدیث کے کہ وہ معدودے چند اور وہ بھی صحاح ستہ
کے علاوہ دوسری کتب میں مذکور ہے لہٰذا اس مسلمہ قاعدہ کی بنا پر حدیث ثقلین کو جو کہ صحاح ستہ
میں (سوائے بخاری کے) مذکور ہے کو تقدیم وترجیح دی جائے گی۔ (ثالثاً) اس لئے کہ چونکہ
مذہب اہل بیت اطہار علیہم السلام کا مذہب بحکم نبی مختار سنت رسول وقرآن کے عین مطابق ہے۔
لہٰذا ان کے اتباع واقتداء سے قرآن وسنت صحیحہ کی اتباع ہو جاتی ہے کیونکہ ان مہابط وحی و
تنزیل اور معاون تفسیر وتاویل سے بڑھ کر کون شخص احکام قرآن وحدیث اور معالم دین مبین و
شرائع حضرت سید المرسلین کا واقف وعالم ہو سکتا ہے؟" اهل البیت ادری بما فی البیت"
اسی لئے تو کسی شاعر نے یہ اشعار آبدار عترت نبی مختار والا تبار میں نثار کئے ہیں۔

اذا شئت ان ترضی لنفسک مذهباً

ینجیک یوم البعث من لھب النار
فدع عنک قول الشافعی و مالک
واحمد والمروی عن کعب بن احبار
ووال اناساً قولھم و حدیثھم
روی جدّ ناعن جبریل عن الباری

بخلاف باقی راویان اخبار و مدعیان علم شریعت احمد مختار کہ ان کی روایت میں ہر قسم کا رطب یابس اور صحیح وسقیم پایا جاتا ہے۔ نیز راویوں میں ہر قسم کا کذب و مین وعیب وشین موجود ہے۔ ارے اہل بیت نبوت تو وہ محافظ قرآن وسنت ہیں کہ ان کے رئیس ورئیس سید الموحدین حضرت امیر المومنینؑ ہیں جنہوں نے خلافت ایسی عظیم المرتبت چیز کو ٹھکرا دیا تھا لیکن قرآن و سنت کے اتباع کے ساتھ سیرت شیخین کی پیروی کی شرط کو قبول نہیں فرمایا تھا اور جناب عثمان نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے یہ شرط بسر وچشم قبول کر کے جامۂ خلافت کو بزور وتکلف زیب تن کر لیا تھا اور خلیفہ بن بیٹھے تھے اسی طرح انکی اولاد طاہرین اور اخلاف طیبین نے ہمیشہ آپ کے اسوہ حسنہ پر عمل کیا اور جب بھی دیکھا کہ قرآن وحدیث خطرے میں ہیں تو انہوں نے انکی حفاظت وحراست کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی اور قرآن وسنت کے اردگرد اپنے کشتوں کے پشتوں سے ایسا حصن حصین ورزین بنادیا کہ اب قیامت تک بادسموم کے تندو تیز جھونکے اور کفر وشرک کی گھٹاٹوپ گھٹائیں ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتیں اس لئے بعض اہل دل کہہ گئے تھے۔

بہر حق در خاک و خون غلطیده است
پس بنائے لا الہ گردیده است
سرداد نہ داد دست در دست یزید

روحی و ارواح العالمین لہ الفداء

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

فصل سوم

ان دو حدیثوں کے درمیان تعارض نہ ہونے کے متعلق مؤلف کتاب کی تحقیق انیق:

مخفی نہ رہے کہ اب تک ہمارا طرز سخن ملا صاحب کے ساتھ مناظرانہ قواعد وضوابط کے مطابق تھا اور بحمدہٖ تعالی ہم نے ثابت کردیا کہ اگر (بنا بر زعم مخالف) ان دو روایتوں کے درمیان تعارض وتباین تسلیم کیا جائے تو قواعد وقوانین احادیث سید المرسلینؐ کی رو سے مشہور حدیث ثقلین کو ہی ترجیح دینا متحتم ولازم ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر قرآن وسنت کے الفاظ والی حدیث کے سندی مناقشہ سے قطع نظر کر کے بفرض محال اسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے۔ تو مفہوم ودلالت کے لحاظ سے اس کے اور مشہور ومتواتر حدیث ثقلین کے درمیان کسی قسم کا کوئی تعارض واختلاف نہیں ہے بلکہ یہ دو علیحدہ علیحدہ روایتیں ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں کا مطلب ومفہوم صحیح و درست ہے ان کے درمیان تعارض واختلاف کا گمان کرنا ہمارے ملا صاحب یا ان کے مثل دیگر حضرات کی خوش فہمی اور درحقیقت قواعد واصول حکمت سے جہالت فصحاء وبلغاء کے کلام میں تدبر نہ کرنے بلکہ روزمرہ کے محاورات عرفیہ سے بھی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ وذالک لوجوہ۔

اسلئے کہ یہ امر اپنے مقام پر محقق ومبرہن ہوچکا ہے کہ "اثبات شئی لا ینفی ماعداہ" یعنی کس ایک چیز کا اثبات کسی دوسری چیز کی نفی نہیں کرتا۔ (جب تک دوسری چیز اس کی ضد نہ ہو مثل سیاہی وسفیدی) مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ زید کھڑا ہے تو یہ کہنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ عمر کھڑا نہیں بلکہ ممکن ہے کہ وہ بھی کھڑا ہو۔ ہاں البتہ جب وہ دوسری چیز پہلی چیز کی

ضد ہو تو پھر البتہ ایک کا اثبات دوسری کی نفی کر دیتا ہے جیسے یہ کہا جائے کہ یہ کاغذ سفید ہے تو لامحالہ اس سے اس کے سیاہ ہونے کی نفی ہو جائے گی۔ ورنہ اجتماع ضدین لازم آئیگا جو محال و ممتنع ہے۔ چونکہ باب اول میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ نے مکرر حدیث ثقلین (قرآن وعترت) کا اعادہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر کسی وقت کتاب وسنت چھوڑ جانے کا تذکرہ فرمایا ہو تو کیا یہ کسی اور چیز کے چھوڑ جانے کی نفی کرتا ہے؟ کون دشمن عقل یہ خیال کرسکتا ہے۔ لہٰذا اگر اور مقامات پر یہ فرمایا ہو کہ ''میں کتاب وعترت چھوڑ کر جارہا ہوں الخ'' تو ہرگز ان دو جملوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی تعارض واختلاف نہ ہوگا۔ مگر تب جب کہ قرآن وسنت اور عترت رسول کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جائے تب ممکن ہے کہ ان کا اجتماع نہ ہو سکے لیکن معاذ اللہ کوئی شخص دائرہ اسلام میں رہ کر یہ توہم فاسد و کاسد کرسکتا ہے؟ اسی مطلب کو عام محاورات عرفیہ میں ملاحظہ فرمالیجئے۔ کہ اگر کوئی سفیر مملکت کہیں جاتے وقت ایک دفعہ اپنے متعلقین سے یہ کہہ دے کہ میں اپنے بعد حاکم کا مقرر کردہ دستور العمل (کتاب) اور اپنے اقوال وافعال (سنت) کو تم میں چھوڑے جاتا ہوں۔ اور اس کے علاوہ کئی دفعہ یہ فرمادے کہ میں اپنے بعد اپنے مولا و حاکم کا مقرر کردہ دستور العمل اور فلاں شخص کو مقرر کرکے جارہا ہوں تو آیا ان دو جملوں کے درمیان کوئی عقلمند کسی قسم کا تضاد واختلاف سمجھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر صاحب عقل وفہم یہی سمجھے گا کہ ان دو باتوں سے سفیر کا مقصد یہ ہے کہ اب میرے بعد میری کرسی سفارت پر یہی شخص متمکن ہوگا اور یہی دستور العمل کے قوانین کا اجراو نفاذ کرے گا اور جب تمہیں اس دستور العمل کے دفعات یا میر الائحہ عمل معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو اسی شخص کامل کی طرف رجوع کرنا خصوصاً جبکہ ان لوگوں میں اکثریت ایسے حضرات کی ہو جو اس دستور العمل اور سفیر کے لائحہ حیات سے ناواقف ہوں اور جو واقف ہیں وہ بھی کماحقہ نہ جانتے ہوں بخلاف ان کے مقرر کردہ شخص کے جو کماحقہ، ان تمام امور سے واقف و آگاہ ہے۔ غرضیکہ ہر صورت میں کوئی دشمن عقل و دانش یہ توہم فاسد کرسکتا ہے کہ اس سفیر کی ان دو باتوں کے درمیان تضاد پایا جاتا ہے؟ دستور العمل اور

سیرت کے اتباع والی فرمائش درست ہے یا دستور العمل اور اس شخص کامل کی اقتداء والی فہمائش صحیح ہے؟ بلکہ اس شکل میں ہر ذی عقل و ہوش آدمی یہی ان کے احکام و حدود کا بیان واجراء و نفاذ کرے گا۔ اگر تمہیں اس دستور العمل یا لائحہ زندگی کو معلوم کرنا ہو تو اسی شخص کی طرف رجوع کرنا وہی تمھارے لیے اسکی تشریح و تفسیر اور توضیح کرے گا۔ تم اسے اپنا حاکم و مقتدا سمجھنا اور اس سے علم و معرفت کا استفادہ کرنا اور اس کے تمام احکام کو نافذ اور ہر فیصلہ کو جاری وساری سمجھنا نہ یہ کہ اس کو محکوم کر کے خود حاکم بن بیٹھنا ورنہ اس میں تمھاری ہلاکت ابدی ہوگی۔ چہ جائیکہ جب وہ سفیر اعظم تصریح بھی کر دے کہ ''**ولا تعلمو هم فانهم اعلم منكم ولا تسبقو هم فتهلكو**'' یعنی میرے اس حاکم سے آگے نہ بڑھنا۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ (ثانیاً) اس لیے کہ یہ قاعدہ بھی اپنے مقام پر مبرہن ہو چکا ہے کہ **الجمع مهما امكن اولى من الطرح** یعنی جب ایک سے زیادہ احادیث بظاہر متعارض و مخالف ہوں تو ان کے درمیان تاحد امکان جمع و تالیف کر دینا اس سے بہتر ہے۔ کہ ان میں سے کسی حدیث کو رد کر دیا جائے۔'' لہٰذا اس قاعدہ کلیہ کی رو سے ہمیں چاہیئے کہ ان دونوں روایتوں کے درمیاں ایسی جمع و تالیف کر دیں جس سے ان دونوں کا صحیح صحیح مفہوم معلوم ہو جائے اور تعارض و تباین کا خیال فاسد و توہم کاسد مرتفع ہو جائے۔ ایسا کرنا یقیناً ملا صاحب کے رویہ و رفتار سے بنص علماء کبار احسن واولی ہوگا۔ یہاں بفضلہ تعالیٰ ان کے درمیان بہت احسن طریقہ پر جمع ممکن ہے۔ جس کی طرف فصل سابق میں بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یعنی آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ تمسک کرنے میں قرآن و حدیث کے ساتھ بھی لازماً تمسک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بقول مخبر صادقؑ ''**هم مع القرآن و القرآن معهم**'' ان کے درمیان کبھی جدائی متصور نہیں ہو سکتی (**انهما لن يفترقا الخ**) اور یہی مفسر قرآن و مبین سنت سید الانس والجان ہیں بھلا ان سے بڑھ کر کون شخص ان کے جد امجد کی شریعت مقدسہ کا عالم و واقف ہو سکتا ہے؟ ''**اهل البيت ادرى بما في البيت**'' جس طرح سنت نبوی قرآن سے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے بلکہ اس کی تفسیر و تبیین ہے۔ ''**بدليل ما ينطق عن**

الھوی ان ھو الا وحی یوحی و یعلمھم الکتاب والحکمہ'' اسی طرح فرامین آئمہ

دین بھی جادہ قرآن وطریقہ سنت رسول اسلامؐ سے سر مو منحرف نہیں ہیں بلکہ انہی کی تفسیر وتوضیح

وتشریح ہیں یہی وجہ ہے کہ جس طرح پیغمبر اسلام نے اپنے احادیث شریفہ کے صحت وسقم معلوم

کرنے کا میزان قرآن مجید کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے بعینہ اسی طرح آئمہ

ھدیٰؑ نے بھی اپنے احادیث کی صحت وسقم معلوم کرنے کا معیار ومیزان قرآن وسنت سید الانس

والجان ہی کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کو خود مضمون نگار نے بھی اپنے مضمون میں

نقل کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت صادقؑ کا ارشاد ہے کہ''کل شئی مزدود الی الکتاب

والسنۃ'' یا انہی کی دوسری فرمائش''ماورد علیکم فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما

وافق کتاب اللہ فخذوہ و ماخالف کتاب اللہ فاضربوہ علی الجدار'' (اصول

کافی) معلوم ہوا کہ احادیث نبویہ اور ارشادات علویہ ایک ہی مرکز ومحور کے گرد گھوم رہے ہیں

اور ان تمام کا مصدر اور ماخذ ومدرک ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے''کلام اللہ الذی لایاتیہ

الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من عزیز حکیم'' (ثالثاً) بعض علمائے

اہلسنت کے کلام سے بھی میرے اس نظریہ کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی کتاب

صواعق محرقہ ص ۱۴۸ طبع جدید پر مشہور حدیث غدیر کو چند طرق سے نقل کرنے کے بعد فرماتے

ہیں''وفی روایۃ کتاب اللہ و سنتی و ھی المراد من الاحادیث المقتصرۃ لانّ

السنۃ مبینۃ لہ فاغنی ذکرہ عن ذکرھا والحاصل ان الحث وقع علی التمسک

بالکتاب و بالسنۃ وبالعلماء بھما من اھل البیت و یستفاد من مجموع ذلک

بقاء الامور الثلاثۃ الی قیام الساعۃ'' یعنی صرف ایک روایت میں کتاب اللہ وسنتی وارد ہوا

ہے۔ اور یہی ان احادیث سے مراد ہے۔ جن میں فقط کتاب الٰہی پر اکتفاء کی گئی ہے۔ کیونکہ

سنت اس کی مبین ومفسر ہے لہٰذا کتاب کا ذکر کر دینا سنت کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ (ان تمام روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے) کہ تین چیزوں کے ساتھ تمسک

کرنے کی ترغیب وتحریص کی گئی ہے (۱) کتاب خدا (۲) سنت رسول و (۳) اہلبیت میں ان دونوں کے واقف کار علماء اور ان تمام سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان تینوں کا قیام قیامت تک باقی رہنا لازم ہے ابن حجر مکی کی تحقیق سے بھی واضح و لائح ہو گیا کہ مشہور حدیث ثقلین اور اس کتاب وسنت والی حدیث کے درمیان قطعاً کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے ساتھ تمسک کرنا لازم ہے اور یہ تمسک اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے ان کی تفسیر وتشریح اور اس کے مفہوم کو اخذ نہ کیا جائے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ ان تینوں کے ساتھ ہر مسلمان کیلئے تمسک کرنا واجب ولازم ہے جس طرح احادیث کا انکار کر کے فقط حسبنا کتاب اللہ کہنا۔ (جیسا کہ منکرین حدیث چکڑالویوں اور پرویزیوں کا خیال ہے) جہالت وضلالت ہے بالکل اسی طرح کتاب و سنت کو اخذ کر کے آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے اتباع واقتداء سے انکار کرنا بھی جہالت وضلالت ہے۔

﴿فصل چہارم﴾

مضمون نگار کے ابن تیمیہ حرانی کے کلام باطل التیام سے تائید حاصل کرنے اور اسکی تردید شدید کا بیان

جب ہمارے ملا صاحب بڑی جرات وجسارت کا مظاہرہ کر کے حدیث ثقلین ایسی صحیح ومتواتر اور متفق علیہ بین الفریقین حدیث کا انکار کر بیٹھے تو شاید اس خیال سے کہ لوگ ان کو اس عداوت وعناد با خاندان خیر العباد میں منفرد خیال کریں لہذا اس انفرادیت سے پیدا شدہ وحشت اور سراسیمگی کو دور کرنے کے لیئے انہوں نے اپنے اس زعم باطل کی تائید اپنے پیر ومرشد ابن تیمیہ حرانی آنجہانی کی کتاب منہاج السنۃ سے ان کا یہ کلام نقل کیا ہے "واما قولہ و عترتی اهلبیتی و انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فهذا رواه الترمذی و

قد سئل عنه احمد بن حنبل فضعفه، وضعّفه غير واحد من اهل العلم و قالو لا يصح'' یعنی آنحضرت کا ''و عترتی'' اهلبیتی و انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوص فرمانا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے لیکن جب امام احمد ابن حنبل سے سوال کیا گیا تو آپ نے اس فقرہ کی تضعیف کی ان کے علاوہ کچھ اور اہل علم نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔''

(الفاروق ص ۷ مجریہ ۱۵ جون ۱۹۵۸ھ)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار کے نام نہاد شیخ الاسلام ابن تیمہ حرانی کے مختصر حالات سے انہی کے علماء کرام کی زبانی معزز قارئین کرام کو روشناس کرا دیا جائے تاکہ اس سے ان کے کلام کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے۔ واضح ہو کہ ابن تیمیہ وہ شخص ہے کہ جس کی جہالت وضلالت اور کذب و افتراء پر مذاہب اربعہ کے تمام علماء اعلام نے اتفاق و اجماع کیا ہے

(۱) ابن حجر مکی اپنی کتاب فتاوی حدیثیہ ص ۸۶ طبع مصر پر ایک سوال کے جواب میں جو ان سے ابن تیمیہ کے بارے میں کیا گیا تھا رقمطراز ہیں:

''ابن تيمية عبد خذله الله و اعماه و اصمه و اضله و بذالک صرح الائمة الذين بينو افساد احواله و كذب اقواله و من اراد فعليه بمطالعة كلام الامام المجتهد المتفق على امامته و جلالته و بلوغه مرتبة الا جتهاد ابى الحسن السبكى و ولده التاج و الشيخ الامام العزا بن جماعته و اهل عصرهم وغيرهم من الشافعية والمالكية و الحنفية و لم يقوا عتراضه على متاخرى الصوفية بل اعترض على مثل ابن الخطاب وعلى ابن ابى طالب رضى الله عنه كما ياتى والحاصل ان لا يقام لكلامه وزن بل يرم فى كل وعرو حزن و يعتقد فيه انه مبتدع ضال مضل جاهل غال عامله الله بعدله الخ'' یعنی ابن تیمیہ ایک ایسا

مطلب کی تمام علمائے دین نے تصریح کی ہے۔ جنہوں نے اس کا فساد احوال اور کذب اقوال بیان کیا ہے۔ جو ان امور پر اطلاع حاصل کرنا چاہیے تو اسے امام و مجتہد ابوالحسن سبکی جس کی امامت و جلالت قدر اور مرتبہ اجتہاد پر فائز ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اور ان کے بیٹے تاج الدین سبکی اور شیخ امام عز ابن جماعۃ اور ان کے علمائے عصر وغیرہ علمائے شافعیہ و مالکیہ اور حنفیہ کے کلام کا مطالعہ کرے۔ ابن تیمیہ کا ایراد و اعتراض فقط متاخرین صوفیہ پر منحصر نہیں بلکہ اس نے تو عمر ابن الخطاب اور علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایسے بزرگوں پر بھی زبان اعتراض دراز کی ہے جیسا کہ اس کا بیان آئیگا۔ (جسے شک ہو وہ اس کی کتاب منہاج السنۃ کی طرف رجوع کرے)

خلاصہ یہ کہ اس کے کلام کی کوئی قدر و قیمت نہ سمجھی جائے بلکہ اس کو درشت و سخت زمین پر پھینک دیا جائے۔ اور خود اس کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ ایک بدعتی اور گمراہ و گمراہ کنندہ اور جاہل حد سے تجاوز کرنے والا آدمی ہے 'عاملہ اللہ بعدلہ' چند سطور کے بعد ابن حجر نے اس کے ان عقائد باطلہ کا ایک شمہ پیش کیا ہے۔ جن میں اس نے تمام علمائے اسلام کے اجماع کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ اس کے عقائد و نظریات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ''ان اللہ محل الحوادث و انہ مرکب تفتقر ذاتہ افتقار الکل اللاجراء و ان العالم قدیم بالنوع الخ و قولا بالجسمیۃ و الجھت والانتقال و انہ بقدر العرش لا اصغر و لا اکبر و ان الانبیاء غیر معصومین و ان رسول اللہ لا جاہ لہٗ ولا یتوسل بہ او انشا السفر الیہ بسبب زیارتہ معصیتہٗ لا تقصر الصلوۃ فیہ'' یعنی خداوند عالم محل حوادث ہے اور وہ مرکب ہے اس کی ذات اس طرح محتاج ہے جس طرح کل اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور یہ کہ عالم قدیم بالنوع ہے اور یہ کہ خداوند عالم جسم رکھتا ہے۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے اور یہ کہ خداوند عالم کا قد و قامت بقدر عرش ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا۔ (یہ تو اس کی توحید تھی اب شان رسالت میں گستاخیاں ملاحظہ ہوں کہتا ہے) کہ انبیاء علیہم السلام غیر معصوم ہوتے ہیں۔ اور رسول کا (خداوند عالم کے نزدیک)

کوئی جاہ و مرتبہ نہیں ہے۔ اس لیے ان سے توسل کرنا صحیح نہیں۔ اور ان کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا وہ سفر معصیت ہے، جس میں نماز قصر نہیں ہوتی۔ الخ۔۔ اب ان کی فقہ کی بہار کا ایک ادنی نمونہ ملاحظہ ہوسکتا ہے۔ کہ ''الصلوۃ اذا ترکت عمدا لا یجب قضاء ھا وان الجنب یصلی تطوعہ بلیل ولا یوخرہ الی ان یغتسل الخ''۔۔ جب نماز عمداً ترک کردی جائے تو اس کی قضاء واجب نہیں ہے۔ اور آدمی حالت جنابت میں رات کو نوافل شب پڑھ سکتا ہے۔ اور ضروری نہیں کہ غسل کرنے تک تاخیر کرے۔ (فتاوی حدیثیہ ص ۸۶، ۸۷)

(۲) سرور عزیزی ترجمہ فتاوی عزیزی ج ۲ ص ۱۸۷ پر ابن تیمیہ پر جرح وقدح کرتے ہوئے لکھا ہے ''اور بہت زیادہ کوفت ہوتی ہے کہ اس نے اہل بیت کے حق میں تفریط کی ہے'' آخر میں نتیجہ کلام تحریر فرماتے ہیں ''اور علمائے اہل سنت کے نزدیک اس کا کلام باطل ہے'' (۳) تحفہ الطلبہ مولفہ مولانا مولوی عبدالحی لکھنوی اور حل المعاقد مولانا مولوی عبدالحکیم لکھنوی نے اس کو مشددین میں سے یعنی احادیث صحیحہ وحسنہ کو موضوع ومکذوب کہنے میں تشدد کرنے والوں کی قطار میں شمار کیا ہے۔ یہ ابن تیمیہ کے حالات وکوائف کی حقیقت اور اس کے اقوال وآراء کی علمائے دین کے نزدیک وقعت جو ناظرین پر آشکارا کردی گئی ہے سچ ہے کہ

؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ نیکاں زند

۱؎ جو شخص مزید برآں ابن تیمیہ کے حال خسران مآل پر اطلاع حاصل کرنا چاہے اور اس کے خارق اجماع ومخالف دین ہدی عقائد وفتاوی کفر اور علمائے اعلام کے آراء اس کے متعلق معلوم کرنا چاہے تو مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کرے۔ جو بالخصوص علمائے اعلام نے اس کی تردید میں لکھی ہیں۔ ۱۔ شفاء الاسقام فی زیارۃ خیر الانام ۲۔ الدرۃ المضیۃ فی رد ابن تیمیہ ہر دو تالیف علامہ تاج الدین سبکی جن کی طرف ابن حجر مکی نے اپنے کلام میں اشارہ کیا ہے۔ ۳۔ مقالہ مرضیہ تالیف قاضی القضاۃ المالکیہ تقی الدین ۴۔ نجم المہتدی تالیف فخر ابن معلم القرشی ۵۔ التحفۃ المختارۃ تالیف تاج الدین فاقہانی وغیرہ وغیرہ بعض دیگر علماء نے اپنی تالیفات قیمہ میں ضمنی طور پر کافی جرح وقدح کی ہے جیسے مواہب لدنیہ قسطلانی وصواعق الالٰھیۃ فی الرد علی الوہابیہ تالیف سلیمان بن عبدالوہاب وغیر ذالک اور اردو دان

کس قدر مقامِ تاسف ہے کہ جس شخص کو تمام علماء بالاتفاق ضال و مضل اور جاہل مبتدع قرار دے کر اس کے کلام کو باطل، بے قدر و قیمت سمجھیں اور جس کا وطیرہ ہی اجماع مسلمین کی مخالفت ہو اور جسکے سنان قلم سے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب اور جناب عمر ابن خطاب جیسی شخصیتیں محفوظ نہ ہو سکی ہوں۔ اور جس کا تعصب و عناد خود اس کے اقوال و اعتقادات سے طشت از بام ہو آج ایسے انسان کو ''شیخ الاسلام کے جلیل القدر لقب سے ملقب کر کے اس کے کلام سے اپنے مزخرفات کی تائید و تقویت کی جا رہی ہے۔

اہل انصاف بتلائیں کہ ایسے ذلیل شخص کو جس کا وجود ردائے اسلام پر بدنما داغ ہو ''علامہ'' اور شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کر کے اس کے ہفوات سے اپنے مزخرفات میں اضافہ کرنے والے شخص کی بے حیائی و بے دینی اور جہالت و ضلالت کی غمازی نہیں کرتا؟ جب ابن تیمیہ ایسے ننگ اسلام اشخاص شیخ الاسلام بننے لگیں تو

فعلے الاسلام السلام۔

لیکن مضمون نگار کسی حد تک اس سلسلہ میں معذور ہیں۔ کیونکہ ارباب عقل و دانش کا قول ہے کہ الجنس مع الجنس یمیل.

یعنی کبوتر با کبوتر باز با باز

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

آہ اسلام تیری قسمت!

ع فلیبک علی الاسلام من کان باکیاً

بہر حال یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ جو منقار قلم نے صفحہ قرطاس پر نقش کر دیا اس سے کچھ سروکار نہیں کہ اس قول کا کہنے والا کون ہے۔ ہم تو بحمد اللہ تعالیٰ اس مذہب حق سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو حضرت امیر علیہ السلام کے تعلیم کردہ زریں اصول کے مطابق ''من قال'' پر نگاہ نہیں کرتا بلکہ ''ما قال'' پر نگاہ کرتا ہے۔ لہذا آئیے ان کے کلام کا موازن عقلیہ و نقلیہ کے

مطابق جائزہ لیں۔ پس اگر وہ صحیح ہو تو اس کے قبول کرنے میں دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر باطل ثابت ہو تو اسے اکاذیب کی پوٹلی میں بند کر کے مزخرفات کی ردی ٹوکری میں پھینک دینا چاہیئے۔ بنابریں ہم ابن تیمیہ اور اسکے ہمنواؤں سے یہ دریافت کرتے ہیں۔ کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا اور انہوں نے اس کی تضعیف کی؟ حالانکہ امام موصوف نے اپنی مشہور کتاب مسند میں طرق متعددہ و اسانید معتبرہ کے ساتھ صرف ایک جگہ نہیں بلکہ آٹھ مقامات پر اس حدیث شریف کو درج فرمایا ہے۔ زید ابن ارقم سے بدو طریق زید ابن ثابت سے بدو طریق، ابی سعید خدری سے بچہار طریق اور کتب حدیث میں جو عظمت کتاب مسند امام احمد کو علمائے اسلام کی نگاہوں میں حاصل ہے۔ وہ اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو اس امت کے اصول معتبرہ میں سے اصل اصیل قرار دیا ہے۔ چنانچہ تاج الدین سبکی طبقات شافعیہ ج اص ۲۰۱ طبع مصر میں بذیل ترجمہ احمد لکھتے ہیں۔ ''میں کہتا ہوں کہ امام احمد نے اپنی مسند تالیف کی ہے جو اس امت مرحومہ کے اصول و مراجع میں سے ایک اصل و مرجع ہے'' اس کے بعد متعدد علماء کے اس قسم کے تصریحات نقل کیے ہیں۔ کہ انہوں نے اختلاف احادیث کے وقت اس کتاب کو اصل و مرجع قرار دیا ہے۔ اور ان سب کے آخر میں باسناد صحیح خود امام احمد کا قول نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی اس تالیف منیف کے متعلق فرمایا ''قد جمعته والتقبيته من اكثر من سبع ماته و خمسين الفاً فما اختلف فيه المسلمون من حديث رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارجعو ا اليه فان كان فيه والا فليس بحجة'' یعنی میں نے اس کتاب کو ساڑھے سات لاکھ پچاس ہزار احادیث میں پھانٹ کانٹ کر کے اسے مرتب کیا ہے پس جب مسلمان کسی حدیث نبوی کے متعلق اختلاف کریں۔ تو تم اس کتاب کی طرف رجوع کرنا اگر اس میں موجود ہو تو فبہا ورنہ وہ قابل حجت نہ ہوگی۔ (طبقات الشافعیہ ج اص ۲۰۲) پس ان حقائق و دقائق کے پیش نظر معلوم ہو گیا۔ کہ جناب امام صاحب نے جو احادیث اس کتاب میں ثبت و ضبط فرمائے ہیں۔ وہ ان کے نزدیک

صحیح ہیں۔ بلکہ بہ حسب شہادات علمائے اعلام ان کی یہ کتاب احادیث سید الانام میں اختلاف کے وقت صحیح وسقیم روایات معلوم کرنے کا معیار ومیزان ہے لہٰذا اگر یہ حدیث ان کے نزدیک غیر صحیح ہوتی تو اولاً ان کے لئے لازم تھا کہ وہ اپنی اس معتبر کتاب میں اسے نقل ہی نہ کرتے۔ (ثانیاً) اگر نقل کرتے بھی تو ضروری تھا کہ اس کے ساتھ اس کا ضعیف ہونا بھی بیان کردیتے تا کہ ناظرین کتاب دھوکے کا شکار نہ ہوں۔ آخر یہ کیا الٹی منطق ہے۔ کہ اپنی اس جلیل القدر کتاب میں ایک جگہ نہیں بلکہ آٹھ مقامات اور وہ بھی بیک سند نہیں بلکہ متعدد اسناد معتبرہ سے اسے نقل کرتے ہیں۔ لیکن بن تیمیہ کے خیال وفرضی سائل کے جواب میں اس کے ضعف کا حکم صادر فرماتے ہیں ان ھذا الا اختلاق اے کاش کہ ابن تیمیہ اس سائل کا نام ونشان اور اس کے سوال وجواب کا مدرک وماخذ بتادیتے۔ لیکن وہ کیا خاک بتلائیں گے جبکہ اس سوال وجواب کا وجود سوائے ان کی قوت متخیلہ کے منصۂ شہود پر ہے ہی نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کی افتراء پردازی وبہتان تراشی ہے۔ جو انہوں نے امام احمد بن حنبل کے سر تھوپی ہے۔ (وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون) تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ خود حنبلی العقیدہ ہیں۔ لیکن اپنے امام کی کتاب سے جہالت یا تجاھل اور اپنے امام کے احترام واکرام کی کیفیت وہ ہے۔ جو ابھی اوپر بیان ہوئی ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ واضح ہوگیا کہ جناب امام صاحب کا دین اور انکی دیانت ایسے فعل قبیح وعمل شنیع سے منزہ ومبرا ہے۔

انکشاف حقیقت

مخفی نہ رہے کہ اب تک جو ہم نے ابن تیمیہ کو حدیث ثقلین کی صحت کا منکر سمجھ کر ان کے کلام پر جو نقض وابرام کیا ہے۔ وہ ملا صاحب کے کتر وبیونت کر کے ان کے ادھورے کلام کو نقل کرنے کی وجہ سے تھا لیکن جب ہم نے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا اور ابن تیمیہ کے تمام کلام میں غور وتامل کیا تو حقیقت اس کے کچھ خلاف معلوم ہوئی دراصل ابن تیمیہ حدیث

ثقلین میں قرآن وعترت کے الفاظ کے منکر نہیں ہیں۔ ہاں البتہ وہ لفظ ''کتاب اللہ'' کے بعد ''متصلاً و عترتی اھلبیتی و انھما لن یفترقا فالخ'' والی عبارت کا دبے لفظوں میں انکار کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے اسکی نسبت فقط ترمذی کی طرف دی ہے۔ اور پھر اس کی تضعیف کو امام احمد بن حنبل اور عدم صحت کو بعض اہل علم کی طرف منسوب کر کے خود سکوت اختیار کیا ہے جس سے ان کا اپنا میلان بھی عدم صحت کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ اس امر کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ابن تیمیہ نے کتاب منہاج السنتہ بزعمِ خود علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ کی کتاب منہاج الکرامتہ کی تردید میں لکھی ہے۔ لہٰذا علامہ حلی کی امامت آئمہ اطہار علیہم السلام پر اس حدیث ثقلین کے ساتھ تمسک کرنے پر مناقشہ کرتے ہوئے ص۴ طبع مصر پر رقمطراز ہیں۔ ''قال الرافضی العاشر ما رواہ الجمھور من قول النبیؐ انی تارک فیکم الثقلین الخ'' (یہاں حدیث ثقلین بالفاظ مشہور نقل کرنے کے بعد لکھا ہے)

والجواب من وجوہ احدھا ان لفظ الحدیث الذی فی صحیح مسلم عن زید ابن ارقم قال قام فینا رسول اللہ خطیباً حمد اللہ و اثنی علیہ و قال اما بعد ایھا الناس انما انابشر مثلکم یوشک ان یاتینی رسول ربی فاجبتہ، وانی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ فیہ الھدیٰ و اھلبیتی اذکر کم اللہ عزوجل فی اھل بیتی ثلث مرات الخ... و ھذا الفظ یدلّ علی ان الذی امر بالتمسک بہ وجعل المتسک بہ ھو کتاب اللہ الخ) (یہاں صحیح مسلم سے اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے) واما قولہ و عترتی اھلبیتی و انھما لن یتفرقاحتی یرد اعلی الحوض فھذارواہ الترمذی الخ جو اس کے بعد ''الوجہ الثانی ان النبیؐ قال انھا و الکتاب لن یفترقاحتی یرد اعلی الحوض وھو صادق مصدق فیدل علی ان اجماع العترۃ الخ (الی ان قال) لکن العترۃ بنو ھاشم الخ.. (الی ان قال) و علی و حدہ لیس ''ھو العترۃ الخ'' اس کے بعد ایسا ہی جواب اپنے علماء سے نقل کیا ہے۔ جنہوں

نے اجماع اہل بیت کے صحیح ہونے کا اقرار کیا ہے (ج ۴ صہ ۱۰۵ منہاج السنتہ) یعنی رافضی (علامہ حلی) کہتا ہے کہ جمہور نے آنحضرت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "انی تارک فیکم الثقلین الخ" اس کا جواب بچند وجوہ دیا جاتا ہے۔

(وجہ اول)

یہ کہ اس حدیث کے وہ الفاظ جو صحیح مسلم[1] میں بروایت زید ابن ارقم مذکور ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ زید کہتے ہیں کہ ایک دن حضرتؐ ہم میں خطبہ پڑھنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ خداوند عالم کی حمد وثناء کرنے کے بعد فرمایا۔ "ایھا الناس" سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں تمھاری طرح ایک بشر ہوں۔ قریب ہے کہ میرے پاس میرے پروردگار کا فرستادہ (ملک الموت) آجائے اور میں اسے لبیک کہہ دوں۔ لہٰذا میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ ہے کہ جس میں ہدایت ونور ہے۔ پس تم کتاب اللہ کے ساتھ تمسک کرنا اور اس کو اخذ کرنا آنحضرتؐ نے اس کے متعلق بہت ہی ترغیب وتحریص فرمائی۔ پھر فرمایا اور دوسری گرانقدر چیز میرے اہلبیت ہیں۔ میں تمھیں اپنے اہلبیت کے متعلق خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ اس جملہ کی تین مرتبہ تکرار فرمائی یہ الفاظ حدیث دلالت کرتے ہیں کہ وہ چیز جس کے ساتھ تمسک کرنے کا آنحضرتؐ نے حکم دیا ہے۔ اور جس سے متمسک کو گمراہ نہ ہونے والا قرار دیا گیا ہے۔ وہ کتاب خدا ہے الخ (اس کے بعد کہتا ہے) آنحضرتؐ کا یہ ارشاد عترتی اہلبیتی انہما لن یتفرقا الخ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ لیکن امام احمد اس کے بعد وہی عبارت نقل کرتے ہیں جسے ہم نے نقل کیا ہے)

---

[1] باقی رہا یہ امر کہ مسلم نے اس حدیث شریف کو بالفاظ مشہور ومعروف کیوں ثبت وضبط نہیں کیا؟ تو یہ ایک ایسا سوال ہے۔ کہ جس کے جواب دینے میں بعض حضرات کے شیشہ قلب کو ٹھیس لگنے کا خوف ہے۔ "لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدء لکم تسؤکم" کیونکہ زید بن ارقم اور جابر والی روایت صحیح ترمذی کے علاوہ صدہا کتب میں انہی الفاظ مشہورہ کے ساتھ مذکور ومسطور ہے۔ پھر کیا وجہ

(وجہ دوم)

یہ جواب علامہ کی نقل کردہ روایت کو من وعن تسلیم کرنے پر مبنی ہے۔ آنحضرت نے اپنی عترت کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ اور کتاب خدا ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر آپ کے پاس وارد ہوں۔ چونکہ آنحضرتؐ صادق و مصدوق ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی عترت کا اجماع حجت ہے الخ۔ صرف علی علیہ السلام عترت رسول نہیں ہیں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ابن تیمیہ نے جواب میں یہ نہیں کیا کہ "ہذا حدیث موضوع مکذوب" وغیرہ جیسا کہ ان کا وتیرہ ہے کہ جب بعض احادیث صحیحہ کے ساتھ بھی علامہ حلی تمسک کرتے ہیں تو یہ صاحب بلا تامل جواب میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہذا حدیث موضوع لا اصل لہ وغیرہ (جیسا کہ منہاج السنۃ کے ناظرین پر مخفی نہیں ہے) لیکن یہاں اسلوب جواب بدلا ہوا ہے ابتداء ہی میں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا جواب بچند وجوہ دیا جاتا ہے۔ وجہ اول میں صحیح مسلم سے حدیث ثقلین کو نقل کیا ہے جس میں کتاب وعترت کے الفاظ موجود ہیں۔

صحیح مسلم میں اس کی روایت کا اسلوب بدلا ہوا نظر آتا ہے؟ بس مختصر لفظوں میں صرف اتنا عرض ہے کہ بخاری نے چونکہ اس حدیث کو بالکل نقل ہی نہیں کیا۔ اس لئے وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری قرار پائی اور بخاری امام المحدثین قرار پائے۔ اور مسلم نے گو مشہور معروف الفاظ کے ساتھ نہیں تاہم اسے اپنی کتاب میں درج تو کر دیا اس لئے انکی کتاب کو بخاری کے بعد دوسرے درجہ پر سمجھا گیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو انکو اور انکی کتاب کو یہ مقام و مرتبہ کس طرح حاصل ہو سکتا تھا الغرض یہاں مقبولیت کا میزان عداوت اہل بیت ہے یعنی جو شخص جتنا بڑا دشمن اہلبیت ہے وہ اتنا بڑا مقبول ہے اور جو جتنا۔۔۔۔

اند کے غم دل باتو گفتم و بدل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(منہ عفی عنہ)

(اگر چہ بترتیب مشہور نہیں) اور اس کی صحت میں کسی قسم کا مناقشہ نہیں کیا۔ ہاں البتہ اس کے مفہوم ومعنی کے لحاظ سے علامہ کے استدلال کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ (اس پر ہم عنقریب تبصرہ کریں گے انشاء) وہ عربی زبان سے مانوس ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت کے اس ارشاد "وعترتی اھل بیتی الخ" کا کتاب اللہ کے بعد بلا فاصلہ واقع ہونا ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی امامت پر نص صریح ہے لہٰذا اس کی تضعیف کی سعی کرتے ہوئے چلے تو اس کی نقل کو فقط ترمذی کی جانب نسبت دے دی پھر امام احمد بن حنبل وغیرہ کی طرف اس تضعیف کو منسوب کر دیا امر دوئم کے متعلق ہم سابقا تبصرہ کر چکے ہیں اور امر اول کا عنقریب جائزہ لیں گے۔

وجہ دوم میں اجماع اہلبیت کے حجت ہونے کا اقرار کیا لیکن مناقشہ اس امر میں کیا کہ عترت رسول سے مراد تمام بنی ہاشم ہیں۔ نہ فقط حضرت علی علیہ السلام (اس پر بھی ہم عنقریب قول آئندہ میں مکمل تبصرہ کریں گے انش) ان حقائق کی بناء پر معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کو حدیث ثقلین کا منکر قرار نہیں دیا جا سکتا ان کو صرف الفاظ حدیث "کتاب اللہ وعترتی" کی ترتیب سے اختلاف ہے یعنی وہ کتاب اللہ کے بعد بلا فاصلہ وعترتی اہلبیتی کے ورود کے قائل نہیں۔ ورنہ وہ اصل حدیث میں ان لفظوں کے وارد ہونے کے منکر بھی نہیں ہیں نیز اس انکشاف حقیقت سے ایک اور حقیقت کا انکشاف بھی ہو گیا اور وہ یہ کہ ادارہ "الفاروق" کے ارکان نصب وعداوت و خارجیت میں ابن تیمیہ سے بھی گوئے سبقت لے گئے ہیں کیونکہ ابن تیمیہ نے باہمہ نصب و عداوت نہ اصل حدیث ثقلین کا انکار کیا اور نہ ہی اجماع عترت میں خدشہ کیا ہے لیکن یہ حضرات اصل حدیث ثقلین کا انکار کر رہے ہیں۔ وہاں اجماع اہل بیت کو بھی ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں (ملاحظہ ہو الفاروق مجریہ ۱۵ اگست ۶۸ھ ص ۱۸) "انا للہ وانا الیہ راجعون" اب ہم

ابن تیمیہ کے اس تتمہ حدیث کے انکار کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ یہ پہلو بحث بھی تشنہ تکمیل نہ رہ جائے واضح ہو کہ ابن تیمیہ کا اس تتمہ کو فقط ترمذی کی طرف نسبت دینا ان کی تدلیس وتلبیس کی بین دلیل ہے ورنہ جو تتمہ تمام کتب مسانید و معاجم اور تمام کتب احادیث وتفاسیر اہل اسلام میں موجود ہو اس کا ماخذ و مدرک فقط ترمذی کو بتلانا درحقیقت اپنے دین ودیانت کو طشت از بام کرنا ہے۔ ”اعاذ نا الله من طغيان القلم و اتباع النفس فانه يسد عن قبول الحق و ان كان فى ظهوره بمنزلة الشمس“

اگر چہ باب اول میں اس حدیث کے بعض مدارک ومصادر کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے تاہم یہاں ان بعض کتب معتبرہ کے نام لکھے جاتے ہیں جن میں بالخصوص یہ تتمہ مذکور ہے تا کہ ابن تیمیہ کے دجل وفریب کا پردہ بالکل چاک ہو جائے۔

واضح ہو کہ حدیث ثقلین کا یہ تتمہ ترمذی کے علاوہ سینکڑوں کتابوں میں حدیث ثقلین کے ساتھ موجود ہے لیکن یہاں نہایت اختصار کے ساتھ چند کتب معتبرہ کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ (۱)۔ مستدرک حاکم (۲) مسند ابو عوانہ (۳) مسند احمد بن حنبل (۴) نوادر الوصول حکیم ترمذی (۵) مسند بزاز (۶) سنن نسائی (۷) تفسیر ابن جریر طبری (۸) مصابح السنہ بغوی (۹) معجم طبرانی (۱۰) تفسیر ثعلبی (۱۱) حلیۃ الاولیا ابونعیم اصفہانی (۱۲) سنن بیہقی (۱۳) عقد الفرید ابن عبدربہ قرطبی الاندلسی (۱۴) مناقب ابن مغازلی (۱۵) مناقب خوارزمی (۱۶) فردوس الاخبار دیلمی (۱۷) تاریخ ابن عساکر دمشقی (۱۸) کتاب المختارۃ ضیاء الدین مقدسی (۱۹) تذکرۃ خواص الامہ سبط ابن جوزی (۲۰) صواعق محرقہ ابن حجر مکی (۲۱) ذخائر العقبی محب الدین طبری (۲۲) فرائد السمطین حموینی وغیر ذالک۔ اس بیان نیر البرہان سے قارئین کرام پر ابن تیمیہ کی فریب دہی واضح وآشکار ہو گئی“ والحمد لله على وضوع الحجة

ابن تیمیہ کی ایک اور خیانت مجرمانہ

اس تتمہ کی تضعیف کو امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب کرنے کے بعد لکھا ہے کہ
"وضعفه غير واحد من اهل العلم و قالو الايصح" جس کا ترجمہ ہمارے ملا صاحب
نے یہ کیا ہے "اور اس کے ساتھ دوسرے اہل علم نے بھی اس فقرہ کی کمزوری بیان کی ہے اور کہا
ہے کہ یہ فقرہ صحیح نہیں ہے۔" لیکن اس کے بعد نام کسی ایک اہل علم کا بھی ذکر نہیں کیا اور یہی وجہ
ہے کہ ہمارے ملا صاحب نے بھی اس مقام پر سکوت اختیار فرمایا۔ ورنہ اس کے کوئی معنی نہیں
کہ ان "لایصح" کہنے والے اہل علم کے نام انہیں معلوم ہوں اور پھر "الفاروق" کے صفحات کی
زینت اور ان کے مضمون کی رونق نہ بنیں۔ اگر مضمون لکھتے وقت ملا صاحب نے کچھ تتبع وتفحص
کیا ہوتا تو شاید کسی صاحب کا نام مل جاتا لیکن ان کا مطالعہ ساطعہ بھی تو فقط عبدالعزیز دہلوی کی
تحفہ اثناعشریہ اور ابن تیمیہ کی منہاج السنہ اور ابن حجر کی صواعق محرقہ تک محدود معلوم ہوتا ہے۔
وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ محض اپنی دکان چمکانے اور کساد بازاری کو دور کرنے اور اپنے
خرفات کو رواج دینے کے لئے انہی کتب سے فرسودہ اور بیسیوں مرتبہ کے مردودہ دلائل و
مسائل کو لکھے جاتے ہیں اور گویا ان کی زبان حال یہ پکار کر کہہ رہی ہے کہ

آنچہ استاذ ازل گفت ہماں می گویم

ان کی بلا جانے کی کوئی ناقد بصیر ان کی ابلہ فریبیوں کا پردہ چاک کر کے حقائق واقعیہ
ارباب دانش وبینش کے سامنے پیش کردے گا اور انہیں خفت وسبکی اٹھانا پڑے گی۔ مگر ان کی
کے یہاں تو اصول ہی یہ ہے کہ

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

نکہ ع بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟

فصل پنجم

ابن جوزی کے کلام باطل التیام پر نقص وابرام کا بیان

ہمیں بہت زیادہ تتبع وتلاش کے بعد مولوی اللہ یار صاحب اور ان کے پیشوا ابن تیمیہ حرانی کے ایک اور پیرومرشد کا نام نامی اس سلسلہ میں دستیاب ہوا ہے اور وہ ہیں جناب ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی انہوں نے اپنی کتاب علل متناہیہ میں ایک عجیب وغریب سند کے ساتھ اس حدیث کو ابی سعید خدری سے نقل کرنے کے بعد "لا یصح" کے ساتھ اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے۔ وہ اس حدیث کے متعلق رقمطراز ہیں

"حدیث فی الوصیة العترة انبانا عبدالوهاب الانماطی قال اخبرنا محمد بن المظفر قال اخبر او حدثنا احمد بن محمد العقیقی قال حدثنا یوسف بن الدخیل قال حدثنا ابو جعفر العقیقی قال نا احمد بن یحی الحلوانی قال نا عبدالله بن داهر قال نا عبدالله بن عبدالقدوس عن الاعمش عن عطیه عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی اهل بیتی و انهما لن یفترقا جمعیا حتی یردا علی الحوض فانظرو کیف تخلفونی فیهما قال المصنف هذا حدیث لا یصح اما عطیته فقد ضعفه احمد و یحی وغیر هما فقال هی لیس بشئی رافضی خبیث و اما عبدالله بن داهر فقال احمد ویحی لیس بشئی ما یکتب منه انسان فیه خیر" انتهی

(الجواب وبہ الاستعانۃ فی دمہ کل مبطل مرتاب)

مخفی نہ رہے کہ ابن جوزی کی یہ تشکیکات فاسدہ وتلبیسات کاسدہ بچند وجوہ مردود و مطرود ہیں اور اس کا اس حدیث شریف کی صحت سے انکار بوجوہ عدیدہ باطل ہے اولا اس لئے کہ یہ سلسلہ سند بایں کیفیت جو ابن جوزی نے ذکر کیا ہے۔ یہ ابن جوزی کی قوت متخیلہ کی پرواز

کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے یہ اسناد کسی اور کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اس حقیقت کو انہی ابن جوزی کے نواسے سبط ابن جوزی کی زبانی سماعت فرمائیں اور ان کی اپنے نانا جان پر تنقید ملاحظہ کر کے کیف وسرور حاصل کریں۔ چنانچہ یہ بزرگوار اپنی کتاب تذکرہ خواص الامۃ ص ۳۱۲ طبع نجف پر حدیث ثقلین کی صحت بیان کرنیکے بعد یوں رقمطراز ہیں۔ ''قیل فقد قال جدک فی کتاب الواھیہ الخ'' (یہاں ابن جوزی کا مذکورہ بالا کلام نقل کیا ہے) ''قلت الحدیث الذی رویناہ اخرجہ احمد فی الفضائل و لیس فی اسنادہ احد ممن ضعفہ جدی و قد اخرجہ ابو داؤد فی سننہ والترمذی ایضاً عامۃ المحدثین و ذکرہ رزین فی الجمع بین الصحاح والعجب کیف خفی علی جدی ماروا مسلم فی صحیحہ من حدیث ابن ارقم الخ''

(یہاں پھر مسلم والی حدیث ثقلین بروایت زید ابن ارقم نقل کی ہے) یعنی ''اگر میرے اوپر یہ اشکال کیا جائے کہ تم کس طرح حدیث ثقلین کو صحیح کہتے ہو حالانکہ تمہارے نانا جان (ابن جوزی) نے اپنی کتاب علل متناہیہ میں اس حدیث کی تضعیف کی ہے تو میں یہ جواب دوں گا کہ جس حدیث کو ہم نے روایت کیا ہے اس کو امام احمد نے کتاب فضائل میں نقل کیا ہے اور اس کے سلسلہ سند میں ان راویوں میں سے کوئی بھی مذکور نہیں ہے جن کو میرے جد نے ضعیف قرار دیا ہے۔ نیز اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے اپنے اپنے سنن میں اور عام محدثین نے اپنی اپنی کتب میں اور رزین نے کتاب جمع بین الصحاح میں ذکر کیا ہے۔ (اور ان کتب میں بھی کسی کتاب میں یہ مخصوص سلسلہ سند موجود نہیں) تعجب ہے کہ میرے جد (ابن جوزی) سے صحیح مسلم والی روایت کیسے مخفی رہی جو زید ابن ارقم سے مروی ہے الخ۔ معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ سند خود ابن جوزی یا ان کے کسی ضال ہم خیال کے دست وضع وجعل کا نتیجہ ہے۔

(ثانیاً) اس لئے کہ جن راویوں پر ابن جوزی نے تنقید کی ہے انہی کی ابن جوزی

متعلق یہ لکھا ہے کہ احمد یحیٰ ابن معین نے اس کی تضعیف کی ہے ان کا یہ کہنا بچند وجہ باطل ہے
ابن سعد نے اس کی توثیق کی ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی کتاب تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۲۶
طبع حیدر آباد میں بذیل ترجمہ عطیہ لکھتے ہیں ''قال ابن سعد (اس کے بعد ایک لمبا چوڑا قصہ
بیان کیا ہے جس میں حجاج ثقفی کا محمد ابن قاسم کو یہ لکھنا کہ عطیہ سے حضرت علی علیہ السلام پر
سب وشتم کرائے اور اگر وہ انکار کرے تو اس کے ساتھ ایسا ویسا سلوک کیا جائے الخ) آخر میں
لکھا ہے۔ وکان ثقة انشاء الله وله احادیث صالحة و من الناس من لا یحتج بهٖ''
یعنی انشاء اللہ وہ قابل وثوق آدمی تھا اس کے احادیث قبولیت کی صلاحیت رکھتے ہیں ہاں کچھ
ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو ان سے احتجاج نہیں کرتے'' (۲) ابن جوزی کا امام احمد کی طرف یہ
نسبت دینا کہ انہوں نے عطیہ کی تضعیف کی ہے درست نہیں ہے۔ کیونکہ امام احمد نے ان سے
کئی روایتیں اپنی کتاب مسند میں لی ہیں۔

امام احمد کے حالات لکھتے ہوئے ان کی کتاب مسند کے متعلق لکھا ہے کہ امام احمد ثقہ
آدمی کے علاوہ کسی سے روایت نقل نہیں کرتے تھے جیسا کہ شیخ عبدالوہاب سبکی نے طبقات
شافعیہ ج ا ص ۲۰۲ طبع مصر میں لکھا ہے ''قال ابو الموسی المدینی ولم یخرج الا عمن
ثبت عنده صدقه و دیانته دون من طعن فی امانته '' یعنی ابو موسی مدینی کہتے ہیں کہ امام
احمد کوئی روایت اپنی کتاب مسند میں نہیں لیتے مگر انہی اشخاص سے کہ جن کا صدق و دیانت ان
کے نزدیک ثابت ہو اور جن کی امانت و دیانت مخدوش ہو ان سے ہرگز روایت نہیں لیتے یہی
استدلال سبکی نے کتاب شفاء الاسقام میں بذیل حدیث ''من زار قبری وجبت له
شفاعتی '' موسی ابن ہلال کی توثیق پر کیا ہے (۴) سبط ابن جوزی نے بذیل حدیث ''لا یحل
لاحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری و غیرک '' عطیہ کی توثیق کرتے ہوئے لکھا
ہے ''ان عطیة العوفی قدروی عن العباس و الصحابة و کان ثقة'' یعنی عطیہ حضرت
عباس اور دیگر صحابہ کرام سے روایت کرتا ہے اور یہ شخص ثقہ تھا ہے تذکرہ الخواص ص ۴۷ طبع نجف)

ابن جوزی کا اس کی تضعیف کو یحیٰ ابن معین کی طرف نسبت دینا بھی غلط ہے کیونکہ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں عطیہ کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے قال الداری عن ابن معین صالح یعنی داری نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ عطیہ ایک صالح شخص ہے۔" (۵) عطیہ سنن ترمذی اور ابوداؤد کے راویوں میں سے ہے اور واضح ہے کہ صحاح ستہ کے راوی اہل سنت کے نزدیک تمام ثقہ ہیں۔ (۶) ان تمام امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر عطیہ کو ضعیف ابھی تسلیم کرلیا جائے تاہم حدیث ثقلین کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ حدیث کچھ اوپر تیس صحابہ اور صحابیات سے بطرق متکثرہ مروی ہے اور یہ ابن جوزی والا اسناد فقط اب سعید خدری سے مروی ہے زیادہ سے زیادہ اس ایک سلسلہ کی سندی خرابی کی وجہ سے ابوسعید والی ایک روایت مخدوش قرار پائے گی بلکہ اس کے ضعیف ہونے کی بنا پر ابوسعید خدری کے اسناد والی روایت بھی مخدوش نہیں ہوتی کیونکہ ابوسعید سے فقط عطیہ نے اس کو روایت نہیں کیا بلکہ ابوطفیل صحابی نے بھی اس کو ان سے روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو استجلاب سخاوی، جواہر العقدین سمودی، وسیلۃ المآل ابن کثیر مکی، صراط سوی محمد شیخانی بذیل استشہاد حضرت امیرالمومنین بایں حدیث شریف) ہمارے اس کلام سے ابن جوزی کے بیان

۱۔ اگر اسے ضعیف تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی اس کے مقبول الحدیث ہونے پر کوئی ٹھیس نہیں پہنچتی کیونکہ جنہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے انہوں نے بھی اس کی حدیث کو قابل احتجاج قرار دیا ہے چنانچہ تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۵ پر ہے۔ "قال ابو حاتم ضعیف یکتب حدیثہ" یعنی ابو حاتم نے کہا ہے کہ اگرچہ (عطیہ) ضعیف ہے۔ مگر اس کی حدیث لکھی جائے" (کہ وہ اس قابل ہے) یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر لوگ اس سے روایت لیتے تھے۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۲۶ پر ہے۔ "روی عنہ جلۃ الناس' کہ اس سے جلیل القدر لوگ حدیث لیتے ہیں کیونکہ جن لوگوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے بظاہر اس کی وجہ سے اسے کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ ان کا میلان تشیع کی طرف تھا چنانچہ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۲۵ پر لکھا ہے کہ "کان یقدم علیا علی الصحابہ" (منہ عفی عنہ)

کردہ سلسلہ سند کے پہلے راوی عطیہ کی وثاقت تو معلوم ہوگئی اور ابن جوزی کی اس پر جرح غلط ثابت ہوگئی۔ اس کے بعد ابن جوزی نے دوسرے راوی عبداللہ بن عبدالقدوس کے متعلق یحییٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "لیس بشنی رافضی خبیث الخ" اس سے عبداللہ کو مجروح قرار دینا بچند وجوہ باطل ہے (۱) مقدمہ کتاب میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ راوی کا مطلق تشیع بلکہ رفض کامل بھی اس میں موجب قدح نہیں ہوتا۔ جب تک اس کا کاذب و مفتری ہونا ثابت نہ ہوجائے اور اگر وہ صادق اللہجہ ہو تو وہ مقبول الروایۃ ہوتا ہے اور یہ عبداللہ بحسب تصریح علمائے رجال ثقہ ہے چنانچہ عبدالغنی مقدسی نے اپنی کتاب الکمال میں حافظ محمد ابن عیسیٰ سے اس کی وثاقت نقل کی ہے وہ بذیل ترجمہ عبداللہ مذکور لکھتے ہیں اور حکم ابن عدی عن محمد بن عیسی انہ قال ہو ثاقتہ اور اسی طرح عسقلانی نے تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۰۳ طبع حیدرآباد دکن میں لکھا ہے کہ "حکی عن محمد ابن عیسی انہ قال ہو ثاقتہ" یعنی حافظ محمد ابن عیسےٰ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ (واضح ہو کہ محمد ابن عیسیٰ ایک نہایت جلیل القدر عالم حدیث و رجال ہیں ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ذہبی) (۲) ابو حاتم محمد ابن حیان نے اس کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کر کے اس کی وثاقت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۳۰۳ پر مذکور ہے (۳) خود سنیوں کے امام بخاری نے اس کی توثیق کی ہے جیسا کہ مجمع الفوائد ہیثمی میں بذیل ذکر عبداللہ مذکور لکھا ہے کہ وثقہ البخاری و ابن حبان بخاری سے بڑھ کر اور کس کی توثیق قابل اعتماد ہوسکتی ہے؟ (۴) کتاب التہذیب و تقریب التہذیب کے رمز ب و فیم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبداللہ ابن عبدالقدوس بخاری کے راویوں میں سے ہے اور مقدمہ کتاب میں واضح کیا جاچکا ہے کہ بخاری و مسلم وغیرہ کے راوی مخالفین کے نزدیک ثقہ ہیں "ت" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترمذی شریف کے راویوں میں سے بھی ہے۔ ان تمام توثیقات کے مقابلہ میں ابن معین کی جرح کی کیا قدر و قیمت رہ جاتی ہے؟ بلا وجہ اس ... رکو ولیس بشئ" اور "خبیث" کہہ کر اپنے خبث سریرہ کا اظہار کیا گیا ہے (۵) اگر اس

کو ضعیف بھی فرض کرلیا جائے تاہم اس سے اس حدیث شریف کی صحت پر کوئی ضرب نہیں لگتی زیادہ سے زیادہ اسی ایک طریق مخصوص کے ساتھ اپنی سعید خدری والی روایت مخدوش ہوگی بلکہ حقیقت یہ ہے یہ اس کو مجروح قرار دینے کے باوجود بھی ابی سعید والی روایت پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس عبداللہ کے علاوہ دوسرے بعض رواۃ نے مثل محمد ابن طلحہ و محمد ابن فضیل وغیرہ نے بھی اس حدیث کو اعمش سے رویابت کیا ہے۔ فقط عبداللہ اس کو نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی شریف میں مذکور ہے۔ بلکہ ان دوسرے راویوں کا اعمش سے اس روایت کو نقل کرنا خود عبداللہ کی صداقت کی بہترین دلیل ہے۔ اسی طرح عطیہ مذکور سے یہ روایت نقل کرنے میں اعمش متفرد نہیں بلکہ عبدالمالک بن ابی سلیمان اور ابو اسرائیل اسماعیل ابن خلیفہ عیسی اور ہارون ابن سعد عجلی نے بھی اس کو عطیہ سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح ابن جوزی کا عبداللہ ابن داھر کے متعلق "ولیس بشئی الخ" کہنا اولاً تو خود اس کے قدح کرنے والوں کے جادۂ اعتدال سے منحرف ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس کی تضعیف میں سوائے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے کے اور کوئی سبب و جرح و قدح بیان نہیں کیا گیا۔ ذہبی میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۳۵ طبع مصر میں لکھتے ہیں "قال ابن عدی عامة مایرویه فی فضائل علی و هو متهم فی ذالک" یعنی ابن عدی کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن داھر عموماً جو کچھ روایت کرتا ہے۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کے فضائل ہی کے متعلق ہوتی ہے اور اس لئے وہ اس سلسلہ میں متھم سمجھا جاتا ہے لہٰذا اس سے خود جرح و قدح کرنے والوں پر طعن و تشنیع عائد ہوتی ہے۔

کیونکہ مقدمہ کتاب میں یہ امر بیان ہو چکا ہے گم گشتگانِ وادیٔ ضلالت کا یہ دستور ہے کہ وہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے والوں کو مجروح و مطعون قرار دیتے ہیں۔

ڈالتا۔ کیونکہ سوائے ابن جوزی کے مخصوص سلسلہ سند کے دوسرے علمائے اسلام کے یہاں اس روایت کے دیگر طرق واسانید میں اس راوی کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔

یہ تھی ابن جوزی کے ان راویوں پر جرح وقدح کی رام کہانی جس کا باطل و عاطل اور بے اثر و بے نتیجہ ہونا آپ نے انہی کے علماء کی زبانی سماعت فرمایا معلوم ہوگیا کہ اس وجہ سے اس حدیث کی صحت میں خدشہ کرنا سراسر عدل وانصاف کا خون کرنے اور اپنی جہالت وضلالت کا ثبوت بہم پہنچانے کے مترادف ہے۔ ہمارے ملا صاحب جواب اس حدیث کے رجالِ سند پر بحث کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں ان کی نظر مبارک بھی غالباً انہی افراد میں سے کسی پر پڑی ہوگی۔ (چونکہ عطیہ سے ترمذی ومسند وغیرہ میں یہ حدیث مروی ہے) لہٰذا ہمارے ان بیانات میں ملا صاحب کی ضیافت طبع کے لئے کافی سامان اور ان کے درس عبرت کے لئے کافی ووافی ذخیرہ موجود ہے لیکن ''ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار ان فی ھذا لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع و ھو شھید''۱؎

۱؎ ان حقائق سے ملا صاحب کے اس قول (کہ ہمارے علمائے کرام نے اس طرف توجہ نہیں کی ورنہ مدت سے ان چیزوں کا فیصلہ ہوگیا ہوتا) کا ان کی کوتاہ نظری پر مبنی ہونا بھی واضح ولائح ہوگیا۔ کیونکہ ان کے بعض بزرگوں نے اس کی طرف توجہ ضروری ہے لیکن تقدیری کی بات ہے

ع۔ بگڑی ہے کچھ ایسے کہ بنائے نہیں بنتی

ایک شخص اگر ایڑی چوٹی کا زور صرف کرکے کچھ تانا بانا بناتا ہے تو انہی میں سے دوسرا شخص اس کی تردید کردیتا ہے جیسا کہ ابھی نانا اور نواسہ کے طرز عمل سے واضح ہوگیا ہے ''کلما او قدانارا للحرب اطفاھا اللہ'' اگر ملا صاحب کو حق وحقیقت کی اس شاندار فتح ونصرت میں کچھ شک وشبہ ہے تو طبع آزمائی کرکے یہ تماشہ بھی دیکھ لیں سچ ہے۔

ے فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون (منہ عفی عنہ)

(ثالثاً) اس لئے کہ یہ حدیث شریف کس طرح غیر صحیح ہو سکتی ہے۔ حالانکہ باب سابق میں یہ امر بیان ہو چکا ہے کہ یہ حدیث شریف صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی و مشکوۃ و مسند احمد وغیرہ صدہا کتب معتبرہ میں موجود ہے اور صحاح ستہ کی تمام احادیث کے قطعی طور پر صحیح ہونے کے متعلق علمائے اہل سنت کے آراء و نظریات مقدمہ کتاب میں نقل کئے جا چکے ہیں۔ مزید برآں یہاں فقط صحیح مسلم کے متعلق چند علمائے اعلام کے ارشادات لکھے جاتے ہیں

(۱) ابومہدی ثعالبی اپنی کتاب مقالید الاسانید میں حافظ ابوعلی نیشاپوری سے نقل کرتے ہیں "ماتحت ادیم اسماء اصح من کتاب مسلم" یعنی آسمان نیلگون کے نیچے مسلم کی کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب صحیح نہیں

(۲) نواب صدیق حسن خان کتاب سراج وہاج میں لکھتے ہیں کہ "الاحتجاج باحادیث مسلم لا یحتاج الی النظر فی رجال اسناد ھا لعلو محلھا فی الصحۃ و الشھرۃ والقبول الخ۔" یعنی صحیح مسلم کی احادیث کے ساتھ احتجاج و استدلال کرنے میں اس کے رجال سند میں نظر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صحت و شہرت اور قبولیت میں ان کا مرتبہ بلند ہے الخ (۳) علامہ سیوطی نے کتاب تدریب الراوی اور عبدالحق محدث دہلوی نے مقدمہ اسماء رجال مشکوۃ میں خود مسلم کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "قال مسلم لیس کل شئی صح عندی و صنعتہ ھھنا انما وضعتھا ما اجمع العلماء علیہ"

یعنی امام مسلم کہتے ہیں کہ میں نے (اس کتاب کے لکھنے میں اس قدر اہتمام کیا ہے) کہ صرف یہی نہیں کہ جو حدیث فقط میرے نزدیک صحیح ہو اس کو اس میں درج کر دیا ہو۔ بلکہ میں نے تو صرف وہی احادیث اس میں جمع کئے ہیں جن کی صحت پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

(۴) ابن حجر عسقلانی مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں "و قبل الخوض فیہ ینبغی لکل منصف ان یعلم ان تخریجہ لای راو کان مقتض عدالتہ او ضبطہ و عدم غفلتہ"

۵) اور اسی طرح ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں صحیحین کے متعلق لکھا ہے "ولا یقدح
ھما اخراجھما عمن طعن فیه لان تخریج صاحب الصحیح لای راو کان مقتض
عد الته عنده و عدم غفلته ان درج له فی الاصول" دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ
صحیحین کے مولفوں کا کسی راوی سے اپنی ان کتابوں میں روایت کرنا ان کے نزدیک اس کی
عدالت وضبط اور مولفوں کی عدم غفلت کی دلیل ہے۔ اس میں بعض مقدوح راویوں کا پایا جانا ان
کی جلالت شان میں قادح نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہ ثقہ و عادل وضابط تھے جبھی تو ان
سے روایت لی یہ نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے غفلتاً ایسے ضعفاء و متروکین کی روایتیں درج کر دی
ہوں۔ علمائے اعلام کے ان بیانات سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ صحیحین کی احادیث کے
ساتھ استدلال و احتجاج کرنے میں راویوں کی جانچ پڑتال کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ کسی
راوی سے "امامین" کا اپنی صحیحین میں روایت کرنا اس کی وثاقت و عدالت کی قطعی دلیل ہے جو
اپنے مذہب سے جاہل یا متجاہل ملا صاحبان ہر حدیث میں صحیحین کے رواۃ پر جرح و قدح کا دفتر
کھول بیٹھے ہیں۔ انہیں ان فرمائشات کو اپنے لئے "کحل البصیرت" بنانا چاہیئے۔

(رابعاً) سب سے بڑھ کر پر لطف بات یہ ہے کہ خود اسی ابن جوزی نے اپنی کتاب
موضوعات میں ایک کلیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"فاذا رأیت حدیثا خارجا عن دوانین الاسلام کالمؤطا و مسند احمد

---

۱ ان علماء اعلام کی ان تصریحات کے پیش نظر گجراتی صاحب کے اس بیان کا جائزہ لیں جو
انہوں نے الفاروق صفحہ ۱۱ مجریہ یکم ستمبر ۵۸ء پر دیا ہے۔ "باقی رہی" آثم غادر خائن کاذب" والی
روایت تو بہ اقرار محدثین یہ فقرہ غلط ہے۔ کسی راوی کی بے احتیاطی سے درج ہوگیا ہے" ان نقاد و حفاظ
کبار کے ان بیانات کے بعد کہ جو کچھ مسلم شریف میں ہے وہ سب صحیح ہے۔ اور اس کے تمام راوی
عادل و ثقہ ہیں۔ اور مولف نے ان کی روایت درج کرنے میں کوئی غفلت نہیں کی" گجراتی صاحب
[illegible]

و الصحیحین و السنن ابی داؤد و الترمذی و نحوھا فانظر فیہ فان کان فیہ نظیر فی الصحاح و الحسان فرتب امرہ و ان ارتبت بہ قراتیہ یباین الاصول فتامل الرجال اسنادہ و اعتبر احوالھم"

یعنی جب تم کوئی حدیث مستند اسلام کتب حدیث مثل موطاء مالک و مسند احمد اور بخاری و مسلم و سنن ابی داؤد و ترمذی و امثالھا کے علاوہ کسی اور کتاب میں پاؤ تو دیکھو کہ آیا اس کی نظیر صحیح و حسن اخبار (یعنی مذکور بالا دواوین اسلام) میں موجود ہے یا نہیں اگر موجود ہو تو اس پر اثر مرتب کرو (یعنی عمل کرو) اور اگر اس کی نظیر نہ مل سکے بلکہ وہ ان اصول معتبرہ کے مخالف و مباین ہو تو پھر اس کے رجال سند پر نظر کرو۔

اور ان کے حالات کی جانچ پڑتال کرو الخ۔ اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ اگر کوئی حدیث ان نام بردہ کتب میں مذکور ہو تو اس کے سلسلہ سند میں بحث و تتبع و تفتیش اور تحقیق کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ جب کسی اور کتاب میں کوئی روایت موجود ہو اور وہ ان کتابوں کی روایت کے موافق ہو تو اس کے رجال سند کو بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں بنا بریں جب سوائے بخاری کے باقی تمام نام بردہ کتابوں میں یہ حدیث شریف مذکور و مسطور ہے تو کس طرح ابن جوزی اس اپنے قاعدہ کلیہ کو پس پشت ڈال کر اس کے غیر صحیح

۱؎ بعض حضرات بخاری کے اس حدیث کو روایت نہ کرنے کی وجہ سے اس کی صحت میں خدشہ کیا کرتے ہیں حالانکہ انکا یہ وہم کئی لحاظ سے باطل ہے (اولاً) تو اس لئے کہ جب فصول سابقہ میں بتصریحات آئمہ کبار و حفاظ احبار سنیہ مبین و مبرہن ہو چکا ہے۔ کہ یہ حدیث صحیح بلکہ متواتر ہے۔ تو ایسی حدیث کو درج نہ کرنا خود بخاری صاحب کی جلالت قدر میں خلل اندازی ڈالتا ہے اور انکی نیت کے فساد کی غمازی کرتا ہے نہ یہ کہ حدیث کی صحت پر کوئی برا اثر ڈالے (ثانیاً) اس لئے کہ علمائے اعلام بلکہ خود بخاری کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں تمام صحیح حدیثوں کو بالاستیعاب درج نہیں کیا بلکہ بعض اغراض و مقاصد کے پیش نظر بہت سی صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا اور اسی وجہ سے بعض علما نے اس پر استدراک کرتے ہوئے مستدرک تالیف کی ہے۔ چنانچہ محدث عبدالحق دہلوی مقدمہ مشکوۃ ص ۴ پر رقمطراز ہیں۔

ہونے کا فتویٰ صادر فرما رہے ہیں؟

''ان ھذا الاتناقض صریح و ھو باطل قبیح'' یہی وجہ ہے کہ سنی علمائے اعلام نے ابن جوزی کی اس حرکت شنیعہ وفضیحہ سے بہت اظہار تعجب کیا ہے چنانچہ (۱) سبط ابن جوزی کا کلام اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ (۲) اسی طرح علامہ سخاوی نے اپنی کتاب استجلاب میں حدیث ثقلین کو طرق عدیدہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''الاحادیث الصحیحۃ لم تنحصر فی صحیح البخاری و المسلم و لم یستوعبا الصحاح الخ''۔ یعنی احادیث صحیحہ صرف بخاری و مسلم میں ہی منحصر نہیں ہیں اور نہ ہی انہوں نے تمام احادیث صحیحہ کا احصاء واستیعاب کیا ہے۔ چنانچہ خود بخاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں صرف وہ حدیثیں درج کی ہیں جو صحیح ہیں اور میں نے بہت سی صحیح حدیثیں ترک کر دی ہیں الخ۔ بعد ازاں محدث عبدالحق نے ایسا ہی قول جناب مسلم کا نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ''الذی اوردت فی ھذا الکتب من الاحادیث الصحیحۃ و لا اقول ما ترکت فھو ضعیف ''یعنی میں نے اپنی کتاب میں جو حدیثیں درج کی ہیں وہ تو صحیح ہیں مگر میں یہ نہیں کہتا کہ جن حدیثوں کو میں نے ترک کر دیا ہے وہ ضعیف ہیں'' بعد ازاں محدث عبدالحق نے بیان کیا ہے کہ ضرور انہوں نے کسی صحیح غرض وغایت کے تحت ہی ایسا کیا ہوگا۔ بہر حال اس سے واضح ہو گیا کہ خود بخاری صاحب نے بھی یہ نہیں کہا کہ جو حدیثیں انہوں نے اپنی کتاب میں درج نہیں کیں وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ اقرار کیا ہے کہ انہوں نے بعض وجوہ کی بنا پر بہت سی صحیح حدیثیں درج نہیں کیں۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں صراحت کی ہے کہ بخاری و مسلم نے بھی کہیں یہ حکم نہیں لگایا کہ جو حدیثیں انکی کتابوں میں نہیں ہیں وہ صحیح نہیں ہیں؟ اس بنا پر حاکم نے مستدرک لکھی ہے وہ حتی الامکان بخاری و مسلم کے شرائط کے مطابق احادیث صحیحہ درج کرتے ہیں۔ (ثالثاً) صرف مسلم شریف میں اس حدیث کا موجود ہونا ہی اس کی صحت کے لئے کافی تھا چہ جائیکہ وہ باقی صحاح اربعہ کے علاوہ صدہا کتب معتبرہ میں باسانید عدیدہ وطرق متکثرہ مذکور و مسطور ہے چنانچہ باب اول میں یہ حقائق واضح کیے جا چکے ہیں (منہ عفی عنہ)

''و تعجبت من ایراد ابن الجوزی له فی العلل المتناهیه بل اعجب من ذالک قوله ان الحدیث لا یصح الخ. '' مجھے تعجب ہے کہ ابن جوزی نے کس طرح اس حدیث شریف کو کتاب علل متناہیہ میں ذکر کیا اور اس سے بھی عجیب تر ان کا یہ قول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے الخ۔ (بعدہ سخاوی نے اس کی تردید کی ہے) (۳) اسی طرح علامہ سمودی نے اپنی کتاب جواہر العقدین میں لکھا ہے:

و من العجیب ذکر ابن الجوزی فی العلل المتناهیه فایاک ان تغتریه و کان لم یستحضره حینئذ الامن تلک الطرق الواهیة و لم یذکر یقیته طرقه الخ۔'' یعنی یہ بات عجائبات میں سے ہے کہ ابن جوزی نے اس حدیث شریف کو علل متناہیہ میں ذکر کیا ہے خبردار تو اس سے کہیں دھوکہ نہ کھا جائے (یعنی اس حدیث کی صحت میں خدشہ کر بیٹھے) شاید ابن جوزی کے کتاب لکھتے وقت وہی کمزور طریقہ پیش نظر تھا اور اس کے باقی طریق عدیدہ انہیں مستحضر نہ تھے الخ۔ یہ سمودی صاحب کا محض حسن ظن ہے ورنہ یہ متصور نہیں ہوسکتا کہ وہ سلسلہ اسناد جس کا کسی کتاب میں نام ونشان تک نہیں وہ تو انہیں مستحضر ہو اور وہ باقی اسناد جو صحاح ستہ ایسی کتب میں مذکور ہوں ان سے انہیں غفلت ہو جائے؟ (۴) ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں دو مقام پر اس پر تنقید کی ہے اول صفحہ ۱۴۸ طبع جدید پر ''و ذکر ابن الجوزی لذلک فی العلل المتناهیه و هم او غفلة عن استحضار یقیة طرقه بل فی مسلم عن زید ابن ارقم الخ'' یعنی ابن جوزی کا اس حدیث کو علل متناہیہ ذکر کرنا ان کا اشتباہ ہے یا باقی طرق سے غفلت ہے یہ تو صحیح مسلم میں زید ابن ارقم کے مروی ہے الخ۔ ''دوم صفحہ ۲۲۶ پر ولم یصب ابن الجوزی فی ایراده فی العلل المتناهیه کیف و فی صحیح مسلم وغیره الخ'' ابن جوزی نے غلطی کی ہے جو اس حدیث شریف کو علل متناہیہ میں ذکر کر دیا۔ حالانکہ یہ صحیح مسلم وغیرہ (کتب معتبرہ) میں موجود ہے الخ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کے اس قدر اظہار تعجب سے مجھے تعجب ہے کیونکہ اگر کوئی منصف مزاج محدث ایسے امر قبیح وفعل شنیع کا ارتکاب کرتا تو البتہ مقام تعجب تھا لیکن جب ابن تیمیہ اور ابن جوزی ایسے متعصب ومتصلب مزاج اشخاص جن کی نصب

وعداوت خاندان رسول کے ساتھ ضرب المثل سمجھی جاتی ہے اور جنہوں نے اور بھی بڑی بے باکی اور دریدہ دہنی سے بڑی بڑی صحیح ومتواتر حدیثوں کا انکار کر کے اپنے نصب وعداوت کا اظہار کیا ہے اور جن کے سنان قلم سے خود ان کے حضرت عمر اور ہمارے آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی ذوات محفوظ ومصون نہیں رہ سکیں تو ان سے ایسی حرکت ناشائستہ کا صادر ہونا کسی تعجب کا محل نہیں ہے۔ ''ولنعم ما قیل

اذا لم یکن للمرء عین صحیحة

فلا غروان یرتاب و الصبح مسفر

(خامسا) ''اس لئے کہ بہت سے گذشتہ اور موجودہ علمائے اسلام ایسے ہیں جنہوں نے ابن جوزی کے بالمقابل اشارۃً[1] یا صراحۃً اس حدیث شریف کی صحت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے ان تمام کے اسماء کا شمار کرنا تو میرے دائرہ امکان میں نہیں ہے بلکہ وضع کتاب سے بھی باہر ہے لیکن یہاں فقط چند اعاظم علمائے ء کے اسماء گرامی لکھے جاتے ہیں۔

(۱) حاکم اور مستدرک (۲) حمیدی در جمع بین الصحیحین (۳) بغوری در مصابیح السنۃ (۴) قاضی حبۃ اللہ بازری در تجرید الصحاح (۵) علامہ ابن عساکر در تاریخ خود (۶) ضیاء الدین مقدسی در کتاب المختار (۷) محمد ابن طلحہ شافعی در مطالب السئول (۸) حافظ محمد ابن یوسف گنجی در کفایۃ الطالب (۹) محب الدین طبری در ذخائر العقبیٰ (۱۰) علاؤ الدین المعروف بہ

---

[1] ہم نے اپنے کلام میں اشارۃً یا صراحتاً کی تعمیم اس لئے کی ہے۔ کہ ان علماء میں سے بعض نے تو اس حدیث شریف کو کتب صحاح ستہ مثل مسلم و ترمذی وغیرہ سے نقل کرنے کے بعد سکوت اختیار فرمایا ہے لہٰذا ان کا سکوت ہی اس کی صحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ صحاح ستہ کی روایات کو قطعی طور پر صحیح سمجھتے ہیں۔ اور بعض حضرات نے اپنے کتب کے دیباچہ میں صحیح احادیث درج کرنے کا التزام کیا ہے۔ جیسے ضیاء الدین مقدسی و حافظ محمد ابن یوسف وغیرہ۔ اور بعض نے ''ہذا حدیث صحیح یا صح عن النبی'' وغیرہ کے ساتھ اس کی صحت کی تصریح فرمائی ہے۔ جیسے ابن کثیر، فضل بن روزبہان ابن حجر۔ سبط ابن جوزی۔ محمود قادری اور شیخانی وغیرہ (منہ عفی عنہ)

ازن در تفسیر لباب التنزیل (۱۱) علامہ طیبی در شرح مشکوۃ (۱۲) خلخالی در مفاتیح شرح مصابیح (۱۳) نووی در تہذیب الاسماء واللغات (۱۴) محمد قادری در صراط سوی (۱۵) ابن کثیر در تفسیر خود یل آیہ مودت (۱۶) نور الدین ہشیمی در مجمع الزوائد (کما نقل عنہ فی فیض القدیر المنادی) (۱۷) علامہ سیوطی در جامع صغیر (۱۸) سخاوی در استجلاب (۱۹) ابن حجر در صواعق محرقہ (۲۰) ل ابن روز بہان در رسالہ اعتقادیہ والباطل الباطل (۲۱) شاہ عبدالعزیز دہلوی در تحفہ اثنا ریہ وغیرہم فی غیرہا۔

بحمدہ تعالیٰ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ ابن جوزی کی تشکیک بالکل رکیک و ناقابل سماعت ہے اس نے جو اپنے اس کلام تغریر انظمام کے ساتھ حق پر پردہ ڈالنے کی شش کی تھی اس نے بجائے اس کے کہ وہ حق کو مخفی کرتا بلکہ حق و حقیقت کو اور اجاگر کر دیا اور کے ساتھ اپنے نصب و عداوت اور تعصب و عناد کو بھی الم نشرح کر دیا۔ اسی طرح ابن تیمیہ حق کشی، و باطل کیشی بھی واضح و آشکار ہوگئی اور روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ ہمارے عقلی و نقلی ادلہ قطعیہ کے مقابلہ میں ان کا کلام بالکل باطل و عاطل ہے اور ان بیسیوں علماء م کے مقابلہ میں ان کے کلام خلل التیام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور یہیں سے اس امر کا پتہ چل گیا کہ ان دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ اور علماء اسلام کے اس جم غفیر و جمع کثیر کے دات و تصریحات کو پس پشت ڈال کر فقط ان دو نام نہاد عالموں کے کلام کے ساتھ تمسک نا اصول و قوانین شریعت حضرت سید المرسلینؐ کے بالکل خلاف ہے اور اسلامی عدل و اف کا خون بہانے کے مترادف ہے۔

لہٰذا اس فعل قبیح اور امر شنیع کا ارتکاب کرنے والے کو بجائے حدیث کی صحت میں ک کرنے کے اپنے ایمان بلکہ اسلام پر نظر ثانی کرنا لازم ہے۔ ”انا ھدیناہ السبیل اما کراً و اما کفوراً“

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے!

فصل ششم

اس سلسلہ میں کتب شیعہ سے پیش کردہ بعض روایات پر ایک نظر؟

ملا صاحب نے اپنی کتابوں سے چند روایات نقل کرنے اور ابن تیمیہ کے کلام سے تائید حاصل کرنے کے بعد بعض کتب شیعہ سے اپنے نظریہ فاسدہ کی بزعم خود تائید میں چند روایات نقل کی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''اس مضمون کی تائید کتب معتبرہ شیعہ سے بھی ہو جاتی ہے دیکھو شیعہ کی بڑی کتاب کشف الغمہ مطبوعہ لکھنو صفحہ ۲۵'' کان یقول رسول اللہؐ (الفاروق میں یہاں ترکتم لکھا ہے جو کاتب کی غلطی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ صحیح ترکت ہے) لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ واحد ھما اعظم من الاخر ھو کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔

خدا کے رسولؐ فرمایا کرتے تھے میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک تم ان دونوں سے تمسک کرتے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ان دونوں میں ایک ایسی ہے جو دوسری سے بہت بڑی ہے وہ کتاب اللہ ہے جو ایک رسی ہے آسمان سے زمین پر اتری ہوئی ہے یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ پس دیکھنا تم میرے بعد جانشینی کیسے کرتے ہو۔ (الفاروق) صفحہ ۵ مجریہ جون ۵۸ء) (اس کے بعد ملا صاحب نے آخری جملہ کے غلط ترجمہ کرنے کی بنا پر بعنوان نوٹ اس پر چند سطروں میں تبصرہ فرمایا ہے۔ جو بالکل

خشت اول چون نہد معمار کج ؎
تا ثریا می رود دیوار کج

کا مصداق ہے۔ ہم اس پر باب سوم دفع شبہات کے بیان میں مکمل تبصرہ کریں گے۔ (الش)

(الجواب بعنوان اللہ الوہاب) سوئے اتفاق سے کشف الغمہ مطبوعہ لکھنو ہمارے
س موجود نہ تھی۔ اس لئے مطبوعہ ایران میں اس روایت کو نشان زدہ صفحہ پر دیکھا لیکن وہاں
س کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ یہ خیال کر کے کہ شاید اختلاف مطبع کی وجہ سے صفحوں میں تقدیم و
خیر ہوگئی ہو۔ لہٰذا ادھرادھر سے ورق گردانی شروع کی لیکن باوجود تتبع بلیغ کے وہ روایت نہ مل
ی۔ ہاں البتہ اس دوران میں مشہور حدیث ثقلین تین مقامات پر دستیاب ہوگئی۔ (۱) کشف
مہ طبع ایران صفحہ ۱۴ "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی فانظر
کیف تخلفونی فیھما" اور صفحہ ۱۶ پر بضمن خطبہ غدیر زید ابن ارقم سے روایت کرتے ہیں
آنحضرت نے فرمایا کہ "انا اسئلکم حین تلقونی عن ثقلی کیف خلفتمونی
یھما" جب تم مجھ سے ملاقات کرو گے تو میں اپنی دو نفیس چیزوں کے متعلق تم سے سوال کروں
۔ کہ تم نے میرے بعد ان سے کیسا سلوک کیا تھا۔ بعض صحابہ کرام نے ثقلین کا مطلب
یافت کیا تو آپ نے فرمایا "الاکبر منھما کتاب اللہ النح .... والاصغر عترتی"
اسی صفحہ ۱۶ پر بروایت زہری بایں الفاظ یہ حدیث نقل کی ہے۔ "انی خلفت فیکم ما ان
مسکنم لن تضلو بعدی کتاب اللہ و اھل بیتی" بہر حال باوجود عدیم الفرصتی کے
ر کتاب کی ورق گردانی کی لیکن محولہ بالا حدیث نہ مل سکی (واللہ علی ما قال وکیل) نیز
ف الغمہ طبع لکھنو کی بہت تلاش کی گئی لیکن مکتبات نجف اشرف (علی مشرفہ الاف
سلام) میں نہ مل سکی۔ بہرکیف اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ روایت اس کتاب میں موجود
۔ تاہم ملا صاحب کا اس سے اپنے دعوے پر استدلال کرنا بچند وجوہ مردود و مطرود ہے۔
اس لئے کہ مؤلف کشف الغمہ کا طریقہ تالیف جیسا کہ ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے یہ
کہ وہ جو اخبار و روایات اور واقعات و حکایات اس کتاب میں نقل کرتے ہیں۔ محض اتمام
۔ کے لئے غالباً کتب اہل سنت ہی سے نقل کرتے ہیں (الا ماشذ و ندر) چنانچہ منقولہ بالا دو

آنحضرتؐ پر دم بریدہ صلوات (کان رسول اللہؐ) بھی دلالت کر رہی ہے کہ یہ روایت مولف
کتاب نے کسی اہل سنت کی کتاب سے من وعن نقل کی ہے۔

(انکشاف)

یہی چیز اہل زیغ وضلال کی مطلب برآری کا باعث بنتی ہے کہ وہ ہمیشہ از رو
جہل یا تجاہل عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور اپنے مزخرفات کی تائید کے لئے ا
کتاب کے روایات کو بڑے طمطراق سے یہ کہہ کر (شیعہ کی بڑی معتبر کتاب کشف الغمہ میں
لکھا ہے اور وہ لکھا ہے) اپنے رسائل واخبارات میں نشر واشاعت اور اپنی محافل میں بیا
کرتے ہیں حالانکہ وہ روایتیں خود انہی کی کتابوں سے مولف کتاب نے مذکورہ بالا غرض یا دیگ
بعض اغراض ومقاصد صحیحہ کے ماتحت درج کی ہیں۔ جبکہ وہ ازالۂ اشتباہ کے لئے حوالہ بھ
دے دیتے ہیں لیکن یہ حضرات ان تمام امور سے قطع نظر کرتے ہوئے لا تقربوا الصلوۃ
ساتھ استدلال کی طرح بعض موافق مطلب جملے نقل کر کے اپنی بددیانتی کا ثبوت دیتے ہی
اس سے بڑھ کر ان کی تلبیس وتدلیس یہ ہے کہ بعض دفعہ کتب شیعہ میں اہل سنت کے نقل کر
استدلات وروایات کہ جن شیعہ مولفین بغرض تردید ذکر کرتے ہیں کو بڑے ٹھاٹھ سے نقل
کے حق وحقیقت پر پردہ ڈالتے ہوئے اپنے مزخرفات پر حقیقت کا ملمع چڑھا کر عوام الناس
سامنے پیش کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ یہ حضرات کتاب الشافی مولفہ جناب سید

۱؎ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا "لا تصلوا علی الصلوۃ البتراء" یعنی مجھ پر دم
صلوات نہ بھیجا کرو۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہؐ دم بریدہ صلوات کونسی ہے؟ فرمایا وہ یہ ہے
صل علی محمد کہہ کر خاموش ہو جاؤ (اور میری آل کو میرے ساتھ صلوات میں شریک نہ کرو) بلکہ تم
مجھ پر درود وسلام بھیجا کرو تو میری آل کا بھی ذکر کیا کرو اور یوں صلوات پڑھو۔ "اللھم صل علی محمد

مرتضے علم الھدیٰ سے اپنی تائید میں بڑے بڑے استدلالات روایات نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب جناب سید مرتضیٰ نے قاضی عبدالجبار معتزلی کی کتاب المغنی کی تردید میں لکھی ہے ان کا طریق تالیف مثل دیگر اہل انصاف علماء مناظرین کے یہ ہے کہ اول بعنوان ''قال'' قاضی صاحب کے کلام کو نقل کرتے ہیں اور پھر بذیل عنوان ''اقول'' اس پر نقد و تبصرہ کرتے ہیں۔ آپ یہ سن کر متعجب ہوں گے کہ ہمارے ملا صاحب اس کتاب سے قاضی صاحب کے استدلالات و روایات کو لے کر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ شیعوں کی بڑی معتبر کتاب شافی سید مرتضے علم الھدیٰ میں یہ روایت موجود ہے وہ حدیث مذکور ہے یہ دلیل مسطور ہے (نمونہ کے لئے پیر سیالوی کا رسالہ مذہب شیعہ اور صفحات الفاروق خصوصاً ثانی اثنین نوشتہ مدیر صاحب ملاحظہ ہوں) مومنین کو ان کی کارستانیوں کی طرف متوجہ و متنبہ رہنا چاہیئے بطور تنبیہ غافلین یہ چند سطور لکھ دی گئی ہیں۔

ع عاقلان را اشارتے کافیست

(دوسرے) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ شیعوں ہی کی روایت ہے اور بنا بر زعم مد مقابل اس کو مشہور حدیث ثقلین کے معارض و مخالف سمجھا جائے تو چونکہ یہ روایت غیر مشہور ہے لہٰذا اصول حدیث کی بنا پر مشہور حدیث ثقلین کو اس پر ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ تعارض و اختلاف کے وقت عند الفریقین مشہور حدیث کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم اس مطلب پر کتب اہل سنت کے حوالہ جات انہی کی کتابوں سے پیش کردہ روایات پر تبصرہ کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں فقط شیعوں کا قاعدہ پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام عمران ابن حنظلہ کو تعارض اخبار کے وقت قواعد و ضوابط ترجیح تعلیم دینے کے ضمن میں فرماتے ہیں۔ ''وخذ بما اشتھر بین اصحابک و دع الشاذ النادر'' جو حدیث تمہارے اصحاب و علماء میں مشہور ہو اس کو لے لو اور جو غیر مشہور ہو اس کو ترک کر دو۔ (اصول کافی) یہ واضح ہے کہ حدیث ثقلین بالفاظ مشہور علماء شیعہ کے درمیان مشہور بلکہ متواتر ہے۔

چنانچہ اور کتابوں کا ذکر ہی کیا اسی کشف الغمہ میں اگر ایک مقام پر یہ کتاب وسنت والی روایت موجود ہے تو کئی جگہ پر وہ مشہور حدیث مذکور ہے۔ کما تقدم!

(تیسرے) اسکا جواب وہی ہے جو ہم کتب اہل سنت سے پیش کردہ روایات کے متعلق باب دوم فصل سیوم میں دے چکے ہیں مختصراً یہ کہ ہم نے وہاں مبین ومبرہن کر دیا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے درمیان معنی ومفہوم کے لحاظ سے ہرگز کسی قسم کا کوئی تعارض واختلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ دو علیحدہ علیحدہ حدیثیں ہیں جس طرح قرآن وعترت کا اتباع لازم ہے اسی طرح اس کے ساتھ سنت کا اتباع بھی لازم ہے۔ عترت رسول مبین ومفسر قرآن وسنت ہیں ان کی تفسیر وتشریح کے بغیر قرآن وحدیث کا حقیقی مفہوم ومطلب سمجھ میں آسکتا ہی نہیں ہے تلک آیات بینات فی صدور الذین اوتو العلم ولا یعلم تاویلہ الا اللہ و الراسخون فی العلم "۔ اس کے بعد ایک حدیث احتجاج طبری صفحہ ۱۴۱ سے نقل کی ہے کہ "ان رسول اللہؐ قال فی حجۃ الوداع ایھا الناس انی قد ترکت فیکم مالم تضلوا بعدہ کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی فا حلوا حلالہ و حرموا حرامہ واعملوا بمحکمہ و امنوا بمتشابہ و قولوا آمنا بما انزل اللہ من الکتاب و احبوا اھل بیتی و عترتی"۔

خدا کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع کے دن فرمایا لوگو! بہ تحقیق میں تم میں ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں کہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہوسکو گے خدا کی کتاب اور میری اولاد جو کہ میری اہل بیت ہیں۔ پس حلال سمجھو اس کے حلال کو اور حرام جانو اس کے حرام کو اور عمل کرو اس کے محکم پر اور ایمان لاؤ اسکے متشابہ پر اور کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اس کتاب پر جو خدا نے اتاری ہے اور دوست رکھو میرے خاندان کو اور اولاد کو (بعد ازیں بعنوان نوٹ رقمطراز ہیں) دیکھا صاحب اس خطبہ میں آنحضور نے کس صفائی کے ساتھ قرآن پر ایمان لانے اور عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے لیکن اپنے خاندان کے لوگوں کا جب تذکرہ فرمایا ہے تو ان سے محبت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ان کی عزت اور خدمت محب کو لازم ہے لیکن احکام شرعیہ کا ماخذ صرف قرآن کو فرمایا گیا ہے" انتہی کلامہ (الفاروق صفحہ ۹ مجریہ ۱۵ جون ۵۸)

(الجواب بعون رب الارباب)

مضمون نگار نے اس حدیث کا حوالہ صفحہ ۱۴۱ سے دیا ہے لیکن باوجود مختلف مطابع کی مطبوع احتجاج طبرسی دیکھنے کے کسی بھی کتاب کے مذکورہ صفحہ پر یہ حدیث نہ مل سکی لیکن بہت زیادہ تتبع وتفحص کے بعد احتجاج مطبوعہ نجف اشرف صفحہ ۱۴۶ پر دستیاب ہوئی یہ حدیث شریف حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ایک طویل احتجاج کے ضمن میں جواز صفحہ ۱۴۵ تا صفحہ ۱۵۱ مذکور ہے (اور اس کا ایک مختصر مگر ضروری تتمہ بھی ہے جو ہم عنقریب ذکر کریں گے انشاء) بہر حال مولوی صاحب کا اپنے دعوائے فاسد وزعم کاسد پر اس حدیث کے ساتھ استدلال کرنا بچند وجوہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً (۱) اس لئے کہ امام حسن علیہ السلام کا یہ احتجاج مولف نے کتب اہل سنت سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۴۵ پر فرماتے ہیں "روی عن الشعبی وابی مخنف ویزید ابن ابی حبیب المصری انہم قالوا الخ" (اس کے بعد اس احتجاج کا پورا قصہ درج کیا ہے) شعبی ویزید ابن ابی حبیب کے سنی ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ ہاں ابی مخنف کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ مجلسی نے مقدمات بحار الانوار میں اس کو علمائے عامہ سے شمار کیا ہے بظاہر اس کے تشیع پر سوائے مقتل امام حسین علیہ السلام لکھنے کے اور کوئی دلیل موجود نہیں اور اس دلیل کا ضعف ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کیونکہ مقتل امام حسین علیہ السلام لکھنا فقط علمائے شیعہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ بہت سے علمائے اہل سنت نے کتب مقاتل تحریر کئے ہیں۔ جیسے "مقاتل الطالبین ابو الفرج اصفہانی، مقتل الحسین خوارزمی، مقتل الحسین اسفرائینی" وغیرہ جب یہ اہل سنت کی روایت قرار پائی تو اس کا جواب وہی ہوگا جو اسی باب کی فصل دوم میں بذیل روایات اہل سنت مذکور ہو چکا ہے۔

ثانیاً (۲) ملا صاحب کا اس حدیث کے ساتھ اپنے موضوع باطل پر استدلال کرنا عجائبات

روزگار میں سے ہے۔ ان کا مدعی تو یہ ہے کہ حدیث ثقلین میں صحیح کلمات ''کتاب وسنت'' ہیں نہ کتاب وعترت حالانکہ اس پیش کردہ روایت میں بتصریح نام کتاب اللہ وعترتی کے الفاظ موجود ہیں مفہوم میں شک وشبہ پیدا کرنا دیگر امر ہے۔ سر دست بحث اس حدیث کے معنی و مطلب میں نہیں ہے۔ بلکہ تمام تر نزاع اس کے الفاظ میں ہے واضح ہے کہ ملا صاحب کا ادعائے باطل یہ ہے۔ (جو اوائل کتاب میں ہم نقل کر چکے ہیں) کہ صحیح کلمات حدیث ثقلین تو یہ ہیں۔۔۔۔ یعنی کتاب وسنت نہ وہ جو عوام الناس کی زبانوں ۔۔۔۔ یعنی کتاب وعترت (الفاروق صفحہ ۷) انکا اس روایت شریفہ کے ساتھ تمسک کرنا دعوی ودلیل میں تمیز نہ کر سکنے کی واضح دلیل ہے۔

ع سخن شناس نہ دلبرا خطا این جا است!!

ثالثاً (۳) ملا صاحب کا اس حدیث کے مفہوم ومعنی میں خدشہ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ احکام شرعیہ کا ماخذ صرف قرآن کو فرمایا گیا ہے ان کا یہ نرالا استنباط خود ان کے مدعی کے خلاف ہے۔ ان کا دعوی تو یہ ہے کہ ماخذ ومدرک احکام دو چیزیں ہیں۔ قرآن وسنت لہٰذا بقول ان کے اس حدیث میں ماخذ احکام فقط قرآن کو بتلایا گیا ہے لہٰذا اس سے بجائے تائید کے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔ جناب کی خوش فہمی وخوش سلیقگی کا یہ عالم ہے کہ اپنی تائید وتردید میں فرق نہیں کر سکتے بات دراصل یہ ہے کہ چونکہ ملا صاحب حسبنا کتاب اللہ کہنے والے خلافت ماب کے مریدوں میں سے ہیں۔ لہٰذا گو تکلف میں تصنع کر کے قرآن کے ساتھ بعض اوقات ضرورت حدیث پر زور دے بیٹھے ہیں لیکن بمصداق ''کل شی یرجع الی اصلہ'' بار بار مجبوراً اپنے اصل روپ میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

رابعاً (۴) اگر ان تمام امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اس حدیث کو شیعی حدیث فرض کر کے اور (بنا بر زعم مولف) اس کو مشہور حدیث ثقلین کے معارض ومخالف سمجھا جائے۔ جب بھی مشہور حدیث کو اس پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ مشہور عند الفریقین بلکہ

متواتر حدیث ہے اور مکرر ثابت کیا جاچکا ہے کہ تعارض و اختلاف روایات کے وقت مشہور حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے چنانچہ اسی احتجاج طبری کے صفحہ ۲۹۵ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا "خذ بما اشتہر بین اصحابک ودع الشاذ النادر" (و قد تقدم فی الفصل السابق) نیز اسی صفحہ پر مولف لکھتے ہیں۔ "وروی عنهم علیهم السلام انهم قالو اذا اختلف احادیثنا علیکم فاخذوا بما اجتمعت علیه شیعتنا انهم لا ریب فیه" یعنی آئمہ علیہم السلام سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب ہماری روایات میں تمہارے نزدیک اختلاف ہو جائے تو بس روایت پر ہمارے شیعوں کا اتفاق ہو اس پر عمل کرو۔ کیونکہ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ بحمدہ تعالیٰ یہ امر باب اول میں بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ مبین و مبرھن ہو چکا ہے لہٰذا اس کے خلاف کسی روایت کو کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے؟ بہت دور نہ جایئے اسی احتجاج طبری پر ایک طائرانہ نظر کرنے سے سات مقام پر وہی مشہور حدیث نظر قاصر سے گزری ہے۔ (۱) صفحہ ۳۵ بضمن خطبہ آنحضرتؐ بمقام غدیر خم (۲) صفحہ ۴۴ بضمن خطبہ آنحضرتؐ در مرض الموت (۳) صفحہ ۷۹ بضمن احتجاج حضرت امیر المومنین علیہ السلام بار باب شوری (۴) صفحہ ۱۴۰ بضمن احتجاج حضرت علی باصحاب رائے و قیاس (۵) صفحہ ۷۶ بضمن احتجاج آنجناب بر صحابہ رسولؐ (۶) صفحہ ۲۰۷ بضمن احتجاج مومن طاق بحضر ابی نعیم نخعی (۷) صفحہ ۲۴۹ بضمن رسالہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام بنام اہل اھواز اس میں آنجناب نے بہت زور دار الفاظ میں آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کی روشنی میں اس حدیث شریف کا صحیح اور متفق علیہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ ممکن ہے ان مقامات کے علاوہ اس کتاب کے دیگر مقامات پر بھی یہ حدیث شریف مذکور ہو۔ لیکن سردست یہی سات مقام نظر سے گزرے ہیں۔

اور ان تمام مقامات پر تقریباً بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ حدیث مذکور ہے جو ہم نے سرنامہ کتاب پر لکھی ہے بخلاف اس پیش کردہ روایت کے کہ وہ ان الفاظ کے ساتھ بس اسی ایک مقام یعنی صفحہ ۱۴۶ پر موجود ہے۔ بلکہ خود امام حسن علیہ السلام کا اسی مشہور حدیث کے ساتھ

احتجاج کرنا کتب اہل سنت میں مذکور ہے۔ جیسا کہ ہم باب چہارم میں اس حدیث شریف کے ساتھ آئمہ اہل بیت کے استدلال کرنے کے ضمن میں بیان کریں گے انشاء اللہ۔

واضح ہو گیا کہ اس حدیث کو ملا صاحب کے زعم کی بنا پر مشہور حدیث ثقلین کے معارض سمجھا جائے تو اسی مشہور حدیث کو بحسب قواعد واصول ترجیح دینا لازم وواجب ہے۔

خامساً بارہا گفتہ ام وبار دیگر می گویم ان دو حدیثوں کے درمیان ہرگز کسی قسم کا تعارض وتناقض نہیں ہے۔ کیونکہ ہم باب اول فصل اول میں اس حدیث شریف کے اختلاف الفاظ کے وجوہ کے ضمن میں محقق ومبرہن کر آئے ہیں کہ اختلاف الفاظ وعبارات کی عمدہ وجہ متعدد مقامات پر اس کا آنحضرت کی زبان وحی ترجمان سے صادر ہونا ہے (یعنی محض مختلف اوقات ومقامات میں کئی بار آنحضرتؐ کے ارشاد فرمانے کی وجہ سے بعض الفاظ وعبارات حدیث میں اختلاف پایا جاتا ہے) لیکن یہ اختلاف اس کے اصل مقصد ومطلب پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام الفاظ ایک ہی محور کے گرد گھوم رہے ہیں۔ مزید تحقیق کے لئے اس باب کی فصل سوم کی طرف رجوع فرمائیں پس چونکہ دونوں قسم کے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث صحیح تھی۔ لہذا آئمہ علیہم السلام موقع ومحل کی مناسبت سے اس کے ساتھ استدلال کیا کرتے تھے۔ اگرچہ تمام طرح کے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث شریف آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی امامت وخلافت پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن مشہور الفاظ اس مقصد پر بطریق اتم دلالت کرتے ہیں۔ بخلاف اس پیش کردہ حدیث کے الفاظ کے کہ یہ وجوب محبت پر دلالت کرنے میں زیادہ ظہور رکھتے ہیں۔ بنابر صحت واقعہ چونکہ یہ مقام ایسا تھا کہ جس میں حضرت امام حسنؑ ان لوگوں کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں جو آپ اور آپ کے والد ماجد حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ نصب وعداوت رکھنا اپنا جزو دین سمجھتے تھے۔ لہذا مقتضائے مقام یہ تھا کہ آنجناب ان کے سامنے اپنی اور اپنے والد بزرگوار کی مودت ومحبت کا وجوب ثابت کریں۔ اس لئے اس حدیث شریف اور اسی قسم کے دیگر آیات وروایات کے ساتھ احتجاج فرمایا ہے سچ ہے "لکل مقام کلام" یعنی ہر سخن جائے وہر نکتہ مقامے دارد؟ ولکن لایعقلھا الا العالمون۔

(۶) ملا صاحب بار بار اس امر پر زور دے رہے ہیں۔ کہ ماخذ و مدرک احکام فقط کتاب اللہ ہے (بضمیمہ سنت) لہذا ہم ان سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے اجماعی وشورائی خلفا اور آئمہ اربعہ کی متابعت و پیروی کس لئے واجب ولازم جانتے ہیں؟

امید ہے کہ وہ جواب میں یہی فرمائیں گے۔ کہ "چونکہ یہ حضرات مبین مسائل حلال وحرام و مفسر شریعت اسلام ہیں لہذا ان سے اخذ احکام کرنا قرآن و حدیث کے مدرک مصدر احکام ہونے پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ ٹھیک اسی طرح ہم گذارش کرتے ہیں۔ کہ ہم بھی آئمہ ہدیٰ کو مؤسس دین اور مشرّع شریعت اور مقنن قانون نہیں جانتے بلکہ شریعت مقدسہ اسلامیہ کو بیان کرنے والا سمجھتے ہیں۔ لہذا ہم دونوں اس امر میں متفق ہیں کہ حضرت ختمی مرتبتؐ کے بعد کچھ مفسران قرآن و مبین دین اسلام کی ضرورت ہے فرق صرف اتنا ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کے بعد فلاں وفلاں کو اس منصب جلیل پر متمکن کر دیا اور ہم بمطابق فرمودہ خدا اور رسول آئمہ اہلبیت کو اس عہدۂ جلیلہ کا مستحق سمجھتے ہیں۔ ہمارے ان کو امام مفترض الطاعۃ جاننے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بزرگوار قرآن وسنت کے علاوہ کچھ احکام جاری فرماتے ہیں۔ جن میں ہم ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں (معاذ اللہ) ان کے ارشادات تمام تر قرآن وسنت کی صحیح تفسیر و تشریح ہوا کرتے ہیں۔ اور اسی لئے ہم امام میں عصمت ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ وہ تفسیر قرآن اور حدیث کے بیان میں اشتباہ کر کے ہمیں بجائے جادۂ رشد و ہدایت پر چلانے کے کہیں چاہ ضلالت میں نہ ڈال دیں۔ خود ان بزرگواروں کے احادیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ مقدمات تفسیر صافی ص ۱۴ پر اصول کافی سے ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ "عن سماعة عن ابی الحسن موسیٰ قال قلت له اكل شئی فی كتاب الله و سنة نبيه او تقولون فيه قال بل كل شئی فی كتاب الله و سنته نبيه "یعنی شیخ کلینی قدس سرہ باسناد خود سماعہ سے روایت کرتے ہیں۔ سماعۃ کا بیان ہے۔ کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آیا ہر چیز (جو آپ بیان کرتے ہیں) قرآن و سنت میں موجود ہے۔ یا آپ اپنی طرف سے بھی کچھ ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! نہیں بلکہ ہر چیز قرآن و سنت

میں مذکور ہے۔ اس کے بعد آنجنابؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہم جو کچھ بیان کریں تم بیشک ہم سے دریافت کیا کرو کہ قرآن وسنت میں یہ کہاں موجود ہے؟ چنانچہ مذکور ہے کہ اس کے بعد کچھ لوگوں نے آنجناب سے استفسار بھی کیا اور آنجنابؑ نے فوراً قرآن و سنت سے اس کا ثبوت بہم پہنچایا۔ لہٰذا واضح ہوگیا کہ آئمہ اہل بیتؑ کو امام مفترض الطاعۃ سمجھنے سے قرآن وسنت کے ماخذ و مدرک احکام ہونے کو ہرگز کسی قسم کی ٹھیس نہیں پہنچتی بلکہ ان کے مدرک احکام ہونے میں اور استحکام پیدا ہوجاتا ہے[1]۔

(۷) یہی حدیث جس کو جناب ملا صاحب نے اپنی خوش فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے بزعم خود ہمارے خلاف تصور کیا ہے۔ دو طرح سے ہمارے مذہب کی حقانیت اور صداقت پر دلالت کرتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اتنا تو ملا صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں اہل بیت سے محبت کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ محبت کے دو رکن رکین ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک رکن میں بھی کچھ نقص پیدا ہوجائے تو محبت ناقص ہوجاتی ہے۔

---

[1] کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جس شخص کے خلیفہ صاحب تمام عمر "حسبنا کتاب اللہ" کی رٹ لگائیں اور احادیث نبویہ بیان کرنے والوں کی تازیانوں سے تواضع کریں۔ (الفاروق شبلی نعمانی) اور جس کے دیگر آئمہ وابنائے مذہب کی بجائے ایک دو کے چار مدارک و ماخذ احکام کے قائل ہوں وہی شخص آج حضرات شیعہ خیر البریہ کے مقابلہ میں قرآن وسنت کے ماخذ و مدرک احکام ثابت کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ تمام دنیا جانتی ہے۔ کہ اہل سنت اور بالخصوص حنفی حضرات کے یہاں استنباط احکام کے چار مدرک ہیں۔ قرآن وحدیث واجماع وقیاس ان کی کتب اصول فقہ کو اٹھا کر دیکھئے۔ بڑھ کر دیکھئے۔ بڑے واشگاف لفظوں میں یہ ملے گا۔ کہ اصول الفقہ اربعہ کتاب اللہ و سنۃ الرسول و اجماع الامۃ والقیاس (اصول شاشی مسلم الثبوت وغیرہ) بلکہ ان کے بہت سے علماء اجماع وقیاس کو قرآن وسنت پر بھی مقدم سمجھتے ہیں ملاحظہ ہو اصول کرخی جس میں صراحتاً مذکور ہے کہ قول صحابہ ناسخ قرآن وسنت ہوسکتا ہے۔ اصول شاشی میں لکھا ہے کہ جب احادیث مخالف قیاس ہوں تو وہ ناقابل حجت سمجھی جائیگی یہی وجہ ہے کہ ان کے امام اعظم کی کئی فتوے قرآن وسنت کے

(رکن اول)

یہ ہے کہ محب محبوب کے ہر قول و فعل میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اگر زبانی دعوئے محبت تو کیا جائے لیکن رفتار و گفتار و پندار میں محبوب کی متابعت نہ کی جائے تو ایسی محبت ارباب دانش کے نزدیک درجہ کمال سے ساقط سمجھی جاتی ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے:

تعصی الالہ و انت تظہر حبہ
ہذا محال فی القیاس بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعتہ
ان المحب لمن یحب مطیع

اردو دان حضرات کتاب الظفر المبین ملاحظہ فرمائیں) اگر کہا جائے کہ آخری دو مدرک بھی قرآن و سنت ہی سے مستفاد ہیں۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ قیاس وہ بری چیز ہے جس کی مذمت سے قرآن و حدیث چھلک رہے ہیں بلکہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "ان اول من قاس ابلیس قال خلقنی من نار و خلقتہ من طین" (ملاحظہ ہو مکالمہ حضرت صادق با ابوحنیفہ حیوۃ الحیوان دمیری ج ۲ ص ۸۹، ۹۰ طبع مصر) اسی طرح اجماع کی حجیت پر قطعاً کوئی آیت یا صحیح روایت موجود نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات شیعہ کثر ہم اللہ فی البریہ کا قیاس کے بطلان پر اتفاق ہے۔ اور اجماع کو جو علما حجت سمجھے ہیں۔ وہ بھی اس بنا پر کہ جب اس میں قول معصوم داخل ہو چنانچہ محقق حلی اعلی اللہ مقامہ مقدمہ کتاب معتبر میں فرماتے ہیں "اما الاجماع فعندنا ہو حجۃ بانضمام المعصوم فلو خلا المأۃ من فقہائنا عن قولہ لما کان حجۃ و لو حصل فی اثنین لکان قولہما حجۃ لاباعتبار اتفاقہما بل باعتبار قولہ" یعنی اجماع ہمارے نزدیک اس صورت میں حجت ہے کہ جب اس میں قول معصوم شامل ہو۔ لہذا ہمارے سو فقہا کے قول میں قول معصوم شامل نہ ہو تو وہ حجت نہ ہوگا اور اگر دو شخصوں کے قول میں قول معصوم شامل ہو جائے تو ان کا قول حجت ہوگا اور صاحب المدارک نے لکھا ہے کہ "الاجماع حجۃ مع القطع بدخول قول المعصوم فی جملۃ اقوال المجمعین اور یہی دوسرے علماء محققین کا نظریہ ہے۔ (منہ عفی عنہ)

تو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر دعوایہ کرتا ہے کہ تو اس کا محب ہے یہ بالکل محال اور انوکھا امر ہے۔ اگر واقعاً تیری محبت سچی ہوتی تو یقیناً اسکی اطاعت کرتا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر محب اپنے محبوب کا مطیع و فرمابردار ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ایک وجدانی امر ہے۔ جس پر کسی دلیل و برہان کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است۔ واضح ہے۔ کہ جس کی اطاعت مطلقہ واجب و لازم قرار دیجائے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ معصوم ہو اور وہ ذوات مقدسہ جن کے لئے عصمت کا ہونا لازمی وضروری ہے وہ یا انبیاء ہوتے ہیں یا اوصیاء اور جب یہ بزرگوار جن کی محبت کو یہاں واجب قرار دیا جائے۔ انبیاء تو یقیناً نہیں تو اقلاً انہیں اوصیاء تو ماننا ہی پڑے گا۔ لہٰذا محبت کے رکن اول سے ہمارے مذہب کا ایک رکن یعنی امامت آئمہ اثنا عشر بھی ثابت ہو گیا۔

(رکن دوم)

یہ ہے کہ محب کے لئے لازم ہے کہ اپنے محبوب کے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے عداوت و دشمنی رکھے۔ یہ امر بھی مثل سابق ایک ایسا فطری و وجدانی امر ہے۔ جس کی اثبات کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

تو دعدوی ثم تزعم اننی

صدیقک ان الرائی عنک لعازب

یعنی تو میرے دشمن سے دوستی کرتا ہے اور پھر یہ گمان بھی کرتا ہے کہ تو میرا دوست ہے معلوم ہوتا ہے تیری عقل و دانش تجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے خلفاء اور خدا اور رسول کے مقرر کردہ آئمہ ہدیٰ کے درمیان نہایت مخالفت و منافرت اور مخاصمت تھی اس امر کے تفصیلی ثبوت کے لئے ہماری کتاب "اثبات الامامت" ملاحظہ ہو' لہٰذا جب اہل بیتؑ کی محبت واجب و لازم قرار دی گئی ہے

ان کے اعداء سے بیزاری اختیار کرنا بھی لازم ہوگا۔ یہی امر ہمارے مذہب حق کا دوسرا بڑا رکن ہے یعنی۔ تولا وتبرا۔ پس محبت کے رکن دوم سے ہمارے مذہب کا یہ دوسرا رکن بھی ثابت ہوگیا۔ اور ان دو رکنوں کے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے مذہب کی حقانیت وصداقت بھی روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہوگی۔

والحمد الله علی وضوح الحجة و کشف المحجة

(فائدہ) معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب وجوب محبت اہل بیت کو ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ ان کا یہ سمجھنا سراسر اشتباہ ہے۔ مودت ومحبت اہلبیتؑ کوئی معمولی چیز ہوتی تو خداوند عالم اس کو اجر رسالت کے طور پر امت مسلمہ پر واجب قرار نہ دیتا۔ ارشاد قدرت ہے قل لا اسئلکم علیه اجر الا المودة فی القربی۔ تقریباً تمام مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے۔ (جنہوں نے اختلاف کیا ہے انہوں نے بھی اس کو ایک قول ضرور شمار کیا ہے) کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! من قرابتک الذین وجبت علینا مؤد تھم فقال علی و فاطمه و ابناها) یا رسول اللہ آپ کے وہ رشتہ دار کون ہیں؟ جن کی محبت ہمارے اوپر واجب قرار دی گئی ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ علی اور فاطمہ اور ان کے دو بیٹے (حسن وحسین) ہیں "اگر لفظ ابناؑ" کو بصیغہ جمع پڑھا جائے تو یہ لفظ دیگر آئمہ طاہرین علیہم السلام کو بھی شامل ہو جائے گا۔ اور بصورت صیغہ تثنیہ دوسرے آئمہ کو شامل نہ ہوگا۔ بنابریں شاید ان کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ چونکہ وہ ابھی تک منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئے تھے۔ لہذا فقط موجودہ حضرات کے ذکر پر اکتفاء کی گئی ہے۔ اور جب ان موجودہ حضرات نے دوسرے بزرگوں کو بھی اس امر میں شریک قرار دیا تو ہم بھی ان کو اس میں داخل سمجھتے ہیں۔ واضح ہے کہ اس وجوب محبت ومودت کی غرض وغایت اور اس پر جو فائدہ مرتب ہونے والا تھا۔ چونکہ اسکی بازگشت خود افراد امت ہی کی طرف تھی۔ اس لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرمادیا قل ما سئلتکم فھو لکم! اے رسول کہدو کہ میں نے جو کچھ تم سے مانگا ہے وہ

تمہارے نفع کے لئے ہے۔ اس سے مقصود ایزدی یہ تھا کہ لوگ ان حضرات کی امامت و

وصایت کا اقرار کریں اور ان کے نقش قدم پر چل کر فلاح دارین ونجاح کونین حاصل کریں۔

لیکن افسوس بایں ہمہ تاکید بجائے ان کی مودت ومحبت واتباع اور اقتداء کرنے کے امت نے

جوسلوک اہلبیت کے ساتھ کیا۔ رہتی دنیا تک اس میں اہل ایمان وایقان کے گریہ وبکا کا کا

سامان موجود ہے۔ انا لله و انا اليه راجعون و سيعلم الذين ظلموا اى منقلب

ينقلبون۔

بعد ازیں مضمون نگار صاحب نے چند جملے اصول کافی اور نہج البلاغہ سے نقل کرکے

بزعم خود ان سے اپنی تائید حاصل کرنا چاہی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

(حدیث اول) شیعہ کی مشہور کتاب اصول کافی ص ۴۵ پر مذکور ہے ''عن ابن ابی عمیر عن

بعض اصحابه قال سمعت ابا عبدالله عليه السلام يقول من خالف كتاب الله و

سنة محمدؐ فقد كفر'' ابن ابی عمیر اپنے بعض اساتذہ سے (اصحاب کا ترجمہ اساتذہ کیا گیا

ہے علم ومعرفت ملاحظہ ہو) سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ

سے سنا آپ فرماتے تھے۔ کہ جس نے خدا کی کتاب اور سنت محمد کی مخالفت کی وہ کافر ہوگیا۔

پھر (نوٹ) کے عنوان سے رقمطراز ہیں

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کے کافر ہونے کا دارومدار قرآن کی اور محمدؐ کی سنت کی

مخالفت پر ہے تو جب کفر کی مدار ان دونوں کی مخالفت پر ہے۔ تو ایمان کی مدار ان دو چیزوں کو

تسلیم کرنے پر ہوگی''۔

(حدیث دوم) قال الامام جعفر الصادق كل شئى مردود الى كتاب الله و السنة

---

[1] مخفی نہ رہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا خصوصی ادلہ کی بنا پر سلسلہ امامت سے خارج ... تغفل ... (منہ عفی عنہ)

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ہر مسئلہ خدا کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت کی طرف لوٹایا جائیگا۔

(حدیث سوم) ص ۳۹ اصول کافی میں ہے حضرت امام مہدیؑ نے فرمایا ینظر فما وافق حکمه حکم الکتاب و السنة و خالف العامة فیؤخذ به پس دیکھنا چاہیے جس کا فیصلہ قرآن وسنت کے فیصلہ کے مطابق اور سنیوں کے مخالف ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

(نوٹ) اس حدیث شریف میں بھی عمل کی مدار قرآن وسنت کی مطابقت پر رکھی ہے یہاں پر اس چیز کو داخل نہیں کیا گیا جس کو ہمارے شیعہ بھائی اصل الاصول قرار دے رہے ہیں" (الفاروق ص ۸) پھر (ص ۹) پر نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۰۳ سے حضرت علیؑ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے جس میں آنجنابؑ نے آیت اطیعو اللہ الخ کے ذیل میں خدا اور رسولؑ سے فیصلہ کرانے کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "الرد الی الله الاخذ بمحکم کتابه والرد الی الرسول الاخذ بسنته الجامعة غیر المفرقة" یعنی خدا کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن سے تمسک کیا جائے اور رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سنت سے تمسک کیا جائے جو "مسلمانوں کو جمع کرنے والی ہے تفریق کرنے والی نہیں ہے (نوٹ) حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہ کی اس حدیث شریف میں واضح طور پر بتلا دیا گیا ہے۔ کہ اصل الاصول قرآن حکیم کی رو سے قرآن اور حدیث رسول ہیں الخ (الفاروق ص ۹) پھر ص ۱۰ پر فرماتے ہیں "دیکھو نہج البلاغہ ج ۲ ص ۸ فان تنازعتم فی شئی الخ فردوه الی الله ان نحکم بکتابه و ردوه الی الرسول ان نأخذ بسنته اس کا ترجمہ ابھی اوپر مذکور ہو چکا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں (نوٹ) دیکھو نہج البلاغہ جلد دوم ص ۴۵ حضرت علی کی یہ حدیث بھی حدیث ثقلین کی تشریح کے لئے کافی ووافی ہے مگر انصاف شرط ہے۔

(حدیث ششم) دیکھو نہج البلاغہ جلد دوم ص ۴۵ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ایک وصیت ہے فرماتے ہیں "اما وصیتی فالله لا تشرکوا به شیأ و محمد صلی الله علیه و آله

وسلم فلا تضیعو سنتہٗ اقیمو ھذین العمودین و اوقد وا ھذین المصباحین بہر حال میری وصیت تو یہ ہے کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اور آنحضورؐ جو ہیں تو آپکی سنت کو ترک نہ کرنا۔ ان دونوں ستونوں کو کھڑا کرنا اور ان دونوں چراغوں کو روشن رکھنا بعدازاں نوٹ کے عنوان سے لکھا" آپ نے اس نصیحت کو وصیت کہہ کر اس کی اہمیت کو خوب واضح کر دیا۔ اور آخر میں جوان دونوں چیزوں کو ستون اسلام اور مصباح دین کا لقب دیا ہے۔ تو حدیث کی تشریح کو آخری نقطے پر پہنچا کر دم لیا ہے۔ (الفاروق ص ۱۱ مجریہ ۱۰ جون ۱۹۵۸ء)

آخر میں لکھتے ہیں کہ کہاں ہیں آج وہ لوگ جو دن رات حدیث ثقلین کا وظیفہ کرتے ہیں اس کے معانی و مصادیق کو مدینہ علوم سے سیکھیں یا پھر اپنے دعوائے تشیع پر نظر ثانی کریں۔

الجواب بتائید رب العباد

مضمون نگار نے ان جملوں اور فقروں کو حدیث اول و حدیث دوم ---- الخ کے عنوان سے لکھ کر مواد بڑھانے کی کوشش کی ہے حالانکہ ان تمام کا مآل و ماحصل ایک ہی ہے۔ ہم نے ان کی خاطر انکی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ بہر حال ملا صاحب کا ان فقروں سے اپنے زعم باطل کی تائید حاصل کرنا بچند وجہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور یہ حدیثیں ان کے دعوی سے کوسوں دور ہیں۔

اولاً اس لئے کہ آئمہ طاہرینؑ کے یہ فرامین ہمارے محل نزاع سے بالکل خارج ہیں ملا صاحب ثابت تو یہ کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث ثقلین میں صحیح الفاظ کتاب اللہ وسنتی ہیں نہ کہ کتاب اللہ وعترتی" اور یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ ان حدیثوں کو اس مطلب سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بھلا کتاب وسنت کا کون مسلمان منکر ہے۔ ہمیں مولوی صاحب کے اختلال حواس پر رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ موصوف کے دل و دماغ پر باطل

نوازی کا ایسا بھوت سوار ہے جو ان کو ہر قسم کے تامل و تدبر سے باز رکھتا ہے۔ اور وہ اپنے مقصد کے اثبات کے دھن میں ہر رطب و یابس جمع کئے جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں آیا اس کا ان کے مدعا سے کوئی ربط و تعلق بھی ہے یا وہ الٹا انکے دعویٰ کے خلاف پر دلالت کر رہا ہے سچ ہے **لا تعمی الابصار بل تعمی القلوب التی فی لصدور**۔ ہاں البتہ ان ارشادات میں قرآن مجید کے علاوہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت مقدسہ کی متابعت و پیروی کرنے کا ضرور حکم دیا گیا ہے۔ مگر اس سے پیغمبر اسلام کے کسی کلمہ گو کو انکار ہے؟ مضمون نگار نے ہمارے مقابلہ میں بلا وجہ ضرورت حدیث ثابت کرنے کے لئے اپنا وقت قلم اور کاغذ ضائع کیا ہے ہم نے سنت نبویہ کی پیروی یا ضرورت حدیث کا کب انکار کیا ہے؟ تا کہ یہ صاحب اس قسم کی حدیثیں لکھ کر ہم سے اقرار کرانا چاہتے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانان عالم سے بڑھ کر صحیح سنت نبویہ کی اتباع کرتے ہیں۔ اور اس کا خود مضمون نگار کو بھی اعتراف ہے۔ چنانچہ وہ بذیل حدیث نبوی طراز ہیں ”حدیث نبوی سے نہ شیعہ کو انکار ہے نہ سنی کو۔ ہاں ہمارے زمانہ کے پرویزی ل حدیث نبوی کے منکر ہو رہے ہیں“ اسے کہتے ہیں۔

ع۔ **الفضل ما شهدت به الاعداء**۔ موصوف اقرار کر رہے ہیں کہ شیعوں کو یث نبوی کا انکار نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر انکار ہے تو پرویزیوں کو۔ تو پھر ان کے سامنے ات سنت و حدیث کے دلائل پیش کریں۔ جو پہلے ہی اقراری ہیں ان سے کس بات کا اقرار رانا چاہتے ہیں؟ اس لئے انصاف تو یہ تھا کہ ملاں صاحب عنان قلم کو پرویزیوں کی طرف تے یا اپنے ہم وطن مولوی عبداللہ چکڑالوی اور اسکے اتباع کی طرف پھیرتے جو بڑی دیدہ ری سے احادیث نبویہ کے انکار پر اصرار کر رہے ہیں۔ اور اگر ضروری سمجھتے تو ہم سے مداد کرتے تو ہم بڑی خوشی سے ان کی مدد کرتے کیونکہ ہمارے پاس ضرورت حدیث پر ان بہتر دلائل و براہین موجود ہیں۔ والحمد للہ

بہر حال مقر سے اقرار کرانا تحصیل حاصل کے زمرہ میں آتا ہے جو عقلمندوں کا طریقہ کار نہیں ہے اگر کسی منکر سے اقرار کراتے تو ہم بھی داد و تحسین پیش کرتے۔

ثانیاً اس لئے کہ ان احادیث وارشادات سے مضمون نگار نے جو یہ استنباط کیا ہے کہ ''اصل الاصول قرآن حکیم کی رو سے قرآن و حدیث رسول ہیں'' اور انہی پر مدار عمل ہے اور یہ کہ عترت کو اسمیں داخل نہیں کیا گیا۔ تو اس کا جواب خود انہی کی نقل کردہ احادیث میں موجود تھا۔ اگر ان کا مقصد تحقیق حق کرنا ہوتا تو نقل احادیث میں کتر و بیونت نہ کرتے بلکہ ان کو من و عن نقل کرتے۔ مگر ان کا تو مدعا ہی حق و حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے اور کذب و زور کا مظاہرہ کرنا تو پھر وہ پوری حدیث نقل کرکے کس طرح حقائق کو بے نقاب کرسکتے تھے؟ لیجئے یہ خدمت ہم سرانجام دیتے ہیں۔ سچ ہے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

مگر اس سے پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لیجئے کہ ہمارے آئمہ ہدیٰ کے نصوص امامت و دلائل خلافت اور ان کے دوسرے فضائل و مناقب قرآن و سنت کی حدود سے خارج نہیں ہیں بلکہ وہ سب قرآن و سنت میں ہی موجود و مذکور ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ ذوات مقدسہ لوگوں کو قرآن و سنت میں غور و فکر کرنے کا حکم دیتے تھے اور انکو اسکی ترغیب و تحریص دلاتے تھے تاکہ جب لوگ اس طرف متوجہ ہوں گے تو ان کے نصوص امامت اور دیگر حقوق واجبہ ان پر واضح و عیاں ہوجائیں گے۔ چنانچہ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۸ طبع مصر پر مذکور ہے کہ حضرت امیر المومنین نے بمقام صفین قضیۂ تحکیم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ لما دعانا القوم الی ان نحکم بیننا القرآن لم نکن الفریق المتولی عن کتاب اللہ تعالی و قد قال اللہ سبحانہ فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ و الرسول فالرد الی اللہ ان نحکم بکتابہ و الرد الی الرسول ان ناخذ بسنتہ فاذا حکم بصدق فی کتاب اللہ فنحن

قوم (ہواخواہان معاویہ) نے ہمیں دعوت دی کہ قرآن کو اپنا حکم قرار دیں تو ہم نے یہ چاہا کہ ہم قرآن سے پیٹھ پھیرنے والا گروہ نہ بنیں کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں تمھارے درمیان جھگڑا ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی جانب لوٹاؤ۔ پس خدا کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسکی کتاب کے مطابق حکم کریں اور رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کی سنت کو اختیار کر کے اس پر عمل کریں لہٰذا جب حق وصدق کے ساتھ قرآن سے فیصلہ لیا جائے تو ہم تمام لوگوں سے اس امر (خلافت) کے زیادہ حق دار ہیں اور گر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق حکم کیا جائے تو ہم تمام لوگوں سے زیادہ اس کی اہلیت رکھتے ہیں'' مولوی صاحب نے اس کلام کا صرف ایک ناقص حصہ نقل کیا ہے۔ اور تی سے عمداً پہلوتہی کر گئے۔ واضح ہے کہ جب تک متکلم کے کلام کے سیاق وسباق کو مدنظر نہ کھا جائے تب تک اس کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اپنے اس کلام حق ترجمان سے نجناب کی آخری وصیت کی اصل حقیقت بھی سمجھ میں آگئی جسمیں قرآن وسنت کے ستونوں کے قائم کرنے اور ان دو چراغوں کو روشن کرنے کا حکم دیا ہے۔ واضح ہوگیا کہ آنجناب کا اپنی ں فرمائش سے مقصد یہی تھا کہ جب لوگ صحیح معنوں میں قرآن وسنت کی قندیلیں روشن ریں گے تو انکی ضو پاشی میں ان پر آئمہ طاہرین کی امامت وخلافت کے نصوص واضح جائینگے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ ان ارشادات سے مولوی صاحب کی مطلب برآری ہیں ہوتی بلکہ اس سے ہمارے مدعا کی تائید مزید ہوتی ہے۔

(ثالثاً)

اس لئے کہ قرآن وسنت کے مدرک وماٴخذ احکام ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ہ وہ کسی مفسر ومبین کی تفسیر وتشریح کے بھی محتاج نہیں ہیں جیسا کہ بعض عدیم البصیرت لوگ ان کرتے ہیں بموجب کلمۃ حق یراد بہا الباطل'' اس سے غلط مراد لی جاتی ہے۔ چونکہ قرآن

وسنت محکم و متشابہ، عام و خاص، مطلق و مقید، مجمل و مفصل اور ناسخ و منسوخ وغیرہ اقسام پر
مشتمل ہیں جنکی صحیح معرفت سوائے الراسخون فی العلم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس امر
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت امیرؑ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۷ پر فرماتے ہیں و هذا القرآن
انما هو خط مسطور بین الدفتین لا ینطق بلسان و لا بدله من ترجمان و انما
ینطق عنه الرجال "یعنی قرآن مجید جو بین الدفتین لکھا ہوا ہے وہ بذات خود تو بول نہیں سکتا
اس لئے اس کے لئے ایک مترجم کا ہونا ضروری ہے" خاص لوگ ہی اس کی ترجمانی کر سکتے ہیں
یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے ہذا کتاب اللہ الصامت و انا کتاب اللہ الناطق کہ
ایں قرآن قرآن صامت است و من قرآن ناطقم" (ازالۃ الخفاء ج ا ص ۱۵۳) بنابریں قرآن
سنت کی تبیین و تفسیر اور توضیح کے لئے کچھ افراد کاملہ و نفوس زاکیہ کی ضرورت ہے۔

چنانچہ اسی غرض و غایت کی تکمیل و تتمیم کے لئے حکیم مطلق نے خدا و رسول کی
اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اور ان کی اطاعت کو مثل اطاعت
رسول بغیر کسی زمان و مکان اور بغیر کسی قول و فعل کی قید و شرط کے ہر حال میں واجب و لازم
قرار دیا ہے۔ (جو ان کی عصمت کی بہترین دلیل ہے) ہاں ان حضرات کی تشخیص و تعیین
قرآن و سنت کی روشنی میں کی جائے گی۔ سردست اس مشکل کو نہج البلاغہ سے عالم ربانی و مفسر
قرآن حضرت امیر المومنینؑ کی زبانی حل کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۴۳
آنجنابؑ تمسک بالقرآن کی ترغیب و تحریص دلانے کے بعد فرماتے ہیں۔ فالتمسوا ذلک
من عند اهله فانهم عیش العلم و موت الجهل الذین یخبر کم حکمهم عن
علمهم و صمتهم عن منطقهم و ظاهر هم عن باطنهم لا یخالفون الدین و لا
یختلفون فیه فهو بینهم شاهد صادق و صامت ناطق یعنی ان (معانی قرآن) کو ان
کے اہل سے طلب کرو (فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون) کیونکہ وہ علم و عرفان

وفیصلہ ان کے علم و عرفان اور ان کی خاموشی ان کی گفتگو اور ان کا ظاہر ان کے باطن کی تمہیں خبر دے گا وہ کبھی کسی امر میں دین کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ ہی اس میں اختلاف کرتے ہیں اور یہ قرآن ان کے درمیان ایک شاہد صادق اور صامت ناطق ہے۔ گو ان اوصاف جمیلہ اور نعوت جلیلہ کا ذکر کر دینا موصوفین کی تصریح کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے کیونکہ واضح ہے کہ امت محمدیہ میں اگر یہ صفات کسی فرد بشر میں موجود ہیں تو وہ آئمہ اہلبیت ہی کی ذوات مقدسہ ہو سکتی ہیں تاہم چونکہ یہ خوف تھا کہ شاید کوئی کور باطن و بے بصیرت انسان ان صفات کمالیہ کو اپنے خود ساختہ خلفاء و آئمہ پر منطبق کرنے کی سعی لاحاصل کرے۔ لہٰذا آنجناب نے ان موصوفین کی صراحت کر دی کہ وہ آل محمد علیہم السلام ہیں۔ چنانچہ آپ نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ پر بذیل عنوان من خطبہ علیہ السلام یذکر فیھا آل محمدؐ جس میں آپ نے ان ذوات مقدسہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم عیش العلم و موت الجھل۔۔۔ (الی آخر ما نقل آنفا) ۔۔۔ اس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ علم قرآن کو آئمہ اہل بیت سے حاصل کرنا چاہیئے اور ان سے اس کے معانی و مطالب حاصل کئے بغیر اور ان پر عمل کئے بغیر تمسک بالقرآن کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ اب رہا یہ کہ سنت نبویہ کو کس سے اخذ کرنا چاہیئے؟ تو ہم اس کا فیصلہ بھی سردست اسی نہج البلاغہ سے کرتے ہیں۔ چنانچہ صراط مستقیم سے منحرف شدگان مخصوص جہلاء امت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت امیر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ قد خاضوا بحار الفتن واخذوا بالبدع دون السنن ازر المؤمنون و نطق الضالون المکذبون نحن الشعار و الاصحاب و الخزنة و الابواب و لا توتی البیوت الا من ابوابھا فمن اتاھا من غیر ابوابھا سمی سارقا (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۵۸، ۵۷) یعنی یہ لوگ فتنہ وفساد کے سمندروں میں گھس گئے اور سنتوں کو چھوڑ کر بدعتوں کو اخذ کر لیا۔ مومنین منقبض وساکت ہو گئے اور گمراہ اور کاذب و مکذوب لوگ بولنے لگے۔ (ہم ہیں آنحضرتؐ کے) خواص واصحاب اور ان کے علوم کے) خزانہ دار اور (ان کے مدائن علوم) کے ابواب

اور (مدینہ علم کے) گھروں میں دروازوں ہی سے داخل ہونا چاہیئے کیونکہ جو شخص دروازوں کو چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ان میں داخل ہو تو اس کو چور کہا جاتا ہے^ا اگر اس سے بھی واضح کرآں جناب کا کلام حقائق ترجمان دیکھنا ہو تو نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۳۷،۳۶ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

این الذین زعموا انھم الراسخون فی العلم دوننا کذبا و بغیا علینا ان رفعنا اللہ و وضعھم و اعطانا و حرمھم و ادخلنا و اخرجھم بنا یستعطی الھدی و یستجلی العمی ان الائمۃ من قریش غرسوا فی ھذا البطن من ھاشم لا تصلح علی سواھم و لا تصلح الولاۃ من غیرھم یعنی کہاں ہیں وہ لوگ کہ محض ہم پر افتراء وبغاوت کرتے ہوئے یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے علاوہ وہ راسخون فی العلم ہیں۔ یہ ادعاو افترا اس لئے ہے کہ خداوند عالم نے ہمارے (مرتبہ) کو بلند کیا ہے اور ان کو پست ہمیں (فضائل وکمالات) عطا کئے ہیں اور انہیں محروم رکھا ہے۔ ہمیں (اپنے حریم قدس میں) داخل کیا ہے اور انہیں خارج رکھا ہے ہم سے رشد وہدایت طلب کی جاتی ہے اور ہمارے ہی ذریعہ سے جہل ونادانی دور ہوتی ہے۔ قریش سے ہونے والے آئمہ (جن کی آنحضرتؐ نے خبر دی

ا (لطیفہ) بعض اہل سنت حدیث شریف انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کا ایک خود ساختہ تتمہ بیان کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا وابوبکر حیطانھا وعمر سقفھا وعثمان میزابھا یعنی ابوبکر اس شہر کی دیوار اور عمر اس کی چھت اور عثمان اس کا پرنالہ ہیں علاوہ اس کے کہ یہ تتمہ بتصریح علماء اہلسنت غلط ہے۔ جیسا کہ ابن حجر مکی نے فتاوی حدیثیہ طبع مصر میں اس کا اعتراف کیا ہے اور اگر بالفرض اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے ان حضرات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ گھر میں داخل ہونا ہے تو دروازے سے ہی داخل ہونا پڑے گا اور دروازہ علیؑ ہیں۔ اور آنجناب نے واضح کر دیا کہ اگر دروازہ کو چھوڑ کر چھت یا دیوار یا پرنالہ اکھیڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کی تو چور نام رکھا جائے گا۔ اور حوالات کی ہوا کھانی پڑے گی۔ اسی لئے آنحضرت نے فرمایا تھا من ارادا لمدینۃ فلیأت من الباب کہ جو شخص میرے شہر علم میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے (علی والے) دروازہ سے آنا پڑے گا۔ (منہ عفی عنہ)

تھی کہ یکون بعدی اثناء عشر آئمة کلھم من قریش (بخاری ومسلم وغیرہ) بنی ہاشم ہی کے اسی (اپنی طرف اشارہ فرمارہے ہیں) قبیلہ سے (مقرر) کیے گئے ہیں۔ نہ امامت ان کے علاوہ کسی کو زیب دیتی ہے اور نہ ان کے سوا اور لوگ حاکم و امام بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ سنت نبویہ بھی انہی بزرگواروں سے حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ اھل البیت ادری بما فیہ ولنعم ما قیل

اذا شئت ان ترضی لنفسک مذھبا
ینحیک یوم الحشر من لھب النار
فدع عنک قول الشافعی و مالک
واحمد والمنقول عن کعب بن احبار
و ال اناساً قولھم و حدیثھم
روی جدنا عن جبریل عن الباری

اس مقام پر پہنچنے کے بعد ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت امیر علیہ السلام کا کلام نقل کرنے کے بعد جو نوٹ تحریر کیا تھا اس کو بعینہ انہی کے خلاف پیش کرتے ہوگئے گزارش کریں کہ ''حضرت علیؑ کی یہ حدیث (بلکہ احادیث) (احقر) بھی حدیث ثقلین کی تشریح کے لئے کافی وشافی ہے مگر انصاف شرط ہے۔ جی ہاں بلاشک وشبہ رباب عدل و انصاف کے لے آنجنابؑ کے یہ ارشادات مشہور حدیث ثقلین کی صداقت و حقانیت ثابت کرنے کے لئے کافی ووافی ہیں و ما علیھا من مزید کیونکہ حدیث ثقلین جو کہ امامت آئمہ اطہارؑ پر نص ہے۔ اسمیں بھی ان کی امامت کے اثبات کے ضمن میں دیگر فرائض امامت کے علاوہ مقصد یہی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ معالم دین مبین واحکام شرع متین وتفسیر قرآن حکیم وشرح سنت سید المرسلین کو انہی بزرگواروں سے حاصل کیا جائے۔ یہاں ان دونوں عہدوں کو حضرت امیرالمومنینؑ نے بتصریح تمام وتوضیح مالا کلام انہی حضرات میں منحصر

فرمادیا ہے۔ والحمد الله علی وضوح الحق و الحقیقة۔

(رابعاً) باقی رہا یہ امر کہ آیہ اولی الامر میں تنازع کے وقت اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ تو جواباً گزارش ہے کہ نظر قاصر و خاطر فاتر میں اس کے متعلق دو وجہیں آتی ہیں ایک یہ کہ چونکہ اولی الامر کا ہر حکم و فیصلہ بوجہ عصمت قرآن و سنت کے مطابق ہوتا ہے لہذا ان کی طرف رجوع کرنے کو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے سے تعبیر کر دیا گیا ہے ورنہ واضح ہے کہ اگر رفع تنازع کے لئے ان کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ تو ان کا مقرر کرنا لغو و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ ان کے مقرر کرنے کی اصلی غرض ہی یہ ہے کہ تنازعات کا ان سے تصفیہ کرایا جائے۔ اگر ہر شخص خود بخود قرآن و سنت سے اپنے تنازعات کا فیصلہ کرسکتا ہے اور اپنے مشکلات کا حل ان میں تلاش کرلیتا تو پھر اولی الامر مقرر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ دشمن کا دفاع وغیرہ تو اس امر سے کہیں سہل تر ہے کیونکہ جب مسلمانوں کے نزدیک امت مجتمع ہو کر خلیفہ منتخب کرسکتی ہے تو کیا ایک کمیٹی بنا کر دفاعی تدابیر پر غور و تامل کر کے کوئی عمدہ راہ اختیار نہیں کرسکتی؟ جب اس سے مشکل کام کو سرانجام دے سکتی ہے تو اس کی نسبت آسان کام کو کیوں انجام نہیں دے سکتی؟

دوسری چونکہ قرآن مجید بموجب یفسر بعضه بعضا اس کی بعض آیات بعض دوسری آیات کی تفسیر کرتی ہیں اس قاعدہ کی بنا پر گو اس آیت میں اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا صریح حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن ایک اور آیہ وافی ہدایہ میں اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کی تصریح کی گئی ہے۔ چنانچہ اسی سورہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔ و اذا جاء هم امر من الامن اوالخوف اذا عوابه و لو ردوه الی الرسول و الی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم یعنی جب ان کو امن یا خوف میں سے کوئی امر درپیش ہوتا ہے تو اس کو شہرت دے دیتے ہیں اگر وہ اسکو رسول اور اولی الامر کی طرف لوٹاتے

رہبری کرسکتے۔ اس آیہ کریمہ نے نہایت وضاحت کے ساتھ رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن اس میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تو اس سے کوئی بے بصیرت انسان یہ نہیں کشف کرسکتا کہ خداوند عالم کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہیں ہے کیونکہ جب دوسری آیت (اولی الامر) میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنے کا حکم موجود ہے۔ تو اس آیت کو اس آیت کی تفسیر سمجھا جائے گا۔ بعینہ اسی طرح کسی آدمی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس آیہ اولی الامر کو دیکھ کر یہ حکم لگا دے کہ اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا کوئی حکم نہیں۔ جب اس آیہ میں صریحاً حکم موجود ہے تو یہ آیت اس آیت کی تفسیر سمجھی جائے گی۔ فافہم و اغتنم!

(خامساً) ملا صاحب کا یہ کہنا (کہ جب آدمی کے کافر ہونے کی دار و مدار قرآن وسنت کی مخالفت پر ہے تو) اس کے متعلق مختصر لفظوں میں گزارش ہے کہ اگر کفر کا دار و مدار فقط قرآن و سنت کی مخالفت پر ہے تو آپ حضرات اصحاب ثلاثہ وغیرہ کے منکرین خلافت اور ان سے بیزاری اختیار کرنے والوں کو کس لحاظ سے کافر سمجھتے ہیں؟ امید ہے کہ جناب مولوی صاحب جواب میں یہی فرمائیں گے کہ ان کی خلافت کا انکار کرنا درحقیقت قرآن وسنت کا انکار ہے۔ لہذا ان کا منکر قرآن وسنت کا منکر ہے۔ اس لئے کافر ہے۔ (اگرچہ یہ کہنا غلط ہے کیونکہ خود اہل سنت کے اعتراف کے مطابق ان حضرات کی خلافت قرآن وسنت کی نص سے نہیں بلکہ

اس آیہ وافی ہدایہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ قرآن مجید سے استنباط احکام کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ بلکہ یہ فقط "اولی الامر" کا وظیفہ ہے۔ جو راسخون فی العلم ہیں قال اللہ تعالیٰ تلک آیات بیانات فی صدو الذین اوتو العلم نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ "اولی الامر" سے مراد شاہان وقت (جن میں جہال و فساق ہر قسم کے افراد موجود ہوتے ہیں) مراد نہیں بلکہ اس سے مراد آئمہ دین ہیں۔ اس کی مزید توضیح ہماری کتاب اثبات امامت الائمۃ الاطہار میں اس آیہ "اولی الامر" کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں (منہ عفی عنہ)

اجماع وشوری وغیرہ طرق کی بنا پر ہے) تاہم اس جواب سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حقیقی خلفاء رسول کا انکار درحقیقت قرآن وسنت کا انکار ہے اور یہ اپنے مقام پر محقق ومبرہن ہو چکا ہے کہ خدا اور رسول کے مقرر کردہ خلفاء یہی آئمہ اہل بیت ہیں۔ بنا بریں حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کی خلافت و امامت کا نہ صرف انکار کرنا بلکہ الٹا ان سے بغض وعداوت رکھنا بوجہ تکذیب قرآن وسنت کفر ہوگا۔ کیونکہ قرآن وسنت ان کے نصوص امامت ووصایت اور ان کے فضائل ومناقب سے مملو ومشحون نظر آتے ہیں اور اسی بیان سے یہ بھی واضح اور عیاں ہوگیا کہ جس طرح ان کی مخالفت قرآن وسنت کی مخالفت ہے اور ان کی خلافت و امامت کا انکار قرآن وسنت کا انکار ہے جس کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے تو ان کی امامت وخلافت کا اعتراف اور ان کے مدائح کا اقرار فی الحقیقت قرآن وسنت کا اعتراف و اقرار ہوگا۔ جو محض ایمان وایقان ہے۔

هم کتاب الله الا انه
هو صامت و هم کتاب ناطق
قل جاء الحق و زهق الباطل
ان الباطل کان زهوقا

(طریفہ) آپ یہ معلوم کر کے متعجب ہوں گے کہ ملا صاحب نے اپنے دعوائے باطل ومقصد عاطل پر جس قدر روایات کتب فریقین سے پیش کی ہیں۔ ان میں کسی بھی حدیث میں لفظ ثقلین موجود نہیں ہے بلکہ امرین، یا شئیین وغیرہ الفاظ وعبارات موجود ہیں۔ لہٰذا بنا بریں ملا صاحب کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ حدیث ثقلین کے صحیح کلمات تو کتاب وسنت ہیں بلکہ ان احادیث کے لئے حدیث ثقلین کا نام بھی کس قاعدہ وقانون کی رو سے تجویز کر سکتے ہیں؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ثقلین کا لفظ ان صحیح ومتواتر طرق واسانید میں مذکور ہے۔ جن میں کتاب اللہ

عترتی کے الفاظ مبارکہ موجود ہیں۔ لہٰذا وہی حدیث ثقلین کہلانے کی مستحق ہے اور یہی قرآن و عترت وہ دو گرانقدر چیزیں ہیں جو حوض کوثر پر آنحضرتؐ سے ملاقی ہونے تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی نہ وہ کہ جن کا ملا صاحب اور ان کے بعض پیروں مرشدوں نے ڈھونگ رچا رکھا ہے کیونکہ ہم نے فصول سابقہ میں بحمدہ تعالیٰ براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے مبین و مبرہن کر دیا ہے کہ صحیح و متواتر حدیث ثقلین وہی ہے جس میں کتاب خدا و عترت رسول ھدیٰ کا ذکر خیر موجود ہے اور وہ روایت جس میں کتاب اللہ و سنتی کی لفظیں موجود ہیں۔ وہ بالکل مجعول و موضوع اور مکذوب ہے[1]۔ نیز مذکورہ بالا تحقیقات سے ملا صاحب کے اس قول کا بطلان بھی واضح و عیاں ہو چکا ہے کہ حدیث ثقلین میں کوئی نہ کوئی راوی شیعہ ضرور ہے یہ محض جھوٹ ہے کیونکہ اس حدیث شریف کے اسانید متعددہ و طرق متکثرہ میں سے سوائے کسی شاذ و نادر سلسلہ سند کے اولاً تو کوئی شیعہ راوی ہے ہی نہیں اور اگر ثانیاً کسی سلسلہ میں کوئی راوی شیعہ ہے تو اس کا وجود موجب قدح نہیں کیونکہ اہل سنت کے علماء اعلام اور نقاد ان فن کی تصریحات کے مطابق صرف کسی راوی کا شیعہ ہونا اس روایت کے لئے موجب قدح نہیں۔ بخلاف اس کے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار کی جا چکی ہے کہ ملا صاحب کی پیش کردہ وہ روایات جن میں کتاب اللہ و سنتی کی لفظیں موجود ہیں ان کے راوی یا کذاب و وضاع ہیں یا پھر ناصبی و خارجی ہیں جن کی روایات علماء فریقین کی تصریحات کے مطابق ناقابل اعتبار اور ناقابل حجیت ہیں اور ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ قد جاء کم موعظة من ربکم و شفاء لما فی الصدور۔

---

[1] اس بات کی فصل سوئم میں ہم نے جو جمع بین الحدیثین کی ہے وہ معنیٰ و مفہوم کے لحاظ سے یعنی اگر قرآن و سنت والی حدیث ثقلین کے ضعف الرجال و اختلال حال سے قطع نظر کرتے ہوئے بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو دلالت اور مفہوم کے اعتبار سے ان دو حدیثوں میں کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے اس جمع و توفیق سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا اور نہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے حاشا و کلا

(عفی عنہ)

باب سوم

حدیث ثقلین پر مخالفین کے چند شبہات اور ان کے جوابات

واضح ہو کہ مضمون نگار نے اپنے مضمون کے حصہ اول سے فارغ ہونے کے بعد
ے شبہ اولی کے (کہ وہ حصہ اول کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے) خلاصہ کلام بتقدیر تسلیم کے
عنوان بزعم خود مشہور حدیث ثقلین پر چند اعتراضات فاسدہ و اشکالات کاسدہ وارد کئے
ں۔ جو ارباب عقل و دانش کے نزدیک تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودے اور کمزور ہیں۔ و ان
ہن البیوت لبیت العنکبوت اگر چہ فصل سابقہ میں ان شبہات رکیکہ کے اجمالی
ابات تو ضمناً مذکور ہو چکے ہیں۔ لیکن یہاں اس باب کے ذیل میں ان کے تفصیلی جوابات
ر کئے جاتے ہیں۔ تا کہ اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔ قل فللہ الحجة
لغه واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

فصل اول

(شبہ اولی اور اس کا جواب)

ملا صاحب نے کشف الغمہ سے فصل ششم میں نقل شدہ روایت نقل کرنے کے بعد
ان نوٹ یہ شبہ واھیہ وارد کیا ہے کہ اس حدیث کا آخری فقرہ فانظروا کیف تخلفونی
ہما جس کا ترجمہ انہوں نے یہ کیا ہے پس دیکھنا میرے بعد تم میری جانشینی کیسے کرتے ہو؟
ے معلوم ہوا کہ تمام مسلمان اس چیز میں آپ کے جانشین ہیں اور یہ جانشینی اور خلافت جب
تحقق ہو سکتی ہے کہ آنحضور بذات خود بھی ان دونوں چیزوں سے متمسک رہے ہوں۔ یہاں
ے ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ آنحضور قرآن اور اپنی حدیث یعنی سنت سے تمسک فرمایا کرتے

حدیث ثقلین کے وہ معنی مراد لئے جائیں جو شیعہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ تو لازم آئے گا
کہ حضور بھی قرآن اور اپنی عترت کی تابعداری کرتے ہوں اور عترت سے جب بارہ امام مراد
ہیں تو پھر اس اتباع اور تمسک کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ کیا کوئی شیعہ دوست کہہ سکتا ہے کہ
آنحضور بارہ اماموں میں سے کسی امام کی اتباع کیا کرتے تھے۔ کشف الغمہ جو کہ شیعہ بھائیوں
کی بڑی معتبر کتاب ہے۔ اس نے حدیث ثقلین کے وہ معنی متعین کئے ہیں جو مذہب اہل سنت
کے عین مطابق ہیں اور شیعہ حضرات کے برخلاف ہیں۔ انتہی۔ (الفاروق ۱۵ جون ۵۸ء)

(الجواب و باللہ الاستعانۃ فی قلع اساس شبہات کل جاحد مرتاب)

یہ شبہ بناء الفاسد علی الفاسد کی ایک فرد جلی ہے۔ ملا صاحب نے اس فقرہ کے مذکورہ
بلا خود ساختہ معنی کرکے اور پھر اس پر یہ شبہ عائد کرکے اپنی قلت عقل و دانش کا ثبوت پیش کیا
ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ باب خلف یخلف یا جو الفاظ اس مادہ خلف سے مشتق
ہیں وہ متعدد معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ (ملاحظہ ہوں کتب لغت مثل نہایہ ابن اثیرہ
قاموس اور المنجد وغیرہ) ہر جگہ موقع و محل کی مناسبت کے لحاظ سے ان معانی میں سے کوئی
مناسب معنی اختیار کئے جاتے ہیں۔ لکل مقام مقال عموماً اس لفظ سے مراد مطلقاً کسی جانے
والے کے پیچھے آنا ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری۔ (سنی) اپنی کتاب نہایہ میں مادہ
خلف میں رقمطراز ہیں۔ الخلف بالتحریک بالسکون کل من یجی بعد من مضی
الا انه بالتحریک فی الخیر و بالتسکین فی الشر یعنی خلف ہر اس شخص کو کہتا جاتا
ہے جو کسی جانے والے کے بعد آئے۔ لیکن اگر اس کے لام پر زبر پڑھا جائے تو اچھے معنی
میں اور اگر اس کو ساکن پڑھا جائے تو برے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح صراح
اللغات میں بھی اس کے یہی معنی لکھے ہیں۔ چنانچہ رقمطراز از خلف ۔۔۔ الخ متعدد لازم
اس کے آمدن از ضرب یعنی یہ باب خلف یخلف بروزن ضرب یضرب لازم و متعدی

دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہیں کسی کے پیچھے آنا اہل لغت کی شہادات سے معلوم ہو گیا کہ اس لفظ سے ہر جگہ فقط خلافت یعنی جانشینی مراد لینا (جو کہ مطلق پیچھے آنے کی ایک خاص قسم ہے اور اس کے مفاہیم و معانی میں سے ایک معنی ہے) قلت عقل و علم کی غمازی کرتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ یک من علم راده من عقل باید لیکن سوئے اتفاق سے ان حضرات کے ہاں علوم رسمیہ کی تو ہمیشہ بڑی بہتات رہی ہے اور ہے لیکن اگر اس کے ساتھ کسی چیز کی کمی رہی ہے اور ہے تو وہ صرف جوہر عقل ہے۔ چنانچہ ان کے پیر و مرشد ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ کان علمه اکثر من عقله ملاحظہ ہو، کتاب عقل و تہذیب اہل حدیث بہر حال چونکہ آنحضرتؐ اس حدیث شریف میں اپنے بعد قرآن و عترت کو اپنا خلیفہ و جانشین قرار دے کر دار دنیا سے رحلت فرمانے والے تھے۔ لہذا ہمیں ان کے ساتھ تمسک و اعتصام اور ان سے اخذ معارف اسلام اور تعلیم مسائل حلال و حرام کی ترغیب و تحریص دلانے کے بعد ارشاد فرمایا فانظروا لخ۔ جس کا قرین عقل و موافق مقام و محل یہ مطلب ہے کہ خوب غور و فکر کرو کہ میرے بعد تم کس طرح قرآن و عترت کے ساتھ تمسک کرتے ہو اور ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو ظاہر ہے کہ اس پیرایہ میں بھی آنحضرتؐ کا مقصود و مطلوب قرآن و عترت کے اتباع و اقتداء کی تاکید کرنا ہے۔

اگر ہمارے اس کلام سے اطمینان قلب حاصل نہ ہو تو آیئے اہل سنت کے علمائے محققین کی تحقیقات آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ جو انہوں نے اس فقرہ کے متعلق پیش فرمائی ہیں۔

(۱) علامہ زرکانی شرح مواہب لدنیہ میں بذیل شرح حدیث ثقلین اس فقرہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ واکد الوصیة و قواها بقوله فانظروا ماذا تخلفونی فیهما بعد وفاتی هل تتبعونهما فتسروننی او لا فتؤذتنی یعنی آنحضرتؐ نے اس وصیت

فانظروا لخ یعنی غور و تامل کرو کہ میری وفات کے بعد تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو آیا ان کا اتباع کر کے مجھے خوش کرو گے یا ان کی نافرمانی کر کے مجھے مغموم و محزون کرو گے۔

(۲) شیخ شہاب الدین خفاجی نے اپنی کتاب نسیم الریاض جلد ۳ صفحہ ۴۱۰ طبع مصر میں حدیث ثقلین کی شرح کرتے ہوئے اس فقرہ کے متعلق لکھا ہے۔ فانظروا کیف تخلفونی فیھما ای من بعد وفاتی انظروا فی عملکم بکتاب اللہ و اتباعکم آل بیتی و رعایتھم و برھم بعدی فان ما یسرھم یسرنی و ما یسوئھم یسوئنی یعنی میری وفات کے بعد دیکھنا کہ تم کتاب خدا پر کس طرح عمل کرتے ہو اور میرے اہل بیت کا کس طرح اتباع اور ان کے حقوق کی کس طرح رعایت کرتے ہو میرے اہل بیت کو جو چیز خوش کرے وہ مجھے خوش و خرم کرتی ہے اور جو چیز ان کو ناخوش کرے وہ مجھے ناخوش کرتی ہے۔

(۳) شہاب الدین دولت آبادی نے اپنی کتاب ہدیۃ السعداء میں (علی ما نقل عنہ) اس فقرہ کے معنی یوں بیان کیے ہیں۔ پس نیکواندیشہ کنید کہ چگونہ بایشان خواہید بود یعنی اگر تمسک کنید بدیشان ہرگز گمراہ نہ شوید و اگر گذارید ایشان را بے راہ و ہلاک مے گردید

یعنی خوب فکر و تامل کر لو کہ تم ان کے ساتھ کیا رویہ و رفتار اختیار کرو گے۔ پس اگر ان کے ساتھ تمسک کیا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور اگر ان کے دامن کو چھوڑ دیا تو بے راہ ہو کر ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔

(۴) جناب ملا علی قاری شرح شفاء مطبوعہ بر حاشیہ نسیم الریاض خفاجی جلد ۳ صفحہ ۴۱۰ پر اس فقرہ کا ترجمہ کیف تعقبونی کیا ہے یعنی خوب غور و فکر کر لینا کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو؟ یہ ہے اس فقرہ کا صحیح مفہوم و مطلب جو ہر صاحب قلب سلیم اور عقل مستقیم روزمرہ کے باہمی محاورات سمجھتا ہے۔ لیکن چونکہ مضمون نگار نے اپنی کج سلیقگی کی خشت اول ہی کج رکھ دی۔ (کہ دیکھنا تم میری جانشینی کیسے کرتے ہو) لہٰذا [illegible] قائم کر [illegible] دیوار کا آخر

تک کج رہنا لازمی امر تھا۔ اس کے بعد جو شبہ وارد کیا ہے۔ وہ اسی خشت اول کے کج رکھنے کا

نتیجہ ہے۔ کج ہے

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

لیکن چونکہ ہم نے اس کج دیوار کی اساس منہدم کردی ہے لہٰذا یہ دیوار بھی خود بخود گر جائے

گی۔ امید ہے کہ ان سب علمائے اعلام کی ان تصریحات اور ہمارے معروضات کے بعد

ناظرین کو تسکین نفس اور اطمینان قلب حاصل ہوگیا ہوگا اور اگر ہنوز کسی شاک و مرتاب کی تسلی

خاطر نہ ہوئی ہو تو اس کی ضیافت طبع کے لئے روزمرہ کے مشاہدہ و محاورہ کی ایک دو مثالیں

پیش کئے دیتے ہیں تاکہ یہ مطلب بالکل بدیہی و وجدانی ہو جائے۔

(۱) عام لوگوں سے اگر کوئی شخص جو بال بچہ دار ہو، جنکی معیشت و تربیت کا انتظام اس

سے متعلق ہو، کہیں دور دراز کا سفر اختیار کرنا چاہے اور اپنے ان لواحقین کا خوف و ہراس دیکھ

کر ان سے یہ کہے کہ (مغموم و محزون نہ ہوں) انی تارک فیکم فلانا میں تم میں فلاں آدمی کو

چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تو اس کلمہ سے وہ کیا مطلب سمجھیں گے؟ اور ہر عقل مند کیا معنی سمجھے گا؟

کیا وہ اس سے یہ نہیں سمجھیں گے۔ کہ وہ جانے والا اس شخص کو اپنے متعلقین کی ضروریات

زندگی مہیا کرنے میں اپنا نائب و جانشین مقرر کر رہا ہے اور پھر اس کے بعد جب اپنے لواحقین

سے یہ کہہ دے کہ فانظروا الخ تو آیا اس کا صاف مطلب یہی نہیں ہوگا کہ خوب غور کر لو کہ

میرے بعد تم اس شخص کی اطاعت و فرمانبرداری کس طرح کرتے ہو؟ کیونکہ تمہاری فلاح و

بہبود اسی کی اطاعت میں مضمر ہے اگر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے تو ہرگز تباہ و

برباد نہ ہوگے اور اگر اس کی نافرمانی کی اور اس کی فرمائش و فہمائش پر عمل نہ کیا تو مٹ جاؤ گے

یا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیکھنا تم میری جانشینی کیسے کرتے ہو۔

دراز کا سفر اختیار کرنا ہو تو اس کی رعایا اس کے بعد شیرازہ مملکت کے بکھرنے سے خائف و ہراساں ہو خصوصاً جب کہ ان میں کچھ ایسے عناصر موجود ہوں جو مملکت پر تغلب و تسلط حاصل کرنے کا موقع ڈھونڈ رہے ہوں۔ یا وہاں کچھ ایسے داخلی و خارجی اعداء موجود ہوں جو اس بادشاہ کے کہیں جانے کی گھات میں بیٹھے ہوں کہ کہیں جائے تو مملکت کو اپنے قبضہ میں لیں کیونکہ رعیت بغیر راعی کے مثل اس گلہ گوسفند کے ہوتی ہے جس کا کوئی چرواہا نہ ہو لہٰذا وہ اپنی اصلاح و فلاح کے لئے اپنے کرم فرما و مشفق مہربان فرمانروا بادشاہ کی آخری ہدایت سننے کے لئے اس کی جنبش لب کے منتظر ہوں۔ اگر اس وقت وہ بادشاہ رعایا کی یہ حالت زار دیکھ کر کہے کہ انی تاریک فیکم فلانا تو اس ارشاد سے رعیت کیا سمجھے گی؟ یہی کہ وہ فرض شناس بادشاہ اپنے خلیفہ و نائب مملکت کا اعلان و اعلام کر رہا ہے تا کہ ان کا خوف و ہراس دور ہو جائے اور انہیں تسکین و اطمینان حاصل ہو جائے۔ اگر اس ارشاد کے بعد وہ بادشاہ کہہ دے۔ فانظرو کیف تخلفونی تو کیا اس کا صاف و صریح مطلب یہی نہیں ہوگا کہ بحیثیت تمہارا محسن و مشفق ہونے کے جو میرا فرض منصبی تھا وہ میں نے ادا کر دیا۔ اب تم غور کر لو کہ میرے بعد میرے اس جانشین سے کیا سلوک و برتاؤ کرتے ہو۔ آیا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر کے اپنی عزیز مملکت کے نظم و نسق کو بحال رکھو گے۔ یا اس کی نافرمانی کر کے اس کا تختہ الٹاؤ گے۔ واضح ہے کہ وہ اس کلام کے ضمن میں اپنی رعایا کو اپنے جانشین کی اطاعت و فرمانبرداری کی ترغیب و تحریص دلا رہا ہے۔ یا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ دیکھنا تم میری جانشینی کیسے کرتے ہو یعنی اس صورت میں لازم آئے گا کہ تمام رعیت بادشاہ کی جانشین قرار پائے نہ وہ شخص کو جس کی خود بادشاہ اپنا جانشین مقرر کر کے جا رہا ہے۔ ع

بدیں عقل و دانش بباید گریست

لا حول و لا قوۃ الا باللہ کون دشمن عقل و دانش ان قرائن حالیہ و مقالیہ کے ہوتے ہوئے اس کلام سے یہ معنی مراد لے سکتا ہے یہ مثالیں جو ہم نے تا حال پیش کی ہیں یا تو

تمام آدمیوں کی ہیں یا کسی مملکت کے معمولی دنیوی بادشاہوں کی ہیں لیکن اگر کوئی ایسا شہنشاہ
ہو جو دین و دنیا دونوں جنبوں کا جامع ہو اور تمام کائنات کے معاش و معاد کی اصلاح و فلاح
اس کی ذات والا صفات سے متعلق ہو اور ان کی سعادت دنیوی و اخروی کا وہی کفیل ہو با
لفاظ دیگر یوں کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان سفیر کبیر مقرر کر کے بھیجا گیا ہو، بابرکت ایسا کہ
رحمۃ للعالمین لقب ہو اور ہادی و راہبر ایسا کہ یخرجھم من الظلمت الی النور کا وثیقہ
رکھتا ہو الخ اور امین ایسا کہ ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی اس کی امانت و
دیانت کی سند ہو اور مشفق و مہربان ایسا کہ حریص علیکم و بالمومنین رؤوف رحیم اس کی رافت و
رحمت کا تمغہ ہو جب ایسا باہمہ صفت موصوف محسن اعظم عالم آخرت کے سفر کی تیاری میں
مشغول ہو اور وہ اچھی طرح جانتا ہو کہ وہ اپنی امت مرحومہ کے متعلق خالق و مخلوق اور عقل و
دانش کے نزدیک مسئول ہوگا کہ اپنے حین حیات میں فرائض تبلیغ کس طرح انجام دیئے؟ اور
خصوصاً اپنے بعد ان کی صلاح و فلاح اور بہبود و نجاح کا کیا بندوبست و انتظام کیا؟ جب وہ
ان تمام فرائض منصبیہ کے پیش نظر اس وقت جب کہ اس کے کلمہ گو ہالہ کی طرح اس کے گرد
جمع ہوں اور اس محسن اعظم کے بعد اپنی درپیش آنے والی مشکلات کا تصور کر کے تھرتھرا رہے
ہوں اور ان مشکلات کا حل اور اپنی رشد و ہدایت کے متعلق اس کی زبان وحی ترجمان سے کچھ
نصائح و مواعظ سننے کے لئے ہمہ تن گوش بنے ہوئے اس کے جنبش لب کے منتظر ہوں اور وہ
اس وقت فرمائے۔ (انی تارک فیکم الثقلین الخ) تو خدارا سچ کہیے کہ وہ لوگ اس کلمہ
قیمہ سے کیا معنی و مطلب سمجھیں گے؟ اور ہر صاحب عقل و ہوش آدمی اس سے کیا مفہوم اخذ
کرے گا؟ سوائے اس کے کہ وہ محسن اعظم اپنے بعد اپنے خلیفہ و جانشین پر نص قائم کر رہا ہے
جو اس کے بعد اس کے فرائض و وظائف کو انجام دے گا۔ آیا اس کلام معجز نظام کا اس کے سوا
اور کوئی مقصد و مرام ہو سکتا ہے؟ حاشا و کلا بالفاظ دیگر اس امین اسلام کا انی تارک کہنا بمنزلہ
اس کی تصریح صریح کے ہوگا کہ امرنی اللہ عز وجل ان انصب علیکم اماما و خلیفۃ
من بعدی مجھے خداوند عالم نے حکم دیا ہے کہ ثقلین کو تم میں خلیفہ و جانشین مقرر کروں۔ ہمارے

اس بیان کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث شریف کے بعد طرق ونصوص میں لفظ خلیفتین یعنی انی تارک فیکم خلیفتین کی تصریح موجود ہے۔ بہر حال اب وہ محسن اعظم و نبی اکرم اس کلام حقیقت ترجماں کے بعد بلا فاصلہ یوں فرمائے۔ **فانظرو کیف تخلفوتی فیھما** آیا ان حالات میں اس فقرہ کا وہ مفہوم ہوگا جو ہم نے عرض کیا ہے کہ دیکھو میرے بعد میرے مقرر کردہ خلیفوں (قرآن وعترت) کی کس طرح اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہو۔ یا یہ مطلب ہوگا (جیسا کہ ملا صاحب نے بیان کیا ہے) کہ دیکھنا تم میرے بعد میری جانشینی کیسے کرتے ہو اور پھر اس سے نتیجہ نکالنا کہ اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسلمان اس چیز میں آپ کے جانشین ہیں۔

گر ہمیں مکتب اسلام و ہمیں ملا

کار طفلاں تمام خواہد شد

ان دو معنوں اور مفہوموں میں سے کونسا معنی ومفہوم صحیح اور کونسا غلط ہے قارئین

---

۱ جیسا کہ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۸۲/۱۸۹ پر (تفسیر ثعلبی تحت آیہ مبارک **اعتصموا بحبل اللہ**) جواہر العقدین سمہودی استجلاب سخاوی، تفسیر در منثور تحت آیہ اعتصام، جامع صغیر سیوطی، کنز العمال۔ ملا علی متقی نیز موصوف کی مرقات شرح مشکوۃ، فیض القدیر شرح جامع الصغیر مناوی، وسیلۃ المآل احمد بن فضل مکی، ینابیع المودت وغیرھا میں موجود ہے ارباب انصاف خدارا بتائیں کہ آیا لفظ خلیفہ کی تصریح کے بعد وضاحت وصراحت کا کوئی مرتبہ باقی رہ جاتا ہے؟ نہ معلوم مسلمان پیغمبر اسلام کی اس وضاحت وصراحت کے بعد کس طرح آئمہ اہلبیت کی امامت وخلافت کا انکار کرنے کی جرأت وجسارت کرتے ہیں آیا وہ خدائے جبار وقہار کی اس تہدید شدید کو نہیں دیکھتے؟ **و من یشا قق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی نولہ ما تولی و نصلہ جھنم و سائت مصیرا۔** ۲ ارباب عقل وفکر کے لئے اس وضاحت کی ضرورت تو نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کے قرآن واہلبیت کو اپنے دو خلیفے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کا (ستون العمل قرآن ہے اور عمل کرانے والے اہلبیت ہیں یا اسلام کا نصاب تعلیم قرآن ہے اور اس کے پڑھانے والے اہلبیت ہیں (منہ عفی عنہ)

کرام کے ذوق سلیم او عقل قویم پر چھوڑا جاتا ہے۔

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

(نوٹ) ان بیانات شافیہ واستدلالات کافیہ سے جہاں اس حدیث شریف کے آخری فقرہ فانظروا کیف تخلفونی فیھما کا صحیح مطلب ومفہوم معلوم ہوگیا وہاں یہ امر بھی روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہوگیا کہ یہ حدیث شریف آئمہ اہل بیت کی خلافت و امامت پر نص صریح ہے۔ لہذا جولوگ اس کی دلالت میں خدشہ کیا کرتے ہیں اس کا بطلان بھی عیاں ہوگیا قطع نظر اس موضوع کے دوسرے ادلہ و براہین کے فقط یہی حدیث شریف اس نظریہ کے بطلان کے لئے کافی ہے کہ "پیغمبرؐ اسلام وصیت کے بغیر اور اپنا کوئی خلیفہ مقرر کئے بغیر دنیا سے رحلت فرما گئے تھے"۔ کیونکہ حدیث ثقلین جیسی تصریحات کے بعد ایسی بات کرنا کذب صریح اور افتراء قبیح نہیں تو اور کیا ہے؟

بھلا وہ نبی رحمت جو چند دنوں یا چند گھنٹوں کے لئے مدینہ سے کہیں باہر جاتے تھے تو اسے اپنے خلیفہ کے تقرر کے بغیر خالی نہیں چھوڑتے تھے۔ تو کیا کوئی عقل سلیم ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور کرنے کے لئے تیار ہے کہ وہی پیغمبرؐ اسلام اپنے آخری سفر آخرت پر روانہ ہوتے وقت نہ صرف مدینہ بلکہ اپنی پوری امت کو بغیر کسی قائد ورائد اور بغیر کسی خلیفہ و امام کے تقرر کے مہمل و واگذار چھوڑ کر چلے جائیں؟ حاشا و کلا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بھلا وہ ہادی برحق جو امت کو بار بار یہ حکم دے کہ کوئی مسلمان رات کو نہ سوئے مگر یہ کہ اس کا وصیت نامہ اس کے زیر بالین ہو۔ (بخاری ومسلم وغیرہ) خود وصیت کئے بغیر دنیا سے انتقال فرما سکتا ہے؟ کیا اس صورت میں اس پر اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم اور اس پر لم تقولون ما لا تفعلون کی زد نہیں پڑے گی؟ اور اگر کوئی غیر مسلمان پیغمبرؐ اسلام کے قول وفعل کے اس اختلاف وتضاد پر زبان اعتراض دراز کرے تو کیا اس نظریہ فاسدہ کی بنا پر امت مسلمہ کے

تتمہ مہمہ

اگران تمام حقائق و دقائق سے صرف نظر کر کے بالفرض مضمون نگار کے ترجمہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر آنحضرت کا اس فقرہ سے مقصد و منشاء امت کو یہ فہمائش کرنا ہوگا کہ قرآن و عترت کو میرے نزدیک جو عزت و وقعت حاصل ہے اور میں ان کے اکرام و احترام میں جو اہتمام کرتا ہوں وہ تم پر مخفی نہیں ہے لہذا اب دیکھنا تم ان امور میں میری جانشینی کیسے کرتے ہو؟ بنابریں کیونکہ آنجنابؐ جو سلوک قرآن و عترت کے ساتھ فرماتے تھے آپ کی تمنا ہوگی کہ آپ کے بعد آپ کی امت اسی قسم کا سلوک قرآن و عترت کے ساتھ کرے۔ کیونکہ اسی میں ان کی اصلاح و فلاح تھی۔ اے کاش کہ لوگ آپ کی وصیت پر عمل درآمد کرتے لیکن افسوس صد افسوس کے امت نے اس وصیت و نصیحت کو پس پشت ڈال کر تمنائے رسول کا خون ناحق کر دیا۔ آپ کی وفات حسرت آیات کے فوراً بعد بضعۃ الرسول سلام اللہ علیہا کی حق تلفی کر کے ان پر مختلف قسم کی مصیبتیں ڈھائی گئیں۔ آپ کا گھر پھونکنے کے لئے آگ اور لکڑیاں جمع کی گئیں۔ (ہماری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ در قدس کو آگ لگائی بھی گئی) پہلوئے مبارک شکستہ کیا گیا حتی کہ مخدومہ کونین یہ مرثیہ پڑھتے ہوئے دنیا سے سدھار گئیں۔

صبت علی مصائب لو انها

صبت علی الایام صرن لیا لیا

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے گلوئے اقدس میں بڑی بے باکی و سفاکی کے ساتھ رسن باندھ کر بیعت لینے کے لئے دولت سرا سے کشاں کشاں مسجد نبوی کی طرف لایا گیا۔

ودع عنک ذکرا صیح فی حجراته

وهاتِ حدیثا ما حدیث الرواحل

آپ کی خلافت ظاہری کے دور میں طرح طرح کے فتنہ و فساد آپ کے خلاف

کھڑے کئے گئے۔ ایک دن بھی آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔ آخر کار ماہ صیام میں مسجد کوفہ کے اندر بحالت نماز ایک منظم سازش کے ماتحت زہر دار تلوار سے آپ کا سر اقدس شگافتہ کیا گیا اور اس طرح تڑپا تڑپا کر آپ کو شہید کیا گیا اور اس کے بعد دیگر عترت رسول کے ساتھ یکے بعد دیگرے اس قسم کا برتاؤ کیا گیا۔ کسی کو زہر جور و جفا سے اور کسی کو یار و انصار کے ساتھ کنار فرات پر تلوار وغا سے تشنہ لب شہید کیا گیا اور اسی پر اکتفاء نہ کی بلکہ نبی زادیوں کو اسیر کر کے مختلف دیار و امصار اور کوچہ و بازار میں پھرایا گیا یہ سلوک تو امت نے ثقل اصغر کے ساتھ کیا اور ثقل اکبر کو نیزوں پر بلند کیا گیا۔ تیروں کا نشانہ بنا کر پارہ پارہ کیا گیا حتی کہ اسے جلادیا گیا۔ انّا للہ و انا الیہ راجعون و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اند کے غم دل بتو گفتم و بدل ترسیدم

کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

آہ! ع۔ فلبیک علی الاسلام من کان باکیاً

(نوٹ) ملا صاحب نے آخر میں کشف الغمہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی روایت کو موافق اہل سنت ہونے کا جو تذکرہ کیا ہے اس کا مفصل جواب باصواب باب دوم فصل ششم میں مرقوم ہو چکا ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں رجوع فرمائیں۔

انا ھدیناہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً

فصل دوم

شبہ ثانیہ اور اس کا جواب

مضمون نگار نے اپنا سارا زور بیان صرف کرنے کے بعد (جس پر ہم تا حال تفصیل سے نقد و تبصرہ کر چکے ہیں) آخر کلام میں بعنوان ''خلاصہ کلام'' چند سطور کے بعد مندرجہ ذیل

شبہ حدیث ثقلین پر وارد کیا ہے۔" اور جن روایات میں اہل بیت اور عترت رسول کا ذکر آیا ہے ان سے مراد یہ ہے کہ عترت رسول جس وقت سنت رسول کے مطابق حکم کرے اس وقت ان کا اتباع ضروری ہے اور اگر صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ ایک شخص عترت رسول بھی ہو اور خلاف سنت حکم کرے تو اس کی اتباع کا کوئی حکم نہیں ہے بس اصل مدار دین اسلام قرآن و حدیث پر ہے" (الفاروق جون ۱۹۵۸ء)

الجواب بتائید اللہ التواب

مخفی نہ رہے کہ یہ شبہ فاسدہ اس حدیث شریف کے مفہوم ومعنی اور مصداق عترت رسول سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ جب مفہوم حدیث معلوم ہو اور مصداق عترت بھی واضح ہو جائے تو یہ ایراد و اشکال خود بخود درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ہم انشاء اللہ عنقریب شبہ خامسہ کے جواب میں بدلائل عقلیہ ونقلیہ محقق ومبین کریں گے کہ یہاں عترت رسول سے مراد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں اور ہم اپنی کتاب اثبات الامامت میں دلائل واضحہ وقاطعہ سے ان ذوات مقدسہ کی عصمت ثابت کر چکے ہیں۔ نیز اس کتاب میں بھی آئندہ اس امر پر اجمالاً روشنی ڈالیں گے انشاء اللہ ان دو مقدمات کے اثبات کے بعد اس شبہ کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

اور اس کی اساس بالکل منہدم ہو جاتی ہے۔ سر دست اس کے متعلق مختصراً عرض کئے دیتے ہیں کہ قطع نظر دیگر دلائل خارجیہ کے خود اسی حدیث شریف میں بکثرت ایسے قرائن قطعیہ موجود ہیں جو تعیین عترت واہل بیت اور ان کی عصمت وطہارت پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر اس کے لئے دل حساس اور چشم بینا درکار ہے۔ ع

ع۔ دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

بہر حال ظاہر ہے کہ اس حدیث شریف میں عترت رسول کو قرآن مجید کے ساتھ

قرار دیکر اسے ثقل کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ انی تارک فیکم الثقلین جوان کے عظیم الشان اور
علیم بالقرآن ہونے کی بین دلیل ہے اور قرآن مجید کی طرح بغیر کسی زمان و مکان کی قید و شرط
کے بلکہ ہر حال میں ان کے ساتھ تمسک و اعتصام کو واجب و لازم قرار دے کر ہر حالت میں
ان کی اتباع و اقتداء میں رشد و ہدایت اور ان کی حکم عدولی و نافرمانی میں ضلالت و غوایت قرار
دی گئی ہے اور اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن و عترت آپس میں بھی ایک دوسرے سے جدا
نہیں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ان کے باہم جدا نہ ہونے کا مطلب ارباب بصیرت پر واضح
ہے کہ افراد عترت کسی امر میں قرآن کی سر مو مخالفت نہیں کرتے اور نہ قرآن ان کے کسی عمل
کی مخالفت کرتا ہے وہ جو کچھ معارف و احکام بیان کرتے ہیں وہ اسی سرچشمہ علم سے ماخوذ
ہوتے ہیں اس کے علاوہ کچھ اور بیان کرتے ہی نہیں۔ (اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن کو
ہمیشہ اپنے بغل میں دبائے رکھتے ہیں) نیز اس حدیث شریف کے بعض نصوص و طرق میں

وارد ہے۔ (جیسا کہ باب اول میں یہ حدیث نقل ہو چکی ہے) کہ لا تعلموھم فانھم اعلم
منکم و لا تقدموھم فتھلکوا یعنی اس عترت کو تم تعلیم نہ دینا کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم
ہے اور کسی امر میں ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ سب ایسے امور ہیں کہ جو
اس عترت کی تعیین و تشخیص اور ان کی عصمت و طہارت اور اعلمیت و افضلیت کی دلیل قطعی ہیں
اور یہی امور اس عترت طاہرہ کا دوسرے لوگوں سے مابہ الامتیاز ہیں کیونکہ واضح ہے کہ اگر
عترت اہل بیت بھی عام لوگوں کی طرح ہو جن میں خطاء و صواب، نسیان و ذکر، غفلت و
التفات، سہو و انتباہ علم و جہل وغیرہ اچھے اور برے صفات پائے جاتے ہیں تو پھر ان کی
اطاعت مطلقہ کس طرح باعث رشد و ہدایت اور ان کی مخالف کس طرح موجب ضلالت و
ہلاکت ہو سکتی ہے اور سب سے بڑھ کر عترت اہل بیت بقول ملا صاحب اگر خلاف قرآن و
سنت کوئی حکم دے سکتی ہے تو پھر وہ ہر حال میں قرآن کے ساتھ کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور

سے قطعاً جدا ہو جاتا ہے اور قرآن اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تو مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ حوض کوثر پر وارد ہونے تک کبھی عترت قرآن سے جدا نہ ہوگی اور نہ کبھی قرآن عترت سے جدا ہوگا تو یہ عترت رسول کے معصوم عن الخطاء ہونے کی ناقابل رد دلیل جمیل ا ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس عترت رسول سے بھی صرف آئمہ اہلبیت مراد ہیں کیونکہ صرف وہی بزرگوار عصمت و افضلیت و اعلمیت کے درجہ رفیعہ پر فائز ہیں نہ کہ تمام سادات کرام (جیسا کہ مضمون نگار نے یہ احتمال ذکر کیا ہے۔ کیونکہ عام سادات میں تو بقول خود مضمون نگار کے ہر عقیدہ اور ہر کردار کے لوگ شامل ہیں شیعہ بھی اور سنی بھی مرزائی بھی اور چکڑالوی بھی بلکہ نیچری بھی اور دھری بھی۔ نیز ان میں ہر قماش و کردار کے لوگ داخل ہیں۔

ا علمائے اہل سنت نے بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچ کر دم لیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ طبع جدید بذیل آیت رابعہ و فضائل اہل بیت حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں "ان الحث وقع علی التمسک با لکتاب و بالسنة و بالعلماء من اهل البیت و یستفاد من مجموع ذالک بقاء الامور الثلاثه الی قیام الساعه" یعنی ان احادیث میں قرآن و سنت اور اہل بیت نبوی میں سے انکی معرفت رکھنے والے علماء (آئمہ اہلبیت) کے ساتھ تمسک کرنے کی ترغیب و تحریص کی گئی ہے۔ ان تمام امور سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قیامت تک یہ تینوں چیزیں باقی رہیں گی۔ اسی طرح علی ابن احمد العزیزی الشامی (علی ما نقل عنه فی العبقات) کہتے ہیں کہ "ان المراد العلماء منهم یستمرون آمرین بما فی الکتاب الی قیام الساعه و الله علم" یعنی عترت سے مراد وہ اہلبیت ہیں۔ جن کا وجود قیامت تک رہیگا اور قیامت تک کتاب خداوندی کے مطابق حکم دیتے رہیں گے۔ اسی طرح شریف سمودی نے جواہر العقدین میں افادہ فرمایا ہے۔ "یفهم من هذا الخبر بقاء من یکون اهلا للتمسک من اهل البیت والعترة الطاهرة فی کل زمان الی قیام الساعه" یعنی اس حدیث شریف سے یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ عترت طاہرہ میں سے قیامت تک کسی نہ کسی ہستی کا رہنا ضروری ہے جس کے ساتھ تمسک کیا جاسکے

(منه عفی عنه)

نیکوکار بھی اور بدکار بھی پرہیزگار بھی اور اشرار بھی تو پھر کس طرح ان سب کے ساتھ تمسک
کرنا فلاح کونین اور نجات دارین کا باعث ہوسکتا ہے؟ حاشا وکلا۔ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا یہی
وجہ ہے کہ مضمون نگار نے عام سادات مراد لینے کا احتمال ذکر کر کے پھر خود ہی اس کو اسی طرح
رد کیا ہے۔ کیا ہوسکتا ہے کہ یہ تمام مذاہب صحیح ہوں اور تمام سادات جو مذکورہ بالا مذاہب سے
تعلق رکھتے ہیں واجب الاتباع اور ضروری التمسک منجانب اللہ ہوں ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا
کیونکہ ان تمام کو حق جاننے کی صورت میں اجتماع نقیضین لازم ہے جو محال ہے پس ہر عقلمند کی
عقل مجبور کرتی ہے کہ عترت رسول سے مراد کوئی خاص عترت رسول ہو۔ اس واسطے شیعہ
بھائیوں نے عترت رسول سے مراد بارہ ہستیاں لی ہیں۔ جن میں سے اول حضرت علی ہیں
اور سب سے آخری مہدیؑ ہیں۔ (الفاروق ۱۵ جون بذیل خلاصہ کلام صفحہ ۱۱) اسے کہتے ہیں۔

کیا ضرور کہ غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

مضمون نگار نے کس طرح واشگاف لفظوں میں یہ اعتراف کیا ہے کہ عترت سے
مراد عام سادات نہیں بلکہ خاص عترت رسول مراد ہے (یعنی آئمہ اہل بیت علیہم السلام) اگر
چہ بعد میں ایک شبہ وارد کر کے اس نظریہ سے راہ فرار اختیار کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے مگر
ہم شبہ خامسہ کے جواب میں اس کا بطلان واضح وعیاں کر کے ثابت کریں گے کہ؟

ع بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

ان حقائق ودقائق سے کالشمس فی رابعة النہار واضح وآشکار ہوگیا کہ اس
حدیث شریف میں جن ذوات مقدسہ کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کی اتباع
وپیروی امت پر واجب ولازم قرار دی گئی ہے وہ صرف آئمہ اہل بیت ہیں جو بنص قرآن
وحدیث ہر خطاء وگناہ سے معصوم اور ہر نقص وعیب سے منزہ ومبرا ہیں اور اس عصمت کی وجہ
سے ان کا کوئی قول وفعل قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوتا۔ (ورنہ اجتماع نقیضین لازم آئے
گا) بلکہ ان کے تمام اقوال وافعال قرآن وسنت کی تفسیر وتوضیح ہوتے ہیں اور ان کی ...

مقدسہ قرآن وسنت کی تعلیمات کا عملی مجسمہ اور نمونہ ہیں ان کا کوئی حکم اور فیصلہ قرآن وسنت کے خلاف ہوتا ہی نہیں ہے خود ان کا ارشاد ہے کہ ما خالف کتاب اللہ و سنتہ رسولہ لم نقلہ بل ھو زخرف یعنی قرآن وسنت کے خلاف اگر کوئی بات ہماری طرف منسوب ہو تو اسے جھوٹ اور باطل سمجھو وہ بات ہم نے نہیں کہی (اصول کافی)۔ اس حقیقت کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد مضمون نگار کا یہ شبہ خود بخود ھباء منشورا ہو جاتا ہے کہ اگر صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ ایک شخص عترت رسول سے معصوم ہستیاں مراد لی جائیں گی تو کبھی بھی ایسی صورت حال پیش نہیں آئے گی۔ باقی رہا مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ جب آئمہ اہل بیت کی متابعت بشرط موافقت قرآن وسنت واجب ہے تو پس اصل مدار دین اسلام تو قرآن وسنت ٹھہرے و بس۔ تو یہ شبہ بھی واضح البطلان ہے۔

اولاً اسلئے کہ یہ شبہ درخود اعتنا ہو تو پھر سنت رسولؐ سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا ظاہر ہے کہ سنت نبویہ کی اتباع بھی تب واجب ہے کہ جب وہ کتاب اللہ کے مطابق ہو۔ چنانچہ خود آنحضرت کا یہ ارشاد کتب فریقین میں موجود ہے کہ فرمایا: کثر علی الکذابون فما یروی عنی فاعر ضوہ علی کتاب اللہ فما وافق کتاب اللہ فاعملوا بہ و ما خالف کتاب اللہ فاضربوہ علی الجدار۔ (بخاری و کافی وغیرہ) یعنی مجھ پر جھوٹ بولنے والے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا جو روایتیں میری طرف منسوب ہوں ان کو کتاب اللہ پر پیش کرو۔ جو روایت اس کے مطابق ہو اس پر عمل کرو اور جو اس کے خلاف ہو اسے دیوار پر پھینک دو۔ چنانچہ یہ عرض الاخبار علی القرآن علم اصول فقہ اور درایۃ الحدیث کا ایک قاعدہ کلیہ بن چکا ہے کہ وجب عرض الاخبار علی الکتاب کہ اخبار آحاد کا قرآن پر پیش کرنا اور موافق کو لینا اور مخالف کو ترک کرنا واجب ہے۔ (اصول شاشی و شرح نخبۃ الفکر وغیرہ) تو جب سنت کا اتباع بھی صرف اسی صورت میں واجب ہے کہ جب وہ قرآن کے موافق ہو تو اس مقام پر اگر کوئی منچلا یہ کہہ دے کہ پس مدار دین اسلام صرف قرآن ٹھہرا و بس۔ تو مولوی صاحب سنت رسول کو مدار دین قرار دینے کے لئے جو جواب دیں

گے وہی جواب ہم سیرت عترت کو مدار دین اسلام قرار دینے کے بارے میں دیں گے۔

ثانیاً دین اسلام کا ماخذ و مدرک قرآن و سنت اور فرمان عترت ہے یا صرف قرآن و سنت یا صرف قرآن۔ دراصل یہاں لف ونشر اور اجمال و تفصیل کا فرق ہے اگر تمام ماخذ و مدارک اور تمام اطاعتوں کو سمیٹا جائے تو صرف کتاب خداوندی میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہیں اور اگر ان کو پھیلایا جائے تو اس کے علاوہ سرکار محمد و آل محمد کا فرمان بھی مدرک نظر آتا ہے۔ در حقیقت نبی و امام کا کلام قرآن سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اسی قرآن کی تفسیر و تشریح اور تبیین ہے۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۸ طبع جدید پر لکھتے ہیں۔ وھی المراد من الاحادیث المقتصدرة لان السنته مبینة له فاغنیٰ ذکره عن ذکرھا۔ یعنی جن حدیثوں میں فقط قرآن کے ساتھ تمسک کا حکم دیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ سنت مبینِ و مفسر قرآن ہے اس سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا صرف قرآن کا ذکر کر دینا سنت کے علیحدہ ذکر کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ بعینہ اسی طرح آئمہ طاہرین کے فرامین بھی قرآن و سنت کی تبیین و تشریح ہی ہیں اس سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہیں اور یہی کیفیت اطاعت کی ہے اگر اسے سمیٹا جائے تو صرف اطاعت خدا نظر آتی ہے قرآن میں کئی مقامات پر وارد ہے اطیعو اللہ اور اگر اسے پھیلایا جائے تو کہیں دو اطاعتیں بنتی ہیں و من یطع اللہ و الرسول اور کہیں تین بن جاتی ہیں۔ اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم جس طرح سنت نبویہ کی متابعت واجب ہے باوجودیکہ اس کا مدرک بھی قرآن ہے تو بالکل اسی طرح آئمہ اہل بیت کی اتباع و پیروی بھی لازم ہے اگرچہ اس کا مدرک قرآن و سنت ہی ہے پس جو فائدہ سنت کی متابعت میں مضمر ہے وہی فائدہ ارشادات معصومینؑ کی متابعت میں پوشیدہ ہے واضح ہے کہ سنت نبویہ اس لئے واجب الاتباع ہے کہ وہ تفسیر و تشریح قرآن ہے۔ و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم۔ تو آئمہ اہل بیتؑ کے قول و فعل کے ساتھ تمسک کرنا اور ان کی اتباع کرنا بھی اس لئے واجب ہے کہ وہ قرآن و سنت کی صحیح توضیح و تشریح اور تبیین

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث ثقلین میں عترت طاہرہ کو اسی لئے قرآن کا عدیل و قرین قرار دیا گیا ہے کہ انہی ذوات قادسہ سے مفہوم و معنی قرآن کو حاصل کیا جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے۔ لانھم مع القرآن و القرآن معھم۔۔۔ و ما یعلم تاویلہ الا اللہ و الراسخون فی العلم۔ یہی وہ بزرگوار ہیں جن سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔

﴿فصل سوم﴾

شبہ ثالثہ اور اس کا جواب

مضمون نگار نے خلاصہ کلام کے ذیل میں اس حدیث شریف میں عترت رسول سے آئمہ اثنا عشر کو مراد لینے پر یہ شبہ وارد کیا ہے کہ اس موقع پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہوگا کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عترت رسول سے خارج کرنا پڑے گا جس کا بطلان ظاہر ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا جو نوک قلم سے نکل گیا۔ (الفاروق ۱۵ جون ۱۹۵۸ء)

الجواب بعون اللہ الوہاب۔ ہم بھی اس شبہ واہیہ کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے بطور جملہ معترضہ مختصر جواب پر اکتفا کرتے ہیں مخفی نہ رہے کہ حدیث ثقلین میں عترتی اہل بیتی سے مراد بارہ امام لئے جائیں یا عام سادات کسی بھی صورت میں جناب صدیقہ کبریٰ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا عترت رسول سے خارج ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں ملا صاحب نے اس کے معنی یہ متعین کئے ہیں۔ ”مطلب یہ ہے کہ میری خاندانی برادری میں سے جن لوگوں نے دین اسلام کی خدمت کی ہے یا آئندہ کریں گے انکی عزت و خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں“۔ اس معنی کے لحاظ سے تو جناب خاتون قیامت کا عترت میں داخل ہونا واضح ہے کیونکہ آپ کی قرابتداری اور اسلام کی خدمت گذاری کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے اور جو معنی شیعہ خیر البریہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث شریف آئمہ دوازدہ از اہل بیت کی امامت و خلافت پر نص صریح ہے۔ اس معنی کی بنا پر بھی جناب سیدہ

عترت رسول سے خارج نہیں ہوتیں البتہ وہ سلسلہ امامت و خلافت سے خارج ہیں کیونکہ آپ ام الائمہ الطاہرین ضرور ہیں مگر خود اس عہدہ جلیلہ پر فائز نہیں ہیں اگر چہ بوجہ عصمت و طہارت ان کی اطاعت مطلقہ نہ صرف جائز بلکہ واجب و لازم ہے بالخصوص صنف نازک پر۔

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ شبیرے بآغوشے بیاری

اور اس کی وجہ حکمت الٰہی و مصلحت ایزدی کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ ابتداء آفرینش کائنات سے لیکر تا ایں دم کوئی عورت نہ نبی ہوئی ہے اور نہ امام مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سیدہ عالم عترت رسول سے خارج ہو جائیں۔ وہ اس میں یقیناً داخل ہیں مگر تخصیص کی وجہ سے عہدۂ جلیلہ امامت و خلافت پر فائز نہیں ہیں۔ کیا تخصیص حکمی اسی چیز کا نام نہیں ہے کہ ایک چیز جو کسی چیز میں داخل ہے اس کو کسی خاص مصلحت کی بنا پر اس کے عام حکم سے خارج کیا جائے۔ مثلاً جب کہا جائے جائنی القوم الا زیداً۔ میرے پاس ساری قوم آئی سوائے زید کے تو اس کا مطلب یہی تو ہوتا ہے کہ اگر چہ زید قوم میں تو داخل ہے مگر آنے والے حکم سے خارج ہے اس صورت میں اگر کوئی کم عقل یہ سمجھ بیٹھے کہ جب زید اس حکم سے خارج ہو تو اسے قوم سے بھی خارج تسلیم کرنا پڑے گا تو ایسے شخص کو اپنی عقل و خرد کا ماتم کرنا چاہیئے۔ ہمارے محل نزاع کی بھی بعینہ یہی صورت ہے کہ جناب سیدہ کا حکم امامت سے خارج ہونے کی وجہ سے ان کا عترت رسول سے ہرگز خارج ہونا لازم نہیں آتا۔ ان دو مثالوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ اس مثال میں تخصیص لفظی ہے۔ (الا زیدا) اور یہاں تخصیص عقلی ہے (کہ عورت امام نہیں ہوسکتی) مگر تخصیص بہر حال تخصیص ہے اور نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔

کما لایخفی علی من له ادنی المام بالعلوم الادبية فكشفنا عنک غطائک فبصرک اليوم حديد۔

☆☆☆☆☆

﴿فصل چہارم﴾

شبہ رابعہ اور اس کا جواب

ملا صاحب مذکورہ بالا شبہ کے بعد بلا فاصلہ تحریر کرتے ہیں۔ ''ہم کہتے ہیں کہ عترت رسولؐ کو بارہ کے عدد میں بند کر دینے کی صورت میں لازم ہوگا کہ ان بارہ میں سے کوئی نہ کوئی ہستی دنیا میں ہمشیہ موجود رہے اور موجود بھی ایسی صورت میں رہے کہ لوگ اس سے تمسک کر سکیں۔ کیونکہ آنحضورؐ اس دنیا میں قرآن و عترت سے تمسک کرنے کا حکم دے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ حسن عسکریؑ کے بعد اس عترت رسول کا وجود مفقود ہے اگر چہ آج کل کے شیعہ لوگوں نے یہ خیال جمایا ہوا ہے کہ امام مہدیؑ بارہویں امام کسی غار میں روپوش ہیں مگر آپ سے اخذ و تمسک کی کوئی صورت نہیں جس کا حدیث ثقلین میں حکم ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ شیعہ نے اس حدیث کا جو معنی کیا ہے وہ ہرگز نہیں بن سکتا۔'' (الفاروق ۱۵ جون ۱۹۵۸ء)

(الجواب و باللہ التائید فی تردید کل منکر عنید)

بموجب ''الحق یجری علی اللسان'' حق زبان پر جاری ہو ہی جایا کرتا ہے معترض صاحب نے بھی اتنا تسلیم کرلیا ہے کہ ''اس صورت میں لازم ہے کہ ان بارہ میں سے کوئی نہ کوئی ہستی دنیا میں ہمیشہ موجود رہے'' بے شک یہ بات عقلاً و نقلاً بھی بالکل صحیح ہے کیونکہ کسی کے ساتھ تمسک کا حکم اس متمسک بہ کے وجود کی فرع ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی آقا اپنے غلام سے مثلاً یہ کہے کہ ''زید کی اطاعت کر'' درصورتیکہ زید موجود ہی نہ ہو تو یہ حکم بالکل لغو و عبث سمجھا جائے گا۔ کیوں کہ ایسا حکم دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو آقا کی جہالت پر مبنی ہوگا یعنی اسے زید کا معدوم ہونا معلوم نہ تھا۔ اس لئے اس کی اطاعت کا حکم دے دیا اور بصورت دیگر یعنی اگر اسے اس کی عدم موجودگی کا علم تھا بایں ہمہ اس کی اطاعت کا حکم دے دیا تو اس شکل میں اس کا یہ حکم اس کے غلام کے لئے ''تکلیف مالا یطاق'' ہوگی۔

ضح ہے کہ کوئی دانش مند آقا ایسے امر کی اپنے غلاموں کو تکلیف نہیں دیتا چہ جائیکہ ہمارا مولا و
قا حکیم علی الاطلاق خلاق کائنات اس کی ذات والا صفات تو ایسے اوامر قبیحہ و تکالیف فضیحہ
ے منزہ و مبرا ہے۔ بس ماننا پڑے گا کہ جب حکیم مطلق بلا واسطہ یا باواسطہ رسل کرام علیہم
صلوۃ والسلام کسی شخص کے ساتھ تمسک یعنی افعال و اقوال میں اس کی اطاعت و پیروی
رنے کا حکم دے تو ضروری ہے کہ وہ "متمسک بہ" منصہ شہود پر موجود ہو جب یہ واضح ولائح
و چکا کہ آنحضرتؐ نے اس متواتر حدیث شریف میں اپنی عترت طاہرہ کے ساتھ تمسک کا حکم
یا ہے اور یہ بھی روشن ہے کہ آپ کا یہ حکم قیامت تک پیدا ہونے والے تمام افراد امت کو
شامل ہے تو بنابریں ضروری ہے کہ اس عترت طاہرہ میں سے کوئی نہ کوئی فرد فرید قیامت تک
رصہ وجود میں قائم و دائم رہے یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ حضرات شیعہ جناب امام عصر عجل اللہ تعالیٰ
رجہ الشریف کے اثبات وجود ذی جود میں منجملہ دیگر حجج و براہین کے ہمیشہ اس حدیث شریف
ے ساتھ بھی استدلال کیا کرتے ہیں کیونکہ جب سرور کائنات علیہ السلام والتحیات نے قرآن
عترت کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ حکم تا قیام قیامت تمام امت کو شامل ہے تو
لازم ہے کہ قرآن و عترت بھی قیامت تک موجود رہیں چنانچہ جس طرح سب کے نزدیک
قرآن موجود ہے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ اس کے ساتھ ذریت طیبہ میں سے کوئی بزرگوار والا تبار عرصہ
ہستی میں موجود ہو۔ خواہ ظاہر و مشہور ہو یا خائف و مستور "لانہما لن یفترقا حتی یردا علی
الحوض و ان الارض لا تخلو من حجۃ للہ اما خائف مستور او ظاہر مشہور" واضح
ہے کہ آج سوائے حضرت مہدی زمان و ہادی دوران اور امام انس و جان حضرت حجۃ ابن الحسن
علیہما السلام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے ایسی کوئی شخصیت لوح جہان پر موجود نہیں ہے۔

قدم سے مہدی دیں کے زمین قائم ہے پانی پر
قرار کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

ملاں صاحب نے اس اقرار کے بعد انکار کا جو پہلو اختیار کیا ہے۔ اس کا انداز عجیب ہے۔ تمام محقق علماء اسلام کے نزدیک مسلم الثبوت امر ہے کہ حضرات مہدی آخر زمانہ میں ضرور ظہور فرمائیں گے اور وہ اولاد علی و فاطمہ علیہما السلام میں سے ہوں گے۔ کتب فریقین میں اس کے متعلق روایات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ بلکہ تمام اہل ادیان ایک مصلح اعظم کے آنے کے منتظر ہیں۔ فقط تشخیص و تعیین میں نزاع ہے؟ جیسا کہ مختلف ملل ونحل کے عقائد ونظریات پر نظر رکھنے والے حضرات پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ ہاں اگر مسلمانوں کے اند قدرے اختلاف ہے تو فقط اس امر میں کہ آیا وہ حضرات اس وقت متولد ہو چکے ہیں یا ابھی تک پیدا نہیں ہوئے؟ چنانچہ تمام شیعہ امامیہ اور اہل سنت کا ایک جمع کثیر و جم غفیر اس امر کا

ل مخفی نہ رہے کہ حضرت ولی عصر امام زمان عج کی ولادت باسعادت بتاریخ نیمہ شعبان ۲۵۵ میں بمقام سر من رائے (سامرہ میں) واقع ہوئی اطمینان قلب و تسکین نفس کے لئے مندرجہ ذیل کتب اہل سنت ملاحظہ ہوں شرح نہج البلاغہ ابن ابی لحدید معتزلی ج ۱ ص ۹۳، و ج ۲ ص ۴۹۰، نو رالابصار ص ۵۰، ۱۴۹۔ مشارق الانوار ص ۱۴۔ اسعاف الراغبین مطبوعہ بر حاشیہ نور الابصار ص ۱۰۴ تا ۱۱۶ شواھد النبوہ ملا جامی ص ۲۱۲ فصول مہمہ ابن صباغ مالکی۔ جواہر العقدین سمہودی الانساب الکبیرہ و غیرہ بایں ہمہ مضمون نگار کا کذب صریح و افترا قبیح ملاحظہ ہو کہ گویا دوسرے تمام مسلمانوں کو آپ کے وجود مسعود کا منکر ٹھہراتے ہوئے ان کے اقرار کو آج کل کے شیعوں کے مختصات سے قرار دے رہے ہیں۔

ع۔ چہ دلاور است دزد کہ بکف چراغ دارد

ان حقائق کی روشنی میں محقق و مبین ہو گیا کہ حضرت صاحب العصر والزمان عجل اللہ فرجہ الرحمٰن کے امروز موجود ہونے کا عقیدہ فقط شیعوں کا انفرادی عقیدہ نہیں بلکہ تمام محققین علمائے اسلام کا اتفاقی نظریہ ہے۔ اسکو فقط شیعوں کی طرف منسوب کرنا کھلم کھلا تدلیس و تلبیس ہے جس کا ارتکاب ذوابلیس یا اس کے اتباع و اشیاع ہی کر سکتے ہیں۔

ع۔ کہ تلبیس کار شیاطین بود

(بقیہ حاشیہ ...)

قائل ہے کہ وہ حضرت نیمۂ شعبان ۲۵۵ھ میں متولد ہو چکے ہیں اور آج کل بقید حیات دار دنیا میں موجود ہیں لیکن انظار عامہ ناس سے باذن رب العالمین مخفی و مستور ہیں جب حکم ظہور ہوگا تو بروز وظہور فرما کر ''یملا الارض قسطا وعد لا کما ملئت ظلما وجورا'' ایسے متفق علیہ نظریہ کو شیوں سے اور ان میں سے فقط ''آج کل کے شیعہ'' لوگوں سے مختص قرار دینا کھلم کھلا جہالت وضلالت کا مظاہرہ ہے ذیل میں ہم ان اکابر علماء واعاظم فضلاء اہل سنت کے اسماء گرامی درج کرتے ہیں جنہوں نے حضرت امام مہدیؑ عجل اللہ فرجہ کے متولد و موجود ہونے کی تصریحات فرمائی ہیں تا کہ مضمون نگار کی کوتاہ نظری یا افترا پردازی یا ناخدا ترسی قارئین کرام پر کشف ہو جائے۔ خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ذیل میں ان کے چند اعاظم علماء کے اسماء معہ حوالہ کتب درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) حافظ شوکانی در کتاب التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح (۲) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی در کتاب فتوحات مکیہ وعنقاء المغرب (۳) حافظ جلال الدین سیوطی در کتاب العرف الوردی فی اخبار المہدی (۴) حافظ محمد ابن یوسف گنجی در کتاب البیان (۵) السید مومن شبلنجی در کتاب نور الابصار (۶) زینی دحلان مفتی مکہ در کتاب الفتوحات الاسلامیہ (۷) السید جمال الدین عطاء اللہ (بنا بر نقل زینی دحلان (۸) سبط ابن جوزی در تذکرہ خواص الامتہ (۹) شیخ شعرانی در کتاب الیواقیت والجواہر (۱۰) خواجہ پارسا در کتاب فصل الخطاب (۱۱) ملا علی قاری در مرقاۃ شرح مشکوۃ (۱۲) فضل ابن روز بہان در کتاب ابطال الباطل (۱۳) شیخ سلیمان ابن ابراہیم الحنفی در ینابیع المودۃ (۱۴) شیخ صلاح الدین الصفدی در شرح دائرہ (۱۵) قاضی ساباطی در براہین ساباطیہ (علی ما نقل عنہ) (۱۶) شیخ عطار صاحب ذوانین معروفہ در کتب مظہر الصفات وغیرہ (۱۷) سید علی ہمدانی (جو علمائے اہل سنت کے نزدیک

اعلام الاخیار کفوی اور فواتح بیدی) در کتاب مودۃ القربیٰ (۱۸) شیخ محمد صبان در کتاب اسعاف الراغبین (۱۹) اخطب خوارزم در مناقب خود (۲۰) شیخ ابوبکر بیہقی در شعب الایمان (۲۱) محدث عبدالحق دہلوی در رسالہ مناقب آئمہ اطہار (۲۲) شاہ ولی اللہ دہلوی در کتاب فضل مبین (۲۳) شیخ احمد ابن عبدالقادر عجلی در کتاب ذخیرۃ المال (۲۴) شیخ شہاب الدین دولت آبادی در کتاب ہدیۃ السعداء وغیرہ ذالک من العلماء۔

اگر خوف طوالت مانع نہ ہوتا تو ان کے کلام حقیقت ترجمان سے اس کتاب کو ضرور زینت دی جاتی۔ ان کے اقوال و آراء دیکھنے کے شائقین حضرات نشان دادہ کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ ان علماء اعلام میں سے بعض حضرات نے تو مستقل کتب و رسائل آنجناب کے وجود مسعود کے اثبات میں تحریر فرمائے ہیں جیسے (۱) کتاب البیان تالیف حافظ محمد ابن یوسف کنجی شافعی مصری (مولف نے آپؑ کے متعلق ستر احادیث نقل کہیں) (۲) کشف الخفی فی مناقب المہدی (مولف علام نے اس میں ایک سو دس روایات آنجنابؑ کے متعلق نقل کی ہیں)۔ (۳) التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر المہدیؑ امام شوکانی (۴) العرف الوردی فی اخبار المہدی تالیف حافظ جلال الدین سیوطی وغیر ذالک۔

باقی رہا ان کا یہ کہنا ''اور موجود بھی ایسی صورت میں ہو کہ لوگ اس سے تمسک کر سکیں'' الخ۔ یہ بچند وجوہ باطل و عاطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس سرچشمہ فیض ربانیہ سے استفادہ نہ کرنے اور اس مفسر آیات قرآنیہ و مبین شرائع فرقانیہ سے استفادہ نہ کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ بنا بر قواعد عقل و انصاف خداوند عالم کے اوپر اس سے زیادہ لازم نہیں کہ وہ اپنے لطف و کرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتمام حجت کے لئے انبیاء و اوصیاء کا تقرر فرمائے۔ اس کے بعد ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونا اور اپنے امور دنیویہ و دینیہ کو ان کے سپرد کر کے اپنے دین و دنیا کو سنوارنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔ اگر خداوند

عالم ان کو غلبہ و تسلط عنایت فرما کر جبراً لوگوں کو ان کا مطیع و منقاد کر دے تو یہ آئین وقوانین تکلیفی کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سزا و جزا باطل ہو کر رہ جائے گی۔ انبیاء ماسلف کے حالات و واقعات پر (جن سے قرآن مملو و مشحون ہے) ایک سرسری نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ خداوند عالم ان کو ہمیشہ اتمام حجت کے لئے بھیجتا رہا لیکن ان کی زندگیاں جن مصائب وشدائد مین گزریں وہ محتاج بیان نہیں خود خلاق عالم خبر دیتا ہے کہ "یقتلون انبیاء اللہ بغیر حق" بڑے ظلم وستم سے ان کو قتل کر دیا کرتے تھے لیکن بایں ہمہ اس حکیم علی الاطلاق نے اس سلسلہ مبارکہ کو منقطع نہیں فرمایا 'لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل" اب ان کے فیوض و برکات سے متنفع نہ ہو سکنا لوگوں کی اپنی شقاوت و بدبختی تھی۔ اس طرح باری تعالیٰ عزاسمہ نے سرکار ختمی مرتبتؐ کے بعد محض اتمام حجت کے لئے سلسلہ جلیلہ اوصیاء علیہم السلام کو قائم رکھا لیکن ان کے فیوض و برکات سے کما حقہ متنفع نہ ہونا ہماری اپنی ذاتی کمزوریاں ہیں۔ اگر مضمون نگار کے حضرات خلافت ماب آنجناب کو بہ سبب ظلم و جور اختفاء و احتجاب پر مجبور و مضطر نہ کرتے تو حضرت ولی عصرعؑ ہرگز غیبت اختیار نہ فرماتے۔ خداوند عالم اپنی کوئی نعمت مرحمت فرما کر اس وقت تک ہرگز واپس نہیں لیتا جب تک کہ لوگ خود کفران نعمت کر کے اس کو اپنے ہاتھوں سے نہ کھودیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔ "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم "یعنی

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سچ ہے کہ خود کردہ را علاجے نیست اگر ہمارے مولوی اللہ یار یا ان کے دیگر یاردانصار کو واقعاً تعطیل حدود احکام کی وجہ سے درد دین ہے تو بجائے حضرت حجت عؑ پر دانت پیسنے کے اپنے خلفاء جور کی ستم ظریفیوں و چیرہ دستیوں پر صف ماتم بچھا کر اظہار تاسف

کریں۔ شاید ارحم الراحمین ان کے حال خسران مآل پر رحم فرما کر حضرت ولی عصرعج کو اذن ظہور عطا فرمائے۔ انه علی کل شئی قدیر۔

ثانیاً یہ اعتراض درحقیقت معنی تمسک نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل معترض نے تا حال تمسک کے معنی و مفہوم ہی کو نہیں سمجھا۔ خاندان رسول سے عداوت اطمینان سے بیٹھنے تو دیتی نہیں لہٰذا اعتراض کیے جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتا کہ ایسے بودے اعتراضوں سے علمی دنیا میں ان کے علم و عقل کا بھانڈا چوراہے پر پھوٹ جائے گا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ''تمسک'' کے لغوی معنی یعنی ''الاخذ بالید'' کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑنا سمجھ رکھے ہیں۔ جیسا کہ آیہ وافی ہدایہ ''واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا'' کے نزول کے وقت ایک اعرابی نے ''اعتصام کا یہی مفہوم سمجھا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتؐ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''حبل اللہ'' سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ اس وقت ایک اعرابی وہاں موجود تھا اس نے اٹھ کر آنجناب کا دامن پکڑ لیا۔ تب آنحضرت نے فرمایا تمسک واعتصام سے یہ مراد نہیں بلکہ اس سے مراد آنجنابؑ کی اتباع و پیروی کرنا ہے۔ (ینابیع المودہ بحوالہ مناقب فاخرہ باسناد ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ)

ایک ناخواندہ بدّو اگر تمسک واعتصام کے معنی نہ سمجھ سکا تو جائے تعجب نہیں لیکن اگر ہمارے مولوی اللہ یار صاحب بایں ہمہ ادعاء فضل و کمال اس کا مفہوم نہ سمجھ سکیں تو یہ کسی رنگ میں بھی معذور نہیں بہرحال یہ واضح ہے کہ کسی کے ساتھ تمسک کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے اوامر و نواہی کی متابعت و پیروی کی جائے جیسا کہ مندرجہ بالا واقعہ سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے اگر اب بھی تسکین خاطر نہ ہوئی تو آیئے محقق تفتازانی کی تحقیق انیق کو گوش حقیقت نیوش سے سماعت فرما کر اسے کحل البصیرت بنائیں وہ شرح مقاصد میں بذیل شرح

حدیث ثقلین رقمطراز ہیں۔

الا تری انہ قد قرنھم بکتاب اللہ تعالیٰ فی کون التمسک بھما منقذا من الضلالۃ و لا معنی للتمسک بالکتاب الا الاخذ بما فیہ من العلم و الھدایۃ فکذا فی العترۃ انھتی

''آیا تم غور نہیں کرتے کہ آنحضرتؐ نے امت کو ضلالت و گمراہی سے بچانے میں کتاب خدا کے ساتھ عترت کو شریک قرار دیا ہے اور واضح ہے کہ کتاب خدا کے ساتھ تمسک کرنے کا سوائے اس کے کہ اس میں جو علم و ہدایت موجود ہے اس کو اخذ کیا جائے اور کوئی معنی ہی نہیں (نہ یہ کہ اس کو بغل میں دبائے رکھا جائے) لہذا عترت کے ساتھ تمسک کے بھی یہی معنی ہوں گے (یعنی ان کے علوم و ہدایات سے استفادہ کیا جائے نہ یہ کہ ہاتھوں سے ان کے دامن کو تھاما جائے) اسی طرح ملا علی قاری شرح شفاء میں معنی تمسک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ''معنی التمسک بالقرآن التعلق بامرہ و نھیہ و اعتقاد جمیع ما فیہ و حقیقتہ و التمسک بعترتہ محبتھم و متابعۃ سیرتھم'' اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ یہ تمسک جس طرح عترت طاہرہ کے ظاہری طور پر موجود و مشہود ہونے کی صورت میں ممکن ہے اسی طرح اگر کسی وقت باذن ایزدی وہ پردۂ غیبت میں جاگزیں ہوجائیں لیکن ان کے ارشادات و فرامین کسی نہ کسی ذریعہ سے دستیاب ہوتے رہیں۔ تو ان کے ساتھ تمسک ہوسکتا ہے۔ خیال رہے کہ اس حقیقت حال کے سننے کے بعد مولوی صاحب بلبلا اٹھیں گے اور ہمیں کوستے ہوئے فرمائیں گے کہ حضرت مہدی تک کس کی رسائی ہوسکتی ہے کون شخص ان کے پاس جا کر مسائل شرعیہ دریافت کرسکتا ہے؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو آئے دن یہ ہمارے تمہارے اختلافات برائے چہ؟ تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ پہلے آنجناب عج کی غیبت کی

امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کی دو غیبتیں ہیں۔ (۱) غیبت صغریٰ۔ (۲) غیبت کبریٰ۔

غیبت صغری کی ابتداء ۲۶۰ھ سے ہوئی جو ستر سال بعد ۳۲۹ھ کو ختم ہوئی ہے۔ تو اس کے بعد غیبت کبری شروع ہو جاتی ہے جو آپ کے ظہور تک باقی ہے ان دونوں غیبتوں میں آنجناب نے باوجود اپنی گوناگوں مجبوریوں کے اخذ شرائع اسلام وتعلیم مسائل حلال وحرام کے کچھ ذرائع و وسائل مقرر فرمادیئے تھے۔ چنانچہ غیبت صغری میں آنجناب نے یکے بعد دیگرے اپنے چار نائب خاص مقرر فرمائے تھے جو ''نواب اربعہ'' کے لقب سے مشہور تھے اور آج تک بغداد میں ان کے مراقد شریفہ مومنین کی زیارت گاہ ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) عثمان ابن سعید (۲) ان کے بیٹے محمد ابن عثمان (۳) ابوالقاسم حسین ابن روح نوبختی اور (۴) ابوالحسن علی بن محمد سمری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حضرات مومنین ان کے توسط سے اپنے مسائل دین کو حافظ شریعت سید المرسلین سے حاصل کرتے تھے اور جب غیبت صغری کی مدت ختم ہوگئی تو اسکے ساتھ ساتھ نیابت خاصہ کا بھی خاتمہ ہوگیا اور غیبت کبری واقع ہوگئی اس کے بعد مخصوص افراد کے لئے نیابت عمومی کا باب مفتوح ہوگیا اور مومنین کو ان سے مسائل دین مبین اخذ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ ان افراد سے ہماری مراد حضرات علمائے دین اور حافظان شرع متین ہیں۔ جن کی طرف خود حضرت حجت عج نے بایں الفاظ مخصوص رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ ''واما الحوادث الواقعه فارجعوا فيها الى رواة حديثنا فانهم حجتي عليكم و انا حجة الله فاذا حكموا بحكمنا فلم يقبل منهم فهو كالراد علينا والراد علينا كالراد على الله والراد على الله كحد الشرك بالله''

جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا لقائمنا غيبتان واحدة طويلة والاخرى قصيره یعنی ہمارے قائم کے لئے دو غیبتیں ہوں گی ایک لمبی اور دوسری چھوٹی۔ (منن الرحمن ج ۲) (منہ عفی عنہ)

ہماری غیبت کبریٰ میں تمہیں جو مسائل درپیش ہوں ان میں ہمارے راویان اخبار کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ میری طرف سے تمہارے اوپر حجت ہیں اور میں ان کے اوپر حجت خدا ہوں۔ جب وہ ہمارے حکم کے مطابق حکم کریں اور اس کو ان سے قبول نہ کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے ہماری بات کو رد کر دیا اور ہمارے اوامر ونواہی کو مسترد کرنا بمنزلہ شرک باللہ ہے۔ (کمال الدین، غیبت شیخ طوسی، احتجاج طبرسی، غیبت نعمانی وغیرھا) آئمہ ہدیٰ نے ان علماء وفقہا کے اوصاف یہ بیان فرمائے ہیں۔ ''واما من کان من الفقهاء صائنا لنفسه حافظا لدينه مخالفاً لهواه مطيعاً لامر مولاه فللعوام ان يقلدوه'' یعنی جو شخص فقہا میں سے (محرمات سے) اپنے نفس کو بچانے والا (دنیائے دنی سے) اپنے دین کی حفاظت کرنے والا اپنی ہوا وہوس کی مخالفت کرنے والا اور اپنے مولا وآقا کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے والا ہو تو عوام کے لئے اس کی تقلید کرنا جائز ہے۔ (احتجاج طبرسی وغیرہ) ان علماء دین میں بہت سے ایسے علماء گزرے ہیں اور ممکن ہے اب بھی موجود ہوں کیونکہ

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

جو مسائل شرعیہ میں تحیر وتردد کے وقت خود آنجنابؑ سے ان کا جواب باصواب دریافت کر لیتے تھے اور عقدہائے لاینحل میں اس حلال مشکلات کی طرف رجوع کر کے اپنی مشکل کشائی کرا لیتے تھے۔ (تفصیلات کے لئے کتاب العبقری الحسان تالیف شیخ علی اکبر نہاوندی، نجم ثاقب، جنۃ الماوی ہر دو تالیف جناب محدث نوری، دارالسلام فیض فاز بلقاء الحجہ علیہ السلام تالیف شیخ محمود عراقی ملاحظہ ہو) بنابریں یہ کہنا کہ ان کے غیبت کے زمانہ میں ان کے ساتھ تمسک کی کوئی صورت نہیں [illegible]

دریافت کیئے جاسکتے تو یہ اختلاف کیوں ہوتے؟ سو واضح ہو کہ اختلافات فقط ان سے مسائل دریافت کر لینے سے مرتفع نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان کو پورا پورا "تمکن و تسلط" حاصل نہ ہوتا کہ وہ قوانین وحدود شرعیہ کا اجراء و انفاذ اور کما حقہ مسائل دین کی نشر و اشاعت کر سکیں باقی گیارہ آئمہ علیہم السلام باوجودیکہ لوگوں کے درمیان موجود و مشہور رہے کیا ان کے زمانہ میں اختلافات ختم ہو گئے تھے؟ لا واللہ جب تک روحانیت کے ساتھ مادی طاقت موجود نہ ہو تب تک دنیا کی اصلاح ناممکن ہے۔ کما لا یخفی علی من مارس احوال الرجال و جاس خلال تلک الدیار "اللھم عجل فرجہ، و سھل مخرجہ و اجعلنا من عوانہ و انصارہ و اکرمنا بحوارہ" ملا صاحب کا شیعوں پر اتہام لگانا کہ "ان کے نزدیک امام مہدی بارہویں امام کسی غار میں روپوش ہیں" کذب جسیم و بہتان عظیم ہے اور شیعوں کے نظریات سے سراسر جہالت پر مبنی ہے ورنہ کوئی باخبر شیعہ یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ امام زمانہ کسی غار میں روپوش ہیں اور اس سے ظہور فرمائیں گے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ امام زمانہ عج اس دار دنیا میں زندہ و سلامت موجود ہیں۔ غالباً ملا صاحب نے علم و فضل میں اپنے کسی مثیل سے یہ سن لیا ہوگا کہ آنجناب عج کسی غار میں روپوش ہیں۔ یا ان کے لئے شبہ کا منشاء یہ ہوگا کہ زائرین سامرا میں جا کر سرداب کی زیارت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط محض ہے کوئی با معرفت شیعہ یہ اعتقاد نہیں رکھتا اور یہ حضرات سرداب سامرہ کی جو زیارت کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ یہ جگہ آئمہ اہل بیت میں سے تین حضرات یعنی امام علی نقی و حضرت امام حسن عسکری اور حضرت امام مہدی علیہم الصلوۃ و السلام کا مسکن رہ چکی ہے۔ اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آقا علامہ السید محسن امین عاملی نے کتاب المجالس السنیہ جلد ۵ صفحہ ۵۵۸، ۵۵۹ پر فرمایا

"ان ھذا جھل ممن یری ان الشیعة تعتقد وجود المھدی حیا فی ھذا

الدنیا الخ.. (الی ان قال) و سبب زیارة الشیعه لذالک السرداب و تبرکھم به انه سرداب الدارالتی کان یسکنها الامامان علی ابن محمد الهادی و ابنه الحسن ابن علی العسکری و ابنه المهدی علیهم السلام و تشریف بسکناهم به و قد رئیت لاامام المهدی فیه معجزة الخ (اس کلام حقیقت ترجمان کا مطلب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے)

فصل پنجم

حضرت سلطان عصر امام زمان عجل کے متعلق چند مہم شبہات کے جوابات

مخفی نہ رہے کہ گو ہم ملا صاحب کے شبہ کا جواب باصواب کا ملا عرض کر چکے ہیں لیکن مناسب سمجھا کہ یہاں چند اور شبہات کا ازالہ بھی کر دیا جائے۔ جو آنجناب ع کی اس طولانی غیبت وغیرہ کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر شبہے تو ایسے بودے اور رکیک ہیں کہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کو علمی کتابوں میں لکھ کر ان پر تبصرہ کیا جائے۔ ہاں البتہ دو تین شبہے جو ہمیشہ مخالفین و معاندین کی طرف سے بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں ہم انہیں ذیل میں بیان کر کے ان پر تبصرہ کرتے ہیں۔

(شبہ اولی) جو لوگ آنجنابؑ کے موجود ہونے کے قائل ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ آپ کی ولادت نیمہ شعبان ۲۵۵ھ میں واقع ہوئی اس طرح ان کی عمر اب یعنی ۱۳۷۸ھ میں گیارہ سو تیئس سال قرار پاتی ہے۔ حالانکہ بیان کیا جاتا ہے کہ انسان کی طبعی عمر ایک سو بیس سال ہے۔ پھر انسان کی اتنی طولانی عمر کیسے ہو سکتی ہے؟ اور وہ اس قدر طویل مدت تک کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں؟

(الجوب وباللہ التوفیق فی ھذا التحقیق)

یہ شبہ بچند وجوہ باطل ہے اولاً اس لئے کہ یہ شبہ کوئی دلیل و برہان نہیں ہے بلکہ محض ایک استبعاد ہے جس کی وجہ سے دلائل و براہین سے ثابت شدہ حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا بنابریں جناب صاحب العصر والزمان کا وجودی ذی الجود جو دلائل قاطعہ سے ثابت ہو تو ایسے بودے شبہات سے اس سے دستبردار ہونا قطعاً روا نہیں ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ اپنے مقام پر یہ امر محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ ادل دلیل "علی امکان الشئی وقوع الشئی" یعنی جب کسی چیز کے ممکن الوقوع اور غیر ممکن الوقوع ہونے میں نزاع ہو جائے تو اس کا امکان ثابت کرنے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ چیز خارج میں واقع ہو جائے اس کا منصہ شہود پر آجانا اس نزاع کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر وہ چیز ممکن الوقوع نہ ہوتی تو ہرگز نیستی سے نکل کر عرصہ ہستی میں قدم نہ رکھتی لہٰذا اس قاعدہ کی بنا پر حضرت حجت عج کی اس قدر طولانی مدت تک زندہ رہنے کی بحث کرنا فضول ہے۔ اس لئے کہ جب آنجناب سے بھی زیادہ طویل عمر رکھنے والے بہت سے اشخاص عالم میں گزر چکے ہیں اور کچھ ابھی تک بقید حیات ہیں تو پھر حضرت ولی عصر عج کا اس قدر طویل العمر ہونا کیوں کر محل تعجب قرار دیا جاتا ہے؟ چنانچہ حضرت آدم کے متعلق کتب قدیمہ میں ملتا ہے کہ انہوں نے نوسو تیس ۹۳۰ برس کی زندگی پائی تھی اور حضرت شیث کے متعلق نوسو بارہ ۹۱۲ سال لکھے ہیں اور حضرت نوح کے متعلق خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "فلبث فی قومه الف سنة الا خمسين عاما" یعنی آنجناب نے نوسو پچاس سال اپنی قوم میں رہ کر فرائض تبلیغ انجام دیئے لیکن سلسلہ تبلیغ سے پہلے اور ہلاکت قوم کے بعد کس قدر زندگی بسر کی۔۔۔؟ قرآن اس کے متعلق خاموش ہے مجموعی طور پر اڑھائی ہزار سال ۲۵۰۰ تک روایات ملتی ہیں۔ بنابریں حضرت مہدیؑ کی عمر

مبارک تو ابھی تک حضرت نوح کی عمر تک بھی نہیں پہنچی ہے۔[1]

حضرت ادریس وعیسیٰ علیہما السلام کے متعلق تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ خداوند عالم نے ان کو زندہ و آسمان پر اٹھالیا جو ابھی تک وہاں بقید حیات موجود ہیں تو جو خدا آسمان پر ان کو اس قدر مدت مدید تک زندہ رکھ سکتا ہے وہ خدا اس پر بھی قادر ہے کہ اپنی حجت بالغہ کو زمین پہ رکھ کر ایک مدت تک زندہ وسلامت رکھے۔

علاوہ بریں۔ حضرت خضر (جو حضرت موسیٰ کے معاصر تھے) اور حضرت الیاس کے تا حال زندہ رہنے پر تقریباً تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ ان کے اس عرصہ بعید تک زندہ رہنے پر یہ اعتراض کیوں نہیں کیا جاتا؟[2] معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو آئمہ اہل بیت ہی سے کچھ کاوش ہے فطرت انسان کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس قدر طویل العمر افراد کی طولانی عمروں کو نظر میں رکھنے کے بعد اب کسی شخص کی طبعی عمر سے زیادہ زندہ رہنے پر قطعاً کوئی تعجب نہ کرے جیسا کہ سید رضی الدین ابن طاؤس اعلی اللہ مقامہ نے اس مقام پر کتاب کشف المحجہ میں ایکبہترین مثال دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب سید موصوف کو بعض اہل سنت کے علماء

---

[1] کتب سیر وتواریخ میں عوج بن عنق کی عمر تقریباً تین ہزار سال اور ضحاک کی عمر ہزار برس واور طہمورث کی عمر ہزار برس اور نفیل کی عمر سات سو برس سطیح الکاہن کی عمر چھ سو سال اور عامر بن حرب کی پانچ سو سال حرث بن خضاض کی عمر چار سو سال اور جناب سلمان محمدی کی عمر تین سو سال تک مذکور ہے (منہ عفی عنہ)

[2] محمد بن یوسف شافعی کتاب البیان میں لکھتے ہیں ''الامتناع فی بقائہ کبقاء عیسی بن مریم ولخضر والیاس من اولیاء اللہ تعالی و بقاء الاعور الدجال و ابلیس اللعین من اعداء اللہ ''یعنی امام زمانہ کے اس قدر مدت تک زندہ رہنے سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ جس طرح خدا کے دوستوں میں سے جناب عیسی 'خضر' الیاس زندہ ہیں اور خدا کے دشمنوں میں سے اعور، دجال اور شیطان زندہ ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

بغداد سے اس موضوع پر مناظرہ کرنے کا اتفاق ہوا تو سید مرحوم نے ان کے استبعاد کو دور کرنے کے لئے یہ مثال پیش فرمائی کہ اگر کوئی آدمی بغداد میں آکر یہ دعوی کرے کہ وہ پانی پر چل سکتا ہے اور اپنا یہ کمال دکھانے کے لئے ایک تاریخ مقرر کردے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ آیا اہل بغداد میں سے کوئی شخص ایسا رہ جائے گا جو مقررہ تاریخ پر اس مقام پر جہاں اس نے پانی پر چلنا ہے نہ پہنچ جائے؟

پھر اگر وقت معین آنے پر وہ آدمی پانی پر چل کر دکھادے اور بعد از اختتام یہ کہہ دے کہ اسی طرح کل دوبارہ میں اس پانی پر چل کر دکھاؤں گا تو کیا اس مرتبہ اسی طرح لوگ جمع ہوں گے جس طرح پہلی مرتبہ ہوئے تھے؟ ''ہرگز نہیں'' یقیناً آج حاضرین کی تعداد بہ نسبت پہلے دن کے بہت کم ہوگی اس کے بعد دوسرے دن وہ یہ کہے کہ کل پھر یہ تماشا دکھایا جائے گا تو کیا اب کی مرتبہ لوگ بدستور سابق حاضر ہوں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ یا تو کوئی آئے گا ہی نہیں یا کوئی شاذ و نادر آدمی آئے گا اور اگر وہ تیسرے دن یہ کہہ دے کہ چوتھے دن پھر یہی سلسلہ جاری ہوگا تو یقین ہے کہ کوئی ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہوگا اور نہ اس کے فعل سے کوئی تعجب ہی کرے گا بلکہ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی کوئی نہیں دیکھے گا۔ بلا تشبیہ حضرت مہدی کی بھی مثال ہے کہ اگر لوگ اس قدر طویل عمر رکھنے کی پہلی کوئی مثال نہ دیکھ چکے ہوتے تو انہیں تعجاب کا حق حاصل تھا لیکن جب اس کی پہلی کئی مثالیں ان کے پیش نظر ہیں جن کا سابقا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔ تو اب کسی کو محل تعجب باقی نہیں رہنا چاہیئے؟[۱] سید صاحب نے جو مثالیں

---

[۱] آقائے علامہ سید محسن امین عاملی مجالس السنیہ جلد ۵ ص ۵۵۶ پر جناب سید ابن طاؤس کا کلام نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ہم دمشق (شام) میں موجود تھے۔ کہ خبر پہنچی کہ ایک ہوائی جہاز دمشق میں آنے والا ہے۔ اس وقت تک لوگوں نے ہوائی جہاز نہیں دیکھا تھا۔ اس دمشق میں کوئی شخص ایسا تھا جو جہاز دیکھنے کے لئے شہر سے باہر نہ نکل آیا ہو لیکن جب دوسری مرتبہ یہ جہاز آیا تو نکلنے والوں کی تعداد میں خاصی کمی ہوگئی۔ یہاں تک کہ آجکل ہوائی جہاز وں کی طرح ہمارے سروں پر اڑتے پھرتے ہیں لیکن کوئی شخص ان کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا چہ جائیکہ ان پر اظہار تعجب کرے۔ (منہ عفی عنہ)

ش فرمائی ہیں وہ بالکل ٹھیک فطرت انسانی کے مطابق ہیں لیکن جب فطرت ہی میں فتور واقع
ہو جائے تو پھر وہ اپنا صحیح کام انجام نہیں دیتی اور اسی طرح بے موقع و بے محل استبعادات اور
استغرابات کئے جاتے ہیں سچ ہے۔

اذلم تکن للمرء عین صحیحۃ
فلا غروان یرتاب والصبح مسفر

ی

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

لہٰذا جب بعض مصالح و حکم کی بنا پر خداوند عالم اپنے انبیاء علیہم السلام کو غیر طبعی
یں عطا فرما سکتا ہے تو اگر وہی خدا ان انبیاء کے بعض اوصیاء کو طویل عمریں عطا کر دے تو
ں میں کون سا محذور و محال لازم آتا ہے؟ کیونکہ محال عقلی تو ہرگز قابل تخصیص نہیں ہوتا۔ اگر
ں قدر طویل العمر ہونا عقلاً محال ہوتا تو ہرگز یہ حضرات انبیاء اتنا عرصہ زندہ نہ رہ سکتے لیکن
ب ان کی اس قدر طویل زندگیاں تقریباً تمام فرق اسلام کے نزدیک مسلم ہیں تو حضرت
ت عج کے حق میں ایسا کیوں محال ہونے لگا؟ یہ اولیاء اللہ کے واقعات تھے لیکن ہمیں تو کچھ
اء اللہ ایسے نظر آتے ہیں جن کی عمریں سینکڑوں بلکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں برسوں تک پہنچی
ں ہیں۔ جیسے ابلیس جو ہمارے جد نامدار حضرت ابوالبشر آدم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام سے
ی کئی ہزار برس پہلے سے پیدا شدہ ہے اور اسی طرح دجال جو عہد ختمی مرتبت میں پیدا ہوا اور
حال بقید حیات ہے تو جب دشمنان خدا اس قدر غیر طبعی عمریں حاصل کر سکتے ہیں تو کیا
ت عالم اپنے بعض اولیاء کو غیر طبعی عمر تک زندہ نہیں رکھ سکتا؟ کتب تواریخ میں بہت سے
ل العمر اشخاص کے قصص و حکایات ملتے ہیں جن کے حالات میں علماء نے مستقل کتابیں
ی ہیں جیسا کہ مجالس السنیہ جلد ۵ میں مذکور ہے کہ ابو حاتم سجستانی نے معمرین کے متعلق

ایک کتاب تالیف کی ہے۔ خوف طوالت مانع ہے ورنہ ان میں سے بعض کا ہم ضرور ذکر کرتے بہر حال ہم نے ایسے بہت سے افراد کے نام گنوادیئے ہیں جن کا طویل العمر ہونا مسلمانوں کے نزدیک مسلم ہے کیونکہ ان میں بعض کا ذکر تو ایسی کتاب میں ہے جس کے متعلق "لاریب فیہ" کی سند موجود ہے پس جب اخبار متواترہ اور آثار متکاثرہ سے آنجناب کا وجود مسعود ثابت ہوگیا تو محض ایسے استبعادات کی بنا پر اس کا انکار کردینا عقلاء کا کام نہیں ہوسکتا۔

ثالثاً اس لئے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ غیر طبعی عمر تک زندہ رہ سکنا ممکن ہے تو ایسا اعتراض وہی شخص کرسکتا ہے جو خدا کی قدرت کاملہ کا قائل نہ ہو ورنہ جو خدا ہر شے پر قادر ہے کیا وہ کسی ہستی کو ہزار یا دو ہزار سال تک یا اس سے کم وبیش عمر تک باقی نہیں رکھ سکتا؟ ہزار دو ہزار برس کیا چیز ہے وہ تو لاکھوں سال بلکہ کروڑوں سال تک اپنی مخلوق کو زندہ رکھ سکتا ہے۔ کیا اصحاب کہف اب تک زندہ نہیں ہیں؟ کیا جناب خضر والیاس وعیسیٰ اب تک زندہ نہیں؟ اعتراض کرنے والوں کو ان کی طولانی عمروں پر تعجب کیوں نہیں ہوتا؟ امام عصر ع کی عمر تو ابھی کچھ اوپر گیارہ سو سال ہے؟ جناب عیسیٰ، خضر اور الیاس علیہم السلام کو زندہ تسلیم کر کے جناب امام زمانہ کی طویل العمری پر اعتراض کرنے والو

ع۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

(شبہ ثانیہ) اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کا وجود ضروری ہے لیکن ایسے امام غائب کے وجود سے مخلوق کو کیا فائدہ جس کو ہم نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس جاسکتے ہیں۔ نہ ان سے مسائل پوچھ سکتے ہیں نہ اپنی حاجت روائی کر سکتے ہیں جب امام حجت خدا ہیں اور ان کا باقی رہنا ضروری ہے۔ تو نظروں سے غائب کیوں ہیں آخر انکی کوئی علت تو معلوم ہونی چاہیئے؟

(الجواب بتائید اللہ الملک الوہاب)

یہ شبہ بچند وجہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے (۱) بہتر ہوتا کہ یہ ایراد خود خداوند عالم پر کیا

جاتا کیونکہ حضرت حجت عج کی مثال گزشتہ انبیاء میں بھی ملتی ہے جن کو خداوند عالم نے مبعوث کیا تھا لیکن ان کی قوموں نے بجائے ان کے مواعظ شافیہ اور نصائح کافیہ سے استفادہ کرنے کے ان پر بڑی بڑی مصیبتیں ڈھائیں کسی کو قید و بند میں رکھا کسی کو آگ میں ڈالا کسی کو قتل کیا۔ ان کے دردناک واقعات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مذکور ہیں۔ ''تاسرون فریقا و تقتلون فریقا، یقتلون الانبیاء بغیر حق'' خلاق عالم سے دریافت کرنا چاہیئے کہ بارالہاً جب تجھے علم تھا کہ وہ لوگ بجائے ان ذوات مقدسہ سے فیوض و برکات کے استفادہ و استفاضہ کے ان کو مختلف قسم کی اذیتیں دیں گے تو پھر ان کو بھیجا کیوں؟ تو جو جواب ان انبیاء کے حسن بعثت کے متعلق دیا جائے گا وہی جواب حضرت حجت عج کی غیبت کے متعلق دیا جائے گا؟ اگر وہاں یہ جواب دیا جائے کہ ان کا مبعوث کرنا لطفاً خداوند پر واجب تھا تا کہ معاندین پر اتمام حجت ہو جائے۔ خلاق عالم خود اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ''بعث اللہ النبین مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس حجة علی اللہ بعد الرسل'' یعنی خداوند عالم نے انبیاء کو مبشر و منذر بنا کر اس لئے بھیجا تا کہ ان کے بعد لوگ خدا کے خلاف کوئی حجت نہ پیش کرسکیں لوگوں کا ان سے استفادہ نہ کرنا خود انہی کی شقاوت و بدبختی کا نتیجہ تھا۔ بعینہ یہی جواب باصواب ہم حضرت ولی عصر کے تقرر اور ان سے استفادہ نہ کرنے کے متعلق عرض کریں گے۔ کما لا یخفیٰ۔

(۲) نقلاً و عقلاً یہ بات ثابت ہے کہ ہر زمانہ میں امام کا وجود ضروری ہے اور زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی لیکن اگر بعض اوقات کسی وجہ سے انظار عالم سے روپوش ہوجائیں تو اس سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ تاریخ اسلام سے واضح ہے بلکہ خود قرآن مجید شاہد ہے کہ بہت سے انبیاء تھوڑی تھوڑی مدت تک کے لئے غائب رہ چکے ہیں۔ پھر اس سوال کا کیا موقع ہے کہ امام عصر کیوں غائب ہیں؟ خدا کی مصلحت بندے کیا جانیں؟ جس

طرح خدا نے کسی مصلحت سے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ حضرت یونس، حضرت ادریس، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد کو تھوڑی مدت کے لئے غائب کیا تھا وہی خدا اپنی کسی خاص مصلحت کی بنا پر امام عصر عج کو بھی ایک وقت خاص تک کے لئے غائب کرسکتا ہے۔

غیبت کی مدت اگر کم وبیش ہے تو ہوا کرے اصل مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ یہ تو تقاضاء وقت پر مبنی ہے جس قدر وقت و مصلحت کا تقاضا ہوگا اسی قدر غیبت قصیر یا طویل ہوگی ہمارے لئے یہ امر ضروری نہیں ہے کہ علت غیبت کو ہم معلوم کریں قرآن مجید میں مومن کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان رکھنے والا ہوتا ہے نہ یہ کہ غیبت کی علت جاننے والا ہوتا ہے بالفرض اگر ہمیں غیبت کی علت نہ بھی معلوم ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت کا وجود بھی نہ ہو۔ کیونکہ کسی شے کی علت نہ جاننا اس کی عدم کی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے خلاق عالم نے ایک گروہ کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ ''وکذبو بما لم یحیطوا بعلمه'' یہ لوگ جس چیز کا احاطہ علمی نہیں رکھتے اس کی تکذیب کردیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑی سخت غلطی ہے۔ ہم ہزاروں باتوں کی علت کو نہیں جانتے تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ چیزیں معدوم ہیں؟

(۳) اس میں کوئی شک نہیں کہ وجود نبی و امام ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ آیات و احادیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین کبھی حجت خدا سے خواہ انبیاء ہوں یا ان کے اوصیاء خالی نہیں رہتی کیونکہ خلاق عالم کے اوپر لطفاً واجب ہے کہ وہ ان کا تقرر کرے اس لئے کہ ان کا وجوب مقرب الی الطاعت اور مبعد عن المعصیه ہے اور اس لطف کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے اگر ان میں سے کسی چیز میں کمی واقع ہو جائے تو ان سے کما حقہ استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔

اول یہ کہ خداوند عالم کچھ ایسے ذوات مقرر خلق فرمائے جو فی نفسہ ...

کی انجام دہی کی اہلیت و قابلیت رکھتے ہوں۔ دوم یہ کہ وہ افراد کاملہ اس امانت کبریٰ اور سفارت عظمٰی کو قبول کرلیں۔

سوئم یہ کہ جب وہ اپنی صداقت وحقانیت حجج و براہین سے ثابت کردیں تو مکلفین کا فرض ہے کہ ان ذوات مقدسہ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں اوران کوقدرت دیں کہ وہ حفظ حوزہ دین وراقامہ حدوداور بیان احکام غرض کہ وہ اپنے فرائض کوباحسن وجوہ انجام دے سکیں ظاہر ہے کہ پہلے دومرحلے خلاق عالم اوراس کی حجج طاہرہ یعنی انبیاء وآئمہ سے متعلق ہیں اور تیسرامرحلہ لوگوں سے متعلق ہے جومراحل خدااورانبیاء واوصیاء کے متعلق تھے ان میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی واقع نہیں ہوئی جیسا کہ واضح ہے ہاں اگرتقصیروکوتاہی ہوئی ہے تومرحلہ سوم میں جومکلفین سے متعلق تھا۔ظاہر ہے کہ خلاق عالم نے ان کوخلق کرکے لوگوں کی طرف ان کوچاہ ضلالت سے نکالنےاوررشدوہدایت کے جادے پرگامزن کرنے کے لئے بھیجا۔لیکن ان سے کماحقہ استفادہ نہ کیا گیااس لئے وہ یاآسمان پراٹھالئے گئے یامردم سے روپوش کردیئے گئے۔

اس کا ذمہ دار خداکونہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ وہ کریم ہے رحمان ہے رحیم ہے اس کی شان کے خلاف ہے کہ کوئی نعمت دے کربلا وجہ چھین لے خداکسی قوم کی حالت کواس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خوداپنی حالت کونہ بدلے وہ کسی نعمت کواپنے بندوں سے سلب نہیں کرتا جب تک بندے خودبخودکفران نعمت کرکے اسے ضائع نہ کریں علت غیبت امام کی طرف بھی نہیں عائدہوسکتی کہ وہ بلاوجہ غائب ہوگئے اورتبلیغ دین سے منہ چھپاکربیٹھ گئے؟ اگروہ ایساکرتے توخداانہیں امام ہی نہ بناتا۔نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اس غیب کاسبب خودانسان ہی قرارپاتا ہے چنانچہ خداوندعالم فرماتا ہے کہ ”ما اصابکم من مضیبة الا بما کسبت ایدیکم“ جومصیبت تم پرپڑتی ہے وہ تمہارے ہی کرتوتوں کانتیجہ ہوتی ہے۔امام

ہے۔ انبیاء و مرسلین جب کبھی غائب ہوئے ہیں تو اسی وجہ سے ہوئے ہیں کہ لوگوں میں کفران نعمت اور تکذیب آیات الٰہی اور ظلم و جور حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ خدا نے ان کو یہ سزا دی کہ اپنے ولی اور اپنی حجت کو ان سے غائب کر دیا اور بادشاہان جابر و جائر ان پر مسلط ہو گئے۔ چنانچہ ہمارے دس آئمہ ھدیٰ علیہم السلام کا زمانہ حزن الام و مصائب[1] میں ہی سہی گزر گیا اور

---

[1] آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے مقدس سلسلہ میں سے خدا کی گیارہ حجتیں ظاہر ہوئیں۔ ان میں ب سے پہلے حضرت علیؑ تھے ان کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا؟ کہاں تک ان سے فیض اٹھایا؟ کتنے علوم و فنون عام مسلمانوں نے ان سے سیکھے؟ اور کس حد تک ان کے فیوض و برکات سے استفادہ کیا؟ ان کی ساری زندگی جنگ و جدال ہی میں گذر گئی۔ مصائب و آلام میں گھرے رہے آخر کار بڑے ظلم و جور سے ان کو شہید کر دیا گیا ان کے بعد حضرت امام حسنؑ کا ظاہری دور امامت شروع ہوا۔ انہوں نے اپنا فریضہ ادا کرنے کی پوری کوشش کی مگر لوگوں نے ان کو خون کے گھونٹ پلائے اور آخر شہید کر دیا۔ پھر حضرت امام حسین ابن علیؑ ظاہر ہوئے ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ ظاہر و عیاں ہے غرضیکہ یکے بعد دیگرے گیارہ حجتیں ظاہر ہوئیں لیکن دشمنان دین نے ان میں سے کسی کو بھی امن و امان سے زندگی بسر کرنے کا موقع نہ دیا۔ ہمیشہ قید و بند کی مصیبت میں ہی رکھا اور ب موقع ملا زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ اگر بارہویں امام ظاہر ہوتے تو ان کے ساتھ کیا سلوک تے؟ وہی جو ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ کیا تھا ان کو تو کچھ مہلت ملی تھی مگر اب حالات ایسے کہ انہیں فوراً شہید کر دیا جاتا کیونکہ حکام وقت کو جو خوف ان سے تھا وہ کسی اور سے نہ تھا وہ یہ احادیث رسولؐ سے معلوم کر چکے تھے کہ ظالموں اور جابروں کا قلع قمع مہدی آخر الزمان کے ں ہونے والا ہے یہ پیش گوئی اور کسی امام کی بابت نہ تھی بلکہ صرف امام زمانہ کے بارے میں ہی ان امامؑ سے ان جابر بادشاہوں کو وہی خوف تھا جو نمرود کو ابراہیم سے اور فرعون کو موسیٰ سے تھا۔ نے نہ چاہا کہ اپنی اس آخری حجت کو ظالموں کے ہاتھوں سے اس طرح ضائع کروا دے۔ جس اس سے پہلے خدا کی حجتیں ضائع کرائی گئیں۔ اگر ہلاکت گری کا یہ سلسلہ بدستور جاری رہتا تو خدا کی حجتیں قیامت تک آتی رہتیں اور یہ سلسلہ قتل و غارت جاری رہتا مگر خدائے حکیم نے ا حجت کو پردہ غیبت میں چھپا کر محفوظ کر لیا

گیارھویں تاجدار ولائت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو معتمد عباسی نے ۲۶۰ھ میں زہر جفا سے شہید کرا دیا۔ تو اس نے آنجناب کے وصی و جانشین اور خلیفہ سید المرسلین حضرت ولی عصر امام مہدی عج کا تجسس شروع کیا تا کہ اس شمع امامت کو بھی گل کردے لیکن خداوند عالم کو منظور تھا کہ یہ آخری شمع امامت خاموش نہ ہو لہذا ان کو حکم دیا کہ انظار مردم سے غائب و مستور ہو جائیں چنانچہ حضرت ولی عصر عج اذن ایزدی اپنی حفظ جان کے لئے مخفی و مستور ہو گئے۔ عجل اللہ تعالی فرجہ، وسہل مخرجہ، اب خدائے متعال ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے ظہور موفر السرور میں کب مصلحت ہے؟ ہمارا کام تو دعائے تعجیل امر و کشائش کا کرنا ہے اور بس ہم وقت ظہور معین و مقرر نہیں کر سکتے کیونکہ قول معصوم ہے'' کذب الوقاتون کذب الوقاتون. کذب الوقاتون وقت مقرر کرنے والے جھوٹ ہیں۔ (اصول کافی وغیرہ) اگر چہ ہمیں ان کے وجوہ مسعود کے تفصیلی فوائد معلوم نہیں لیکن تاہم ایسا بھی نہیں کہ کسی فائدہ کی اطلاع نہ ہو بلکہ بہت سے فوائد ایسے ہیں کہ جن کا ہمیں علم و یقین حاصل ہے چنانچہ حدیث جابر میں مروی ہے کہ حضرت ختمی مرتبت نے آئمہ اثنا عشر کا ذکر کرتے ہوئے اس آخری حجت خدا کی غیبت کا ذکر فرمایا تو جابر نے عرض کیا کہ لوگ ان کے زمانہ غیبت میں ان سے کس طرح منتفع ہوں گے؟

آپ نے فرمایا کالشمس اذا غیبتھا السحاب ان کے وجود سے ایسے ہی لوگ استفادہ کریں گے جیسا کہ اس آفتاب سے کرتے ہیں جو بادلوں میں غائب ہو جائے۔ یہی جواب خود حضرت ولی عصر عج سے بھی مروی ہے۔ جو آپ نے کسی سائل کے جواب میں فرمایا تھا (جیسا کہ احتجاج طبرسی میں مذکور ہے) کہ جس طرح آفتاب عالم تاب پردہ سحاب میں رہ کر اہل عالم کو فائدہ پہنچاتا ہے اسی طرح آفتاب امامت بھی پردہ غیبت میں رہ کر اپنے

انوار امامت و فیوض حیات سے اہل عالم کو منور و مستفیض کرسکتا ہے!ل

"واضح رہے کہ فیض دو قسم کا ہوتا ہے (۱) جسمانی (۲) روحانی۔ غیبت امام میں اگر لوگ جسمانی فیض سے محروم ہو جائیں تو اس سے روحانی فیض سے بھی محروم رہنا لازم نہیں آتا۔ یہ فیض ہر جگہ انہیں پہنچ سکتا ہے۔ خواہ امام کہیں ہوں اگر مومنین کی چشم بصیرت کھلی ہوئی ہے اور نور عقل موجود ہے اور دل میں شمع ایمان روشن ہے تو ضرور مومنوں کے دلوں سے امام علیہ السلام شیطانی وسوسے اپنی قوت تصرف کے ذریعہ دفعہ کرتے رہتے ہیں۔ جس سے روح ایمان تازہ ہوتی رہتی ہے۔ نہایت دشوار تھا کہ اس زمانہ میں جبکہ دشمنان خدا کی کثرت ہے۔ اہل ایمان ان کے گمراہ کن حملوں سے محفوظ رہتے یہ امام ہی کا فیض ہے کہ روح ایمان لوگوں میں باقی ہے یہ روحانی فیض ہمیشہ جاری ہے چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ امام زمانہ پردہ غیبت میں رہ کر لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں وہ مومنین کی روحانی پرورش کر رہے ہیں تعجب ہے کہ

ل جناب علامہ سید شبر مرحوم کتاب مصابیح الانوار میں اس تشبیہ بلیغ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ مجلسیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے اس کے متعلق دس فوائد تحریر فرمائے ہیں۔ یہاں صرف چند فوائد و عوائد لکھے جاتے ہیں۔ (۱) آپکا نور علم و ہدایت ہر آن و ہر لحظہ اس طرح اہل علم کو منور کر رہا ہے۔ جس طرح آفتاب زیر ابر کی روشنی کرتی ہے (۲) بعض اوقات آفتاب کا زیر ابر ہونا ہی زیادہ سودمند و نفع رساں ہوتا ہے۔ اسی طرح امام۔ (۳) ان کے انوار امامت اور آثار ولایت کے ظہور کے باوجود آپ کے وجود مسعود کا انکار کرنا بمنزلہ آفتاب کے وجود کے انکار کے ہے (۴) آپ کے وجود مبارک سے ہر چیز اپنی ذاتی استعداد و قابلیت کے مطابق منتفع ہوتی ہے۔ جس طرح نور آفتاب سے ہر چیز حسب استعداد استفادہ کرتی ہے۔ (۵) جب آفتاب حجاب سحاب میں چھپ جاتا ہے تو لوگ اس کے رفع سحاب کے منتظر رہتے ہیں۔ اسی طرح جب آسمان عصمت و طہارت کا یہ آفتاب امامت پردہ غیبت میں مخفی و محتجب ہوگا تو مومنین آپکے ظہور کے منتظر ہوں گے۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین (منہ عفی عنہ)

دشمن خدا ابلیس تو غائب رہ کر لوگوں کو گمراہ کر سکے لیکن ولی خدا عج پردۂ غیبت میں رہ کر ان کو ہدایت نہ کر سکیں؟ امام کا فائدہ فقط یہی نہیں کہ مسائل بتائیں لوگوں کے کام کریں اور لوگوں سے ملیں جلیں بلکہ ان کے وجود مبارک کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ منجملہ ان کے بقاءِ عالم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ دنیا کے لوگوں کا ظلم و جور اور فسق و فجور اتنا بڑھ گیا ہے کہ ان کے اعمال کی باز پرس کی جائے تو فوراً عذاب الٰہی نازل ہو جائے اور ایک آدمی بھی روئے زمین پر زندہ نہ رہے۔ لیکن کسی پر عذاب نازل نہیں ہوتا سب عیش و عشرت سے زندگی بسر کر رہے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ وعدۂ خداوندی ہے" **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** " اے پیغمبر ہم اس وقت تک عذاب عمومی نہیں بھیجیں گے جب تک تم ان میں موجود ہو۔ اب اگر چہ وہ رسول تو موجود نہیں ہے مگر اہل بیت رسول میں سے ایک ایسا شخص موجود ہے جس کی وجہ سے عذاب نازل نہیں ہوتا اور دنیا سزا سے محفوظ ہے کتب فریقین میں آنحضرت کی ایک مشہور و معروف حدیث مذکور ہے کہ آنحضرت نے فرمایا" **اھل بیتی امان لا ھل الارض کما ان النجوم امان لاھل السماء فاذا ذھبت النجوم ھلک اھل السماء و اذا ذھب اھل بیت ھلک اھل الارض** " یعنی میرے اہل بیت اہل زمین کے لئے اسی طرح باعث امان ہیں جس طرح ستارے اہل آسمان کے لئے پس جب ستارے نہ رہیں گے تو اہل آسمان اور جب میرے اہل بیت نہ رہیں گے تو اہل زمین ہلاک ہو جائیں گے۔ (ملاحظہ ہو صواعق محرقہ وغیرہ)

معلوم ہوا کہ زمین و اہل زمین کا وجود انہی حضرت کے وجود ذی جود کا ایک ادنی کرشمہ ہے۔ **لو لا الامام لساخت الارض باھلھا و بوجودہ ثبت الارض و السماء و بیمنہ رزق الوری** " اسی لئے علمائے محققین نے لکھا ہے کہ" **وجود الامام لطف و تصرفہ لطف آخر و عدمہ منا** " یعنی امام زمانہ کا وجود مسعود ایک لطف پروردگار ہے۔ خواہ

تصرف کریں یا نہ کریں اور ان کا تصرف کرنا یہ علیحدہ لطف ہے اور عدم تصرف ہماری وجہ سے ہے۔ امام کا تصرف کرنا لوگوں کی اطاعت و فرمانبرداری پر موقوف ہے۔ لیکن جب وہ بجائے اطاعت و فرمانبرداری سے تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کرکے ان کے احکام سے سرتابی کریں اور ان کی امداد و اعانت ترک کردیں۔ تو امام پر واجب نہیں ہے کہ وہ ظاہری فرائض کو انجام دیں۔ کیونکہ خود کردہ را علاجے نیست لیکن اس سے ان کی امامت و خلافت پر کوئی زد نہیں پڑتی جس طرح کہ انبیاء کی نبوت کا اقرار نہ کرنے سے ان کی نبوت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ عم و لنعم ما قیل۔

قدم سے مہدی دیں کے زمین قائم ہے پانی پر

قرارِ کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

(شبہ ثالثہ) یہ مانا کہ عام لوگ اور خصوصاً بادشاہان وقت ان کے دشمن تھے اور ہیں لیکن جب وہ خلیفہ خدا ہیں اور خدا قادر مطلق ہے تو کیا وہ ظاہر رکھ کر ان کی حفاظت نہیں کرسکتا تھا۔ معاذ اللہ کیا خدا بھی ان ظالموں سے ڈر گیا اور اپنے ولی و حجت کو غائب کردیا۔

(الجواب بتسدید اللہ)

ایسا اعتراض وہی لوگ کرتے ہیں جو بات کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ اس طرح جبراً بچانے کی یہی صورت تو ہوتی کہ خدا کسی ظالم و جابر کو ان پر قدرت نہ دیتا اور جو کوئی اس کے ولی کو قتل کرنا چاہتا خدا اس کو خود ہی قتل کردیتا۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو پھر بندے اپنے افعال میں فاعلِ مختار نہ رہتے۔ بلکہ مجبور ہوجاتے لیکن وہ اس طرح کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ ورنہ دنیا میں کوئی مشرک و کافر باقی ہی نہ رہتا یا وہ اسباب کفر و شرک ہی نہ مہیا ہونے دیتا۔ یا لوگوں کو موقع ہی نہ دیتا مگر ان سب صورتوں میں جبر لازم آتا اور مستحق و غیر مستحق کا ثواب و عقاب معلوم نہ ہوتا۔

اور مومن و منافق میں تمیز نہ ہوتی اس کے علاوہ اگر وہ ظالم و جابر کو ہلاک کردیتا تو

ہ مومن بھی ضائع ہوجاتے جو ان کے صلب سے پیدا ہونے والے تھے۔'' الی غیر ذلک
ن المصالح والحکم التی لا یحیط بھا الا عالم الغیب و الشھادۃ'' اس نے
یونکہ بندوں کو فاعل مختار بنا دیا ہے۔ لہٰذا وہ کسی کو زبردستی روکتا نہیں ہے ہاں وہ بعد میں عمل بد
کی سزا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے انبیاء کے قاتلوں کو زبردستی نہ روکا اور اگر وہ چاہتا تو ان
کی حفاظت کرسکتا تھا ہمارے رسول تین دن غار ثور میں اور تین سال شعب ابی طالب میں
شیدہ رہے کیا وہ ظاہر بظاہر ان کی حفاظت نہیں کرسکتا تھا؟ کیا وہ کفار و مشرکین سے ڈر گیا تھا
ں بارے میں جو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا سمجھو۔

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

یہ وہ مہم شبہات تھے جو ہمیشہ منکرین وجود امام زمانہ کی طرف سے کئے جاتے تھے۔
ن کے جوابات شافیہ دے دیئے گئے۔ اگر انہی وجوہ کافیہ میں غور و تامل کیا گیا تو باقی
بہات رکیکہ خود بخود مندفع و مرتفع ہوجائیں گے۔ سابقاً اشارہ کیا جاچکا ہے کہ بعض ایرادات
یسے بودے اور کمزور ہیں کہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کا علمی کتابوں میں ذکر کیا جائے جیسے
کہ ''وہ غار میں کیا کھاتے ہیں'' یا یہ کہ ممکن ہے کہ وہ وفات پاچکے ہوں'' الی غیر ذالک
ن الھفوات، جو شخص حضرت سلطان عصر عج کی تفصیلی حالات اور تمام شکوک و شبہات کے
مل جوابات دیکھنا چاہے۔ وہ مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کرے۔ (۱) اکمال الدین
خ صدوق (۲) غیبت شیخ طوسی (۳) غیبت شیخ نعمانی (۴) کشف الاستار محدث نوری اور
بی دان حضرات غایۃ المقصود در احوال مہدی موعود تالیف مولانا السید علی حائری (۶) نجم
نب جناب محدث نوری۔ وغیرہ اور اردو دان حضرات الصراط السوی مولانا سید محمد سبطین
حب در مقصود مولفہ سید اولاد حیدر بلگرامی اور سوانح عمری حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ

فصل ششم

مضمون نگار نے عترت رسول کی تعیین و تشخیص کے متعلق اپنے مضمون میں چند مقامات پر متناقض بیانات قلمبند کئے ہیں اور پھر اپنے ان بے بنیاد بیانوں پر اپنے شبہے کی بنیاد رکھی ہے چنانچہ بذیل عنوان ''خلاصہ کلام'' صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں ''اب سوال یہ ہے کہ عترت رسول سے کیا مراد ہے؟ پھر خود اس سوال کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں ''بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عترت رسول سے مراد قیامت تک آپ کی اولاد ہے جو ہونے والی ہے الخ۔۔ پھر صفحہ ۱۲ پر بذیل عنوان ''بتقدیر تسلیم'' تحریر فرماتے ہیں ''اگر تسلیم کرلیا جائے کہ حدیث ثقلین میں سنت رسول صحیح نہیں اور عترت رسول صحیح ہے تو ہم کہتے ہیں عترت رسول سے مراد صرف وہ بزرگ ہیں جو آپ کی اولاد کہلانے کے حقدار ہیں جیسا کہ حضرت فاطمہ، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہم الخ اور اسی عنوان میں بذیل شرح فقرہ ''اذکر کم اللہ فی اھل بیتی'' تحریر فرماتے ہیں ''میں اپنے خاندان کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں مطلب یہ ہے کہ میری خاندانی برادری میں سے جن لوگوں نے دین اسلام کی خدمت کی ہے یا آئندہ کریں گے۔ ان کی عزت و خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اگر ان سے کوئی قصور یا غلطی بھی ہو جائے تو بھی ان کی عزت کرنا ہوگی'' الخ (الفاروق ۱۱،۱۲) جون ۱۹۵۸ء

(الجواب وبہ نستعین فی تحقیق ھذا المطلب المتین)

ہم نے مولوی صاحب کے متناقض و متخالف بیان کو من وعن یہاں نقل کر دیا ہے تا کہ ناظرین کرام باسانی اندازہ لگا سکیں کہ جس شخص کے اختلال حواس کا یہ عالم ہو کہ ایک ہی مضمون بلکہ ایک ہی صفحہ پر اس کے کلام میں چند جگہ تناقض و تباین موجود ہو ایسے آدمی کا کلام

ارباب فطنت وبصیرت کے نزدیک کیا وقعت و اہمیت رکھ سکتا ہے؟ ہاں البتہ وہ اشخاص جو یمین و یسار اور جمل و ناقہ، میں تمیز نہیں کر سکتے ممکن ہے کہ وہ ایسے کلام مختل انتظام سے دھوکہ کھا جائیں۔ ورنہ ارباب دانش و بینش کے نزدیک یہ شبہات واھیہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے بہر حال ان کا یہ کلام بچند وجہ باطل ہے۔

اولاً اس لئے کہ لفظ ''عترت'' لغت میں ''اخص اقارب اور رھط ادنی (بہت قریبی اعزا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (ملاحظہ ہوں قاموس اور نہایہ ابن اثیر اور مصباح المنیر وغیرہ) ملا صاحب کے بیان کردہ عموم معنی (قیامت تک ہونے والی اولاد) کو باطل کرنے کے لئے یہی کافی تھا لیکن چونکہ اس لفظ میں قدرے وسعت ضرور تھی۔ لہٰذا احتمال تھا کہ مبادا حقیقی افراد عترت کے علاوہ کوئی اور رسول کا رشتہ دار اس میں داخل سمجھا جائے۔ لہٰذا حکیم امت نے اس کے بعد لفظ ''اہل بیتی'' کا اضافہ فرما کر اس احتمال کی بھی نفی فرمادی اور واضح کردیا کہ عترت سے مراد وہ ہستیاں ہیں جو حقیقی طور پر اہل بیت رسول کہلانے کی حقدار ہیں۔ علامہ زرگانی نے شرح مواھب لدنیہ میں حدیث ثقلین کی شرح کرتے ہوئے اس لفظ کے متعلق لکھا ہے تفصیل بعد اجمال یعنی اہل بیتی اس اجمال کی تفصیل ہے جو قدرے لفظ عترت میں تھا۔ معلوم ہوا کہ مصداق عترت میں اب ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنے کی ہرگز ضرورت نہیں اور نہ ہی قیاس آرائیوں اور ریشہ دوانیوں کی کوئی حاجت ہے۔ بلکہ اب صرف مصداق اہل بیت کی تعیین کر لینا چاہیے۔ یعنی یہ معلوم کرنا چاہیے کہ اہل بیت رسول سے کون حضرات مراد ہیں پس جو اہل بیت رسول ہوں گے وہی عترت رسول ہوں گے۔ واضح ہو کہ آیت مبارکہ تطہیر (انما یرید اللہ الخ) کے نزول کے وقت سرکار رسالت نے اپنے اہل بیت کی تشخیص و تعیین پر نص فرمادی تھی تمام امامیہ اور اکثر عامہ نے بتصریح لکھا ہے کہ اہل بیت سے مراد حضرت علی و فاطمہ اور حضرت حسن اور حسین (بضمیمہ باقی ۹ آئمہ کے کما سیاتی) ابن حجر مکی

صواعق محرقہ ۱۴۱ طبع جدید پر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں ''اکثر المفسرین علی انها نزلت فی علی و فاطمة والحسن والحسین لتذکیر عنکم و مابعدہٗ و قیل نزلت فی نسائه لقوله و اذکرن ما یتلی فی بیوتکن و نسب الی ابن العباس و من ثم کان مولاه عکرمه ینادی به فی الاسواق الخ یعنی اکثر مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت علی و فاطمہ اور حضرت حسن و حسین کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس آیت میں عنکم اور اس کے بعد (ویطھرکم) کی ضمیریں مذکر کی لائی گئی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ازواج نبی ہیں (کیونکہ اس سے قبل و بعد) واذکرن مایتک ھتلی فی بیوتکن جمع مونث کی ضمیریں لائی گئی ہیں یہی نظریہ ابن عباس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے چنانچہ ان کا غلام عکرمہ بازاروں میں اس کا اعلان کیا کرتا تھا۔ اسی اکثر مفسرین کے نظریہ کی صحت پر صحابہ کرام، تابعین عظام اور ازواج النبی بلکہ خود پیغمبر اسلام کی تصریحات موجود ہیں۔ ہم ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ ان تمام حضرات کے اقوال و آراء و روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مصداق اہل بیت کے متعلق صحابہ کرام کے اقوال

واضح ہو کہ رسول اکرم کے صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے بہ تصریح تمام اہل بیت سے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین کو مراد لیا ہے اور ازواج رسول ان کے ساتھ شامل ہونے کی صراحتہً یا کنایۃً نفی فرمائی ہے چنانچہ (۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۵ میں زید ابن ارقم سے منقول ہے کہ جب انہوں نے حدیث ثقلین روایت کی تو کسی نے پوچھ لیا کہ من اھل بیته نسائه یعنی آنحضرت کے اہل بیت کون ہیں آیا آپ کی ازواج آپ کی اہل بیت ہیں؟'' قال لا وایم الله ان المرءة تکون مع الرجل العصر من الدهر ثم یطلقها فترجع الی

ابیھا و قومھا'' نہیں بخدا (یعنی) آپ کی ازواج آپ کی اہل بیت میں داخل نہیں کیونکہ عورت تو کچھ عرصہ مرد کے پاس رہتی ہے پھر وہ اسے طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے میکے چلی جاتی ہے الخ۔ پھر کہا اھل بیتہ اصلہ و عصبتہ و من حرموا الصدقتہ بعدہ کہ اہل بیت سے حقیقی قرابت دار مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے (کذافی تیسیر الوصول ج ۳ ص ۲۹۷ طبع مصر وکذافی تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص ۵)

(۲) مفسر ابن جریر اور امام احمد بن حنبل نے ابوسعید خدری سے اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں حضرت علی سے اور حاکم نے مستدرک میں جعفر ابن عبداللہ سے اور نسائی نے سعد ابن ابی وقاص سے اور ابو حاتم نے بحوالہ سیرت حلبیہ ابن عباس سے مرفوعا روایت کی ہے کہ یہ آیت مبارکہ انہی بزرگواران کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ مصداق اہل بیت یہی بزرگوار ہیں۔ انہی صحابہ کرام کی تصریحات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ع   در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

تعیین اہل بیت کے متعلق تابعین کے آراء ونظریات

تابعین عظام کی ایک خاص جماعت نے اہل بیت سے انہی بزرگواروں کے مراد ہونے کی تصریحات کی ہیں چنانچہ کتاب الشرف المویئد مولفہ نبھانی مطبع مصر ص ۷،۶ پر اس امر کے قائل صحابہ کے اسماء ذکر کرنے کے بعد تابعین کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ و جماعة من التابعین عن مجاھد و قتادہ و غیرھم کما نقل الامام البغوی و ابن الخازن الخ یعنی تابعین کی ایک جماعت بھی اس چیز کے قائل ہے (کہ اہل بیت نبوی سے مراد یہی پانچ بزرگوار ہیں چنانچہ مجاہد وقتادہ وغیرہ سے یہی منقول ہے جیسا کہ امام بغوی اور ابن خازن نے نقل کیا ہے۔

ازواج رسولؐ کے اس امر کے متعلق آراء و روایات

مخفی نہ رہے کہ اس آیت اور اہل بیت کے مصداق کے متعلق بعض نساء النبیؐ کی تصریحات بھی موجود ہیں کہ اس سے مراد خمسہ نجباء ہیں (۱) چنانچہ صحیح مسلم جزء ۷ ص ۱۳۰ پر روایت حضرت عائشہ مروی ہے کہ "خرج النبی غداۃ و علیه مرط مرحل من شعر سود فجاء الحسن ابن علی فادخله ثم جاء الحسینؑ فادخله ثم جائت فاطمه ادخلها ثم جاء علی فادخله ثم قال انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل بیت و یطهرکم تطهیرا" یعنی ایک دن حضرت رسالتمآبؐ بوقت صبح اپنے دولت سرا سے س طرح برآمد ہوئے کہ آپ کے دوش مبارک پر سیاہ بالوں کی منقوش عبا تھی۔ اس اثنا میں سن ابن علیؑ آ گئے۔ آپ نے ان کو اس (عبا) کے اندر داخل فرمالیا۔ پھر حسینؑ آئے ان کو ی داخل فرمایا پھر جناب فاطمہؑ آئیں۔ ان کو بھی اس میں شامل فرمالیا۔ پھر حضرت علیؑ آئے ن کو بھی اس میں لے لیا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انما یرید الله الخ۔ آنحضرت ؐ زوجہ محترمہ ام سلمہ سے روایت کی گئی ہے آپ فرماتی ہیں۔ کہ "لما نزلت هذه الآیة دعا ول الله علیا و فاطمه و الحسن و الحسین فجللهم بکساء ثم قال اللهم لاء اهلبیتی و خاصتی فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیرا"

یعنی جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسن و ین کو بلا کر زیر عبا داخل فرمایا اور بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ اے میرے اللہ! یہ ہیں ے اہل بیت اور میرے خاص اعزا ان سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھ اور انہیں اس طرح ک و پاکیزہ رکھ۔ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے (قال ثلاث مرات) جناب ام سلمہ کا ہے کہ میں نے بھی عبا کے اندر داخل ہونا چاہا۔ فرمایا "مکانک انک علی خیر" ام سلمہ اپنے مقام پر کھڑی رہو۔ تم نیکی پر ہو (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۷ ص ۱۰۳

یعلی وابن عساکر اور مسند احمد ابن حنبل ج ۶ ص ۳۲۳۔ [۱]

بعض روایات سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ جناب ام سلمہ نے دامن عبا اٹھا کر داخل ہونا چاہا تو آنحضرت نے ذرا تند لہجہ میں فرمایا "تنحی عن اھل بیتی" اے ام سلمہ میرے اہل بیت سے دور ہو جاؤ۔ چنانچہ میں مکان کے گوشہ میں بیٹھ گئی ملاحظہ ہو۔ مسند احمد حنبل جل ۶ ص ۲۹۶ کنز العمال ج ۷ ص ۱۰۳ وغیرہ بعض روایات مندرجہ در منثور ج ۵ ص ۹۸ اور تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص ۶ صواعق محرقہ ص ۲۲۷ میں جناب ام سلمہ کا بیان یوں قلمبند کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا الست من اھل البیت کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟ آنحضرت نے فرمایا "انت من ازوج النبی" یعنی اے ام سلمہ تم ازواج نبی سے ہو (یعنی اہل بیت میں سے نہیں ہو۔) اس سے زید ابن ارقم کے نظریہ کی تائید مزید ہوتی ہے بعض روایات میں یوں وارد ہوا ہے کہ "انت من اھل البیت العامۃ" یعنی تم میرے عمومی اہل بیت (یعنی اہل بیت سکنی) میں سے ہو نہ کہ خصوصی و حقیقی اہل بیت میں سے کیونکہ وہ یہ بزرگوار ہیں جو زیر عبا ہیں۔ (ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص ۲۲۴ طبع جدید)

(نوٹ) اس آخری روایت سے ایک اور گتھی بھی سلجھ گئی وہ یہ کہ اگر کسی وقت کسی جگہ ازواج نبی پر لفظ اہل بیت کا اطلاق ہوا ہے تو وہ اس کے عمومی معنی یعنی اہل بیت سکنی (جو گھر میں

---

[۱] امام فخر الدین اپنی تفسیر ج ۲ ص ۷۰۰ پر حدیث کساء لکھنے کے بعد رقمطراز ہیں "واعلم ان ھذہ الروایۃ کا لمتفق علی صحتھا بین اھل التفسیر" جاننا چاہئے کہ اس روایت کی صحت پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ ایک طرف سترہ بلکہ اٹھارہ روایات اور وہ بھی ایسی کہ جنکی صحت پر اتفاق کا دعوی کیا گیا ہے اور دوسری طرف ایک صحیح السند روایت بھی موجود نہیں ہے لیکن پھر بھی اسی قول کو دوسرے پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ اگر یہ کھلم کھلا مکابرہ اور سینہ زوری نہیں [illegible] اور کیا ہے؟ (منہ عفی عنہ)

سکونت پذیر ہوں) کے اعتبار سے ہے نہ خصوصی اہل بیت یعنی اہل بیت نسبی و شرفی کے لحاظ سے یہی روایت نقل کرنے کے بعد ابن حجر مکی نے جمع بین الروایات کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تحقیق پیش کی ہے ص ۳۲۷ پر رقمطراز ہیں۔ ان له اطلاقین اطلاق بالمعنی الاعم و هو یشتمل جمیع الال تارہ و للزوجات اخری و من صدق ولائه و محبته و اخری اطلاق بالمعنی الاخص و هم من ذکروا فی خبر مسلم و قد صرح بذلک الحسن فانه. الخ نحن اهل البیی الذین قال الله عزوجل انما یرید الله لیذهب الخ قالوا و لانتم هم قال نعم۔ یعنی لفظ اہل بیت کے دو اطلاق و استعمال ہیں ایک اطلاق بہ معنی اعم جو کبھی تمام آل نبی کو شامل ہو جاتا ہے اور کبھی زوجات کو بھی اپنے دامن میں لے لیتا ہے اور کبھی ان اشخاص کو بھی جو جناب رسالت ماب سے سچی محبت رکھتے ہوں۔ (ابن حجر نے اس سلسلہ میں سلیمان منا اہل البیت اور ازواج نبی کو داخل کیا ہے جن کے متعلق بعض اہل سنت کے روایات میں لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے) دوسرا اطلاق اس کا بہ معنی اخص ہے اور اس میں وہی ذوات مقدسہ داخل ہیں جو روایت مسلم میں مذکور ہیں۔ (یعنی حضرت علی و فاطمہ اور امام حسن و حسینؑ) چنانچہ حضرت امام حسن نے اس امر کی تصریح کر دی ہے جب لوگوں نے آپ کے ساتھ مکر و فریب کر کے آپ کو مجروح کر دیا تو آپ نے فرمایا ہم وہ اہل بیت نبوی ہیں جن کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے انما یرید الله الخ لوگوں نے کہا کہ تم ہی وہ لوگ ہو؟ فرمایا ہاں وہ لوگ ہم ہی ہیں صواعق محرقہ ص ۲۲۸ طبع جدید) امید ہے کہ ان صحابہ و صحابیات اور تابعین کے تصریحات ملاحظہ کرنے کے بعد معلوم ہو گیا ہوگا کہ حقیقی مصداق اہلبیت کون ہیں؟ گو ان کے بیانات کے ضمن میں سرور کائنات کی بعض فرمائشات بھی اس کے متعلق مذکور ہو چکی ہے۔ لیکن بایں ہمہ اگر کسی وجہ سے تا حال کسی کو اطمینان قلب و سکون نفس حاصل نہ ہو تو آیئے آنحضرت کا حلفیہ بیان ملاحظہ فرماویں۔ کہ جس میں آنحضرت

نے اپنے اہل بیت پر تخصیص فرمائی ہے۔ تفسیر اتقان ج ۲ ص ۲۰۰ پر بحوالہ ترمذی باسناد عمر ابن ابی سلمہ اور بحوالہ ابن جریر باسناد حضرت ام سلمہ روایت کی ہے کہ اس آیت وافی ہدایہ کے نزول کے وقت آنحضرتؐ نے جناب علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراؑ اور حسن مجتبیٰ اور حسینؑ (شہید کربلا) کو زیر عبا لے کر بارگاہ ایزدی میں عرض کی ''واللہ ہولاء اہل بیتی فاذہب عنہم الرجس و طہرہم تطہیرا'' بخدا یہی میرے اہل بیت ہیں الخ) اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ حلف کے ساتھ اس مقام پر بات کہی جاتی ہے جہاں کچھ انکار یا شک کنندگان موجود ہوں تاکہ ان کے شکوک و اوہام زائل ہو جائیں۔ واضح ہے کہ معاذ اللہ خداوند عالم کو تو اس سلسلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ جو حضرت قسم کھائیں معلوم ہوا کہ آنحضرت کو حلف کی ضرورت اس لئے لاحق ہوئی تاکہ بعض ان لوگوں کے شکوک و اوہام کا ازالہ فرماویں جو اس سلسلہ میں مذبذبین بین ذالک لا الی ہولاء و لا الی ہولاء'' کا مصداق بنے ہوئے تھے یا بنے ہوئے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ ماکان و ما یکون کا علم رکھنے والا نبیؐ باعلام اللہ یا جانتا تھا کہ بعض بے بصیرت کور باطن اس سلسلہ میں بہت اختلاف کریں گے۔ اس لئے آپ نے اس امر کے تعلق بہت ہی اہتمام فرمایا۔ اس مبین قرآن نے فقط اپنے قول بیان پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ اس آیت کے نزول کے چھ ماہ یا ۹ ماہ تک (علی اختلاف الروایات) بوقت نماز خانہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پر جا کر اور اس آیت کی تلاوت کر کے عملی طور پر مصداق اہل بیت بیان کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ لیکن بایں ہمہ جن پر شقاوت و بدبختی غالب تھی وہ اس میں اختلاف کرتے رہے۔ سچ ہے ''انک لا تہدی من احببت و لکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم''

(طریقہ)

آیت تطہیر اور اہل بیت کے مصداق میں عقلاً و نقلاً مندرجہ ذیل احتمالات ہی ہوسکتے ہیں۔

اول یہ کہ اس سے مراد فقط آنحضرتؐ ہوں (۲) دوم یہ کہ فقط ازواج ہوں۔ یہ کہ صحابہ و تابعین بلکہ تمام مسلمان مقصود ہوں۔ چہارم یہ کہ فقط حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور دیگر آئمہ اہل بیتؑ مراد ہوں۔ پنجم یہ کہ تمام مذکورہ بالا اصناف مشترکہ طور پر اس میں داخل ہوں۔ لیکن جب ان تمام اصناف نے متفقہ طور پر بیان کر دیا کہ اس سے مراد حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہی ہیں اور کسی نے اپنے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مصداق آیت و اہل بیتؑ ہے اور نہ ہی پیغمبرؐ اسلام نے ان کے سوا کسی اور کے داخل ہونے پر نص فرمائی ہے بلکہ ام سلمہ کے سوال کرنے پر ان کے اہل بیتؑ نبوتؐ سے ہونے کی صرحتاً نفی کر دی ہے تو اس کے بعد بھی کسی مسلمان کو جو دین اسلام کو اپنا دین اور پیغمبر کو اپنا نبی اور قرآن مجید کو اپنی کتاب سمجھتا ہے مصداق اہل بیتؑ میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ لا واللہ باایں ہم ازواج نبیؐ و اصحاب نبیؐ کو اس کے اندر داخل کرنے کی کوشش کرنا اگر مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسا کرنے والوں کو وعید و تہدید خداوندی سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ ''و من یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی نوله ما تولی و نصله جهنم و سائت بصیرا'' جو شخص راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اکرمؐ سے کسی قسم کا مناقشہ کرے گا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک درجہ ایمان پر فائز ہی نہیں ہو سکتا جب تک خدا اور رسولؐ کے فیصلہ کو بسر و چشم تسلیم نہ کرے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

''وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما'' اے رسولؐ! تمہارے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں بن سکتے جب تک اپنے باہمی تنازعات میں تمہیں اپنا حاکم مقرر نہ کریں۔ اور پھر تم جو فیصلہ کر دو اس میں کسی قسم کی کوفت محسوس نہ کریں۔ بلکہ اسے اس طرح تسلیم کریں جو تسلیم کرنے کا حق

(نوٹ) ابن حجر نے صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۱ پر منقولہ بالا عبارت (جس میں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اکثر مفسرین نے آیت تطہیر میں اہلبیتؑ سے مراد حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کو مراد لیا ہے) کے بعد لکھتے ہیں۔ ''ورد فی ذلک احادیث ما یصلح متمسکا للاول و منھا ما یصلح متمسکاً للاخر و ھو اکثرھا فلذا کان ھو المعتمد کما تقرر'' یعنی اس سلسلہ میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں۔ کچھ تو ایسی ہیں جو اکثر مفسرین کے قول کی دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور کچھ دیگر مفسرین کے قول کی دلیل بن سکتی ہیں۔ اسی آخری قسم کی روایات تعداد میں زیادہ ہیں۔ لہٰذا یہی قول معتمد ہے۔ جیسا کہ ثابت شدہ حقیقت ہے۔

ع۔ چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد

ابن حجر نے آخری قسم کی روایات کی اکثریت کا جو دعویٰ کیا ہے۔ وہ بالکل کذب محض ہے۔ تعجب ہے کہ کس طرح یہ گندم نما جو فروش لوگ گندم دکھا کر جو بیچتے ہیں؟ اور افترآت و اکاذیب کے ساتھ اپنے مزخرفات و اباطیل کی ترویج و نشر و اشاعت کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ دوسری قسم کی روایات پہلی قسم کی احادیث کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کی نسبت بھی نہیں رکھتیں۔ کتاب الشرف المئوبد میں ہے۔ کہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر ج ۲۲ از صفحہ ۵ تا ۷ پر سترہ روایات معتبرہ درج کی ہیں جو خمسۂ نجباء کے مصداق اہلبیت ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ فقط ایک روایت ایسی ذکر کی ہے جس سے ازواج النبی کا مراد ہونا سمجھا جاتا ہے۔ یعنی عکرمہ کا قول، علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر در منشور میں مختلف طرق و اسانید کے ساتھ اٹھارہ روایات ذکر کی ہیں۔ جو قول اول پر دلالت صریحہ کرتی ہیں۔ جن میں سے بعض کی صحت کی تصریح موجود ہے۔ اور فقط چار (مرسل و مقطوع

اس کا قائل عکرمہ ہے بلکہ خود ابن حجر نے مذکور بالا بات لکھنے کے بعد جب دونوں طرف کی روائتیں نقل کی ہیں تو قول اول کے روایات کے مقابل میں دوسرے قول کے روایات آٹے میں نمک کے برابر بھی نقل نہیں کیں بچارے نقل تو جب کرتے کہ کوئی روایت موجود ہوتی جب کوئی روایت ہے ہی نہیں تو نقل خاک کریں؟

ع۔ ببین تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

ان حقائق کی روشنی میں ہم تمام اہل سنت کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر وہ احادیث قسم ثانی کا روایات قسم اول سے تعدد میں زیادہ ہونا بلکہ ان کے مساوی ہونا بھی ثابت کر دیں۔ تو ہم بسر وچشم ان کا دعوی تسلیم کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر وہ فقط ایک مرفوع متصل اور صحیح السند حدیث ایسی پیش کر دیں کہ جس میں آنحضرتؐ نے اپنی ازواج کے متعلق بالتصریح فرمایا ہو کہ تم میرے حقیقی وخصوصی اہلبیت میں شامل ہو تو بھی ہم مان لیں گے اور اگر ایسا نہ کر سکی اور قیامت تک انشاء اللہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یہ تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ کہ ابن حجر کا یہ دعوی بالکل دروغ بے فروغ اور تدلیس وتلبیس ہے۔ اپنے دعوی پر نظر ثانی کر کے یہ قبول کر لیں کہ اس آیت کے مصداق اہل بیت نبوت حضرت علیؑ وفاطمہؑ و حسنؑ وحسینؑ علیہم السلام ہیں (بضمیمہ باقی نو آئمہ طاہرین کے) نہ کہ ازواج اور نہ تمام بنی ہاشم اور نہ قیامت تک ہونے والے سادات۔ ؎

؎ یہ مقام لکھا جا چکا تھا کہ الفاروق مجریہ ۱۵ اگست ۱۹۵۸ء نظر سے گذرا جس میں اس جگہ ہوں پر اس بات کا الزام لگایا گیا ہے۔ کہ وہ مصداق آل وآئمہ اہلبیتؑ کی تعیین نہیں کر سکتے چنانچہ ا پر نائب مدیر رسالہ تازیانہ عبرت پر تبصرہ کرتے ہوئے جہاں مؤلف رسالہ نے سواد اعظم کے اؤں کی اہلبیت رسولؐ کے ساتھ بے توجہی وبے اعتنائی کا ذکر کیا ہے" لکھتے ہیں ہم پہلے کئی دفعہ کر چکے ہیں کہ اہلبیتؑ کے افراد کی تعیین کر لو پھر اہلسنت کو الزام دینا جائز ہوگا اہلبیتؑ کی تعیین کی توجہ نہیں کرتے اور مخالفت کا الزام برابر دھرے جاتے ہیں حضرت امام جعفر صادقؑ کو بزرگ

(انکشاف حقیقت)

جہاں تک ہم نے غور وفکر کیا ہے۔ بعض اہل سنت کے ازواج النبی کو مصداق آیت اور اہل بیتؑ سمجھنے کے دو سبب معلوم ہوئے ہیں۔ جن کی وجہ سے انہیں دھوکہ ہوا ہے۔

(پہلا منشاء اشتباہ)

یہ ہے کہ اس آیت سے قبل و بعد ازواج النبیؐ کا تذکرہ ہے۔ اور انہی سے خطاب ہے۔ لہٰذا درمیان میں کسی اور کا ذکر کس طرح ہو سکتا ہے؟ یہ ایسا بودہ استبعاد ہے جسے کوئی باخبر و بابصیرت آدمی پیش نہیں کر سکتا۔

(اولاً) اس لئے کہ یہ محض استبعاد ہے جس سے ان نصوص قطعیہ کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ جو ازواج کے خارج اور عترت اطہارؑ کے داخل ہونے پر دلالت قطعیہ کرتی ہیں۔ جن کا ایک شمہ ابھی اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

اور واجب الاحترام تسلیم کرتے ہیں مگر اہلبیتؑ کی لفظ آپ کے اوپر چسپاں نہیں ہو سکتی اسی پرچہ کے صفحہ اٹھارہ پر ہمارے مخاطب ملا اللہ یار رسالہ ارسال الیدین پر تبصرہ کرتے ہوئے جہاں مولف رسالہ نے اجماع اہلبیتؑ کی حجیت کو کتب اہل سنت سے ثابت کیا ہے وہاں ملا صاحب اجماع اہلبیت کی حجیت میں خدشہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ''افسوس کہ شیعہ آج تک یہ نہ بتا سکے کہ آل رسول کون لوگ ہیں اور اہل بیت رسول سے کیا مراد ہے؟ شیعہ کا عموماً اور مولوی علی اظہر صاحب شیعہ (مولف رسالہ ارسال الیدین احقر) کا خصوصاً فرض تھا کہ سب سے پہلے آل رسولؐ اور اہل بیتؑ کے افراد کی تعیین فرماتے پھر ہم سے اقوال عترت کی بابت کچھ سنتے الخ۔

ان بیانات میں کہاں تک صداقت و حقانیت موجود ہے۔ اس کا اندازہ قارئین کرام بآسانی لگا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بے بنیاد الزام و افتراء کا ارتکاب وہی افراد کر سکتے ہیں جو کتب شیعہ اور ان کی روایات اور ان کے علماء اعلام کے آراء و نظریات سے بالکل جاہل ہوں۔ ورنہ ہماری روایات حد تواتر سے متجاوز ہیں کہ عترت و اہل بیتؑ سے مراد اصحاب کساء بانضمام باقی ۹ آئمہ

(ثانیاً) اس لئے کہ محققین علمائے فریقین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جمع و تالیف قرآن موارد نزول کے مطابق نہیں ہے۔ یعنی بہت سے مکی سورے موخر اور مدنی مقدم کر دیے گئے ہیں۔ جیسا کہ مشاھد و محسوس ہے۔ اور بعض سوروں کے بعض آیات دوسرے سوروں میں داخل کر دیے گئے ہیں۔ یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔ جس کا اختلافی تحریف کے ساتھ کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ بنا بریں ممکن ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہ ہو اور کسی خاص وجہ سے یہاں درج کر دی گئی ہو۔ (جیسا کہ علامہ وحید الزمان نے اپنے ترجمہ قرآن میں بیان کیا ہے)

(ثالثاً) اس لیے کہ ارباب علم جانتے ہیں کہ تفنن فی الکلام یعنی کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف تبدیل کر دینا مُحسناتِ کلام میں سے سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثالیں خود قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ فقط بطور نمونہ ایک مقام پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ مجلسی قدس سرہ اپنی کتاب "اربعین کے خاتمہ ص ۱۸۱ طبع ایران میں تحریر فرماتے۔

الثامنه فی تحقیق معنی الآل و اهل البیت قالت العامة فیهما ما قالو ولا نطیل الکلام بذکر اقاویلهم الفاسده و ما ذهب الیه الفرقة الناجیة الامامیة و دلت علیه اخبار هم المتواتره هو ان المراد بالآل فاطمه و الآئمة اثنا عشر علیهم السلام و کذا اهل البیت و یظهر من بعض الاخبار اختصاص اهل البیت باصحاب الکساء اما مع الرسول او بدونه ولعله احد اطلاقاته فری عرفهم و قد وافقنا کثیر من العامه و دلت علیه اکثر اخبارهم یعنی آٹھواں فائدہ معنی آل و اہلبیت کی تحقیق میں اہل سنت نے ان دو لفظوں کے معنی و مصداق میں جو کچھ کہا ہے۔ سو کہا ہے۔ ہم ان کے اقوال فاسدہ کو ذکر کر کے اپنے کلام کو طول نہیں دیتے اور جس امر کا فرقہ ناجیہ امامیہ قائل ہے اور جس پر ان کی احادیث اور اخبار متواتر دلالت کرتی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آل سے مراد جناب فاطمہ اور دوازدہ آئمہؑ ہیں۔ اور اسی طرح لفظ اہلبیت سے بھی یہی ذوات قدسیہ مراد ہیں۔ اور بعض اخبار سے اہل بیت کا اصحاب کساء کے ساتھ مع حضرت رسالتمآبؐ یا ان کے بغیر مختص ہونا سمجھا جاتا ہے۔ اور شائد یہ اختصاص لفظ اہل بیت کے طلاقات اور آئمہ ھدیٰ کے اصلاحات میں سے ایک اطلاق و اصطلاح ہے۔ (یعنی لفظ اہل بیت ول کر کبھی اس سے فقط اصحاب کساء کو مراد لیتے تھے۔ اور کبھی تمام آئمہ معصومین کا قصد کرتے تھے) اور ہمارے اس نظریہ کی بہت سے اہل سنت نے بھی موافقت کی ہے اور ان کے اکثر اخبار اسی پر

سورہ لقمان میں خلاق عالم حضرت لقمان کے اپنے بیٹے کو وصیت کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ''واذقال لقمان لابنه و هو يعظه يا بنى لا تشرک بالله ان الشرک لظلم عظيم'' اے رسول! اس وقت کو یاد کرو کہ جب حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ اے بیٹا خدا کا کسی کو شریک نہ بنانا۔ کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے۔ پھر خداوند عالم نے اسلوب کلام بدلتے ہوئے فرمایا ''ووصينا الانسان بوالديه حملته امه وهناً على وهن الخ) ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کی وصیت کی ہے۔ کہ اس کی ماں نے اسے بڑی زحمتیں اٹھا کر اپنے شکم میں رکھا ہے'' اس کے بعد پھر سابقہ کلام کی طرف پلٹ کر اس کی تکمیل وتتمیم کی گئی اسی طرح ہماری متنازعہ فیہ آیہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ کہ پہلے ازواج نبی سے خطاب ہو رہا تھا۔ پھر درمیان میں ایک اور گروہ یعنی عترت اطہارؑ سے مخاطبہ کر کے ان کی عصمت وطہارت بیان فرمادی اس کے بعد پھر سابق کلام کی طرف پلٹ کر اس سلسلہ کی تکمیل کر دی۔ یہ طرز کلام فصحا و بلغاء کے کلام میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ کمالا يخفى على المطلعين على اسرار اللغة العربيه۔

دلالت کرتے ہیں'' اس محدث خبیرہ و فاضل تحریر کی تحریر سے واضح ہو گیا کہ جناب فاطمہؑ اور آئمہ اثنا عشریہؑ کے مصداق آل و اہلبیتؑ ہونے پر تمام فرقہ امامیہ کا اتفاق ہے اور اس پر ان کی روایات متواترہ دلالت کرتی ہیں۔ بایں ہمہ یہ کہنا کہ ''افسوس شیعہ آج تک یہ نہ بتا سکے کہ آل رسول کون لوگ ہیں الخ'' بدترین جہالت وضلالت اور عجیب کذب وافترا کا مظاہرہ ہے کہ یہ حضرات شیعوں کو انکے فرائض کی یاد دہانی کرائیں گے۔ شیعہ اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہے۔ چنانچہ انہوں نے فقط ضمنی طور پر ہی نہیں بلکہ اس موضوع پر مستقل کتاب ورسائل تصنیف فرما کر مدت سے ان امور کا فیصلہ فرمادیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب آئینہ تطہیر مولفہ شیخ محی الدین الموسی الغریفی (بزبان عربی) (۲) رسالہ اہل البیتؑ مولفہ مولانا السید محمد سبطین صاحب سرسوی اعلی اللہ مقامہ (۳) رسالہ تحقیق ''لفظ آل واہلبیت'' مولفہ ادیب اعظم مولانا ظفر حسن صاحب امروہوی وغیرہ ہاں البتہ اہل سنت اس سلسلہ میں بہت ہی پریشان حال ومختلف الخیال نظر آتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد فقط اصحاب کساء ہیں کبھی کہتے ہیں کہ فقط ازواج مراد ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اس میں دونوں شریک ہیں۔

(رابعاً) اس لیے کہ خود اس آیۃ وافی ہدایہ میں ایک قرینۂ قطعیہ موجود ہے۔ جو اس
ے نساء نبیؐ کے مراد ہونے کی قطعی طور پر نفی کر دیتا ہے۔ اور وہ قرینہ ضمائر کا بصیغۂ جمع مذکر ہونا
ہے۔ (لیذھب عنکم اور یطھرکم) جس کی طرف ابن حجر نے بھی اپنے منقولہ بالا کلام
یں اشارہ کیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس آیت سے قبل جہاں نساء النبیؐ سے
طاب تھا تو وہاں تمام صیغے اور ضمیریں جمع مونث کی لائی گئی ہیں۔ جیسے لستن، ان اتقیتن‘‘
غیرہ اور اس آیت کے بعد پھر جمع مونث کی ضمریں ہیں لیکن اس آیۂ وافی ہدایہ میں اسلوب
کلام بدلا ہوا ہے۔ یعنی بجائے جمع مونث کے جمع مذکر کے صیغے اور ضمیریں لائی گئی ہیں۔ اس
ے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خطاب صنف رجال سے ہو رہا ہے۔ اور اگر ان میں صنف نازک
یں کوئی فرد ہے تو وہ مغلوب ہے اور کم ہے اور یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ جس کا
عتراف خود بعض منصف مزاج علمائے اہلسنت نے بھی کیا ہے چنانچہ علامہ وحید الزمان حیدر
آبادی اپنی تفسیر موسوم بہ تفسیر وحیدی مطبوعہ بر حاشیہ قرآن مترجم وحید طبع لاہور گیلانی پریس
ارہ ۲۳ صفحہ ۵۴۹ حاشیہ نمبر ۷ پر لکھتے ہیں۔ ’’بعضوں نے اس کو خاص رکھا ہے نسبی گھر والوں
ے یعنی حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ حسینؑ سے مترجم کہتا ہے صحیح مرفوع حدیثیں اسی کی تائید
رتی ہیں۔ کہ جب آنحضرتؐ نے خود بیان فرما دیا کہ میرے گھر والے یہ لوگ ہیں۔ تو اس کا

ھی کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنی ہاشم ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اس سے قیامت تک ہونے والے
ادات مراد ہیں (منہاج السنہ ابن تیمیہ و صواعق محرقہ وغیرہ کتب ملاحظہ ہو) وہ آج تک ان معانی
یں سے کسی معنی پر اتفاق و اجماع نہیں کر سکے اپنے ان داخلی اختلافات کے باوجود شیعوں پر یہ الزام
ئد کیا جا رہا ہے کہ وہ آج تک مصداق ’’اہل بیت‘‘ نہیں بتا سکے ’’بسوخت عقل حیرت کہ ایں چہ
جمی است‘‘ انہیں دوسرے پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے کارخانہ پر ایک نگاہ ڈال لینا چاہیئے اور
اں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لینی چاہیے‘‘ وبلی علیک بعد ما کشف الدجی و
ح الصبح ولمضینی لاھلہ. افلیت تطلب بالبصیر غوایۃ. ھیھات لا یغوی البصیر
پھلہ‘‘ (منہ عفی عنہ)

حاضر کی ضمیر سے خطاب ہے۔ اور اس میں جمع مذکر کی ضمیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت ان آیتوں کے بیچ میں رکھ دی گئی جن میں ازواج مطہرات سے خطاب تھا۔ اور شائد صحابہ نے اجتہاد سے ایسا کیا واللہ اعلم"۔ یہ عبارت نقل کرنے کے بعد حضرت سے خطاب تھا اور شائد صحابہ نے اجتہاد سے ایسا کیا واللہ اعلم"۔ یہ عبات نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا امیر الدین صاحب (مرحوم) رقمطراز ہیں۔ ''اب تو راز فاش ہوگیا کہ اس آیت کو صحابہ نے کسی اپنی مصلحت سے اس موقعہ پر جمادیا ہے۔ ورنہ اس کا موقعہ اور ہے"

(خامساً) اس لیے کہ آیت تطہیر اپنے مصداق کی عصمت کی قطعی دلیل ہے۔ جیسا کہ ہماری دوسری کتاب اثبات الامامت میں عصمت امام کے ذیل میں اس بات کا تفصیلی بیان موجود ہے۔ بنابریں مصداق آیت وہی ہستیاں ہونگی جو درجہ عصمت وطہات پر فائز ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ باتفاق فریقین ازواج رسولؐ درجہ عصمت پر فائز نہیں۔ بخلاف عترت اطہارؑ کے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا عظیم الشان گروہ ان کی عصمت وطہارت کا قائل ہے اور انکی عصمت وطہارت پر بیسیوں نا قابل رد دلائل و براہین عقلیہ ونقلیہ رکھتا ہے۔ سردست یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے علامہ وحید الزمان کا کلام حقیقت نظام پیش کیا جاتا ہے۔ موصوف اپنی کتاب انوار اللغت پارہ ۲۲ صفحہ ۵۱ مطبوعہ بنگلور پر تحریر فرماتے ہیں ''صحیح یہ ہے کہ آیت تطہیر میں یہی پانچ حضرات مراد ہیں۔ گو عرب کے محاورہ میں اہلبیت ازواج کو بھی شامل ہے اس آیت سے بعضوں نے یہ نکالا ہے کہ یہ حضرات خطاء اور گناہ سے معصوم تھے اگر معصوم نہ تھے تو محفوظ تو ضرور تھے"

(دوسرا منشاء اشتباہ)

یہ ہے کہ عکرمہ نے ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہ اہلبیتؑ سے مراد ازواج رسول ہیں۔ جیسا کہ سابقاً ابن حجر کے کلام سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ عکرمہ اس چیز کا بازار میں اعلان کیا کرتا تھا۔ حالانکہ یہ منشاء اشتباہ پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہے کوئی بھی دیندار و دانش

بلکہ خود پیغمبر اسلام کی احادیث صریحہ وصحیحہ سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔

(اولاً) اس لیے کہ محققین علمائے اہل سنت نے بتصریح تمام لکھا ہے کہ یہ عکرمہ پکا خارجی و ناصبی اور کذاب و وضاع تھا اور اپنے آقا ابن عباس پر افترا پردازی کیا کرتا تھا۔ لہٰذا اس کی منسوب کردہ حدیث پر کچھ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ جس شخص کو اس کے خارجی اور کذاب ہونے میں شک ہو وہ کتب سیر و تراجم اہل سنت مثل وفیات الاعیان مولفہ ابن خلکان و میزان الاعتدال مولفہ ذہبی اور معجم الادباء مولفہ یاقوت حموی وغیرہ کتب تراجم کی طرف رجوع کرے۔ ہمارے معروضات کی حرف بحرف تائید وتصدیق ہو جائیگی۔ چونکہ ہر شخص کی ان کتب تک دسترس نہیں ہے لہٰذا ہم یہاں فقط معجم الادباء سے اس کے متعلق چند اقتباسات پیش کئے دیتے ہیں چنانچہ معجم الادباء جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۳ طبع ثانی مصر میں مرقوم ہے۔ ''و عکرمۃ یری رائی الخوارج' یعنی عکرمہ خوارج والا اعتقاد رکھتا تھا''۔ پھر صفحہ ۱۸۴ پر باسناد قاضی ابو بکر لکھا ہے کہ ''عکرمہ بالمغرب و کان قد دخل فی رائی الحروریۃ الخوارج فخرج یدعو بالمغرب الی الحرویۃ الخ'' یعنی قاضی بیان کرتے ہیں کہ عکرمہ مغرب میں ہلاک ہوا اور وہ حروریہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔ چنانچہ وہ مغرب میں لوگوں کو اس گروہ کی طرف دعوت دیتا تھا۔ الخ'' اسی صفحہ پر باسناد ابو علی اہوازی نے لکھا ہے ''و کان یری رائی الخوارج و یمیل الی استماع الغناء و قیل عنہ انہ کان یکذب علی مولاہ و اللہ اعلم'' یعنی عکرمہ خارجیوں والا نظریہ رکھتا تھا اور گانا سننے کا شائق تھا۔ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے آقا (یعنی ابن عباس) پر افترا کیا کرتا تھا۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد مولف نے اس کے ابن عباسؓ پر کذب و افترا باندھنے کے چند واقعات درج کئے ہیں۔

۱؎ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۴۶ طبع ایران بذیل ترجمہ عکرمہ لکھا ہے و قد تکلم الناس فیہ لانہ کان یری رأی الخوارج (منہ عفی عنہ)

(پہلا واقعہ) صفحہ ۱۸۴ پر باسناد عبداللہ ابن ابی حارث لکھا ہے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں علی ابن عبداللہ ابن عباس کے پاس گیا۔ دیکھا کہ عکرمہ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے قید کر رکھا ہے میں نے علی سے کہا کہ تم اپنے غلام سے ایسا سلوک کرتے ہو۔ "قال انه یکذب علی ابی" علی نے کہا کہ یہ میرے باپ (عبداللہ) کی طرف جھوٹی روائتیں منسوب کرتا ہے۔ کذافی وفیات الاعیان۔

(دوسرا واقعہ) یزید ابن زیاد نے نقل کیا ہے کہ یزید کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ علی ابن عبداللہ بن عباس کے پاس گیا دیکھا کہ انہوں نے عکرمہ کو "باب الحش" پر باندھ رکھا ہے۔ میں نے علی سے کہا کہ تم نے عکرمہ کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ یہ کذب وافترا کیا کرتا ہے" یہی وجہ ہے کہ علماء محققین اس کاذب و مفتری کی روایات کو درخود اعتناء سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی معجم الادباء جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۹ پر لکھا ہے کہ عثمان ابن مرہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے قاسم (ایک بہت بڑے محدث گزرے ہیں) کی خدمت میں ایک حدیث باسناد عکرمہ بیان کی "فقال یا بن اخی ان عکرمه کذاب یحدث غدوة حدیثاً یخالفه عشیاً" قاسم نے کہا اے بھتیجے (عکرمہ کی حدیث کو چھوڑو کیونکہ) عکرمہ بڑا دروغ گو آدمی ہے وہ صبح ایک حدیث بیان کرتا ہے اور عشاء کو اس کے مخالف دوسری حدیث بیان کر دیتا ہے الخ بلکہ اخبار و آثار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عکرمہ اپنے مولا و آقا ابن عباس پر کذب وافترا کرنے میں ضرب المثل سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں آقا اپنے غلاموں کو تنبیہ کیا کرتے تھے کہ ہمارے مرنے کے بعد اس طرح ہم پر کذب وافترا نہ کرنا جس طرح عکرمہ اپنے آقا پر کرتا ہے" چنانچہ معجم جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۴ پر مروی ہے "و قد قال ابن المسیب لمولاه لا تکذب علی کما کذب عکرمه علی ابن عباس" یعنی ابن مسیب نے اپنے غلام سے کہا کہ خبردار مجھ پر کذب وافترا نہ کرنا۔ جیسا کہ عکرمہ نے ابن

عباس پر کذب وافترا کیا ہے۔ اس طرح صفحہ ۱۸۹ پر لکھا ہے کہ عبداللہ ابن عمر نے اپنے غلام نافع سے کہا کہ۔ "اتق الله یا نافع لا تکذب کما کذب عکرمه علی ابن عباس" "اے نافع خدا سے ڈرنا عکرمہ نے ابن عباس پر جس طرح کذب وافترا کیا ہے تم مجھ پر اس طرح نہ کرنا ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا۔ کہ عکرمہ ایک خارجی مفتری اور کذاب شخص تھا۔ جو اپنے آقا پر کذب وافترا کرنے میں ضرب المثل تھا اور علمائے محققین اس کی روایات کو درجہ حجیت واعتبار سے ساقط سمجھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ اس کا اس قول کو ابن عباس کی طرف منسوب کرنا کہ آیت تطہیر کے مصداق ازواج نبی ہیں محض کذب وافترا ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں یہ کہا جائے کہ اگر یہ نسبت جھوٹی تھی تو عکرمہ بازار میں کس طرح اس کا اعلان کرسکتا تھا۔ ابن عباس نے اسے روک کیوں نہ دیا؟ اس شبہ کا دفعیہ ہمارے سابقہ بیانات سے واضح ہوگیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حکایت و واقعات سے ظاہر ہے کہ عکرمہ کذب و افترا ابن عباس کی وفات کے بعد کیا کرتا تھا۔ اس لیے علی ابن عبداللہ بن عباس اس کو قید و بند میں رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے ابن عمر اور ابن مسیب وغیرہ اپنے غلاموں کو وصیت کیا کرتے تھے۔ کہ ہماری موت کے بعد ہم پر اس طرح کذب وافترا نہ کرنا جیسا کہ عکرمہ نے اپنے آقا ابن عباس پر کیا ہے۔ بہر حال واضح ہے کہ اس کی کذب بیان کی یہ فراوانی ابن عباس کی موت کے بعد عمل میں آئی۔ اور کیا بعید ہے کہ علی ابن عبداللہ ابن عباس نے جو اس کو کئی دفعہ ہاتھ پیر باندھ کر قید کیا تو اس کے علل واسباب میں اس کا یہ مذکورہ بالا جھوٹا اعلان بھی شامل ہو؟

(ثانیاً) یہ نسبت ابن عباس کی دوسری روایت کے معارض ہے۔ جس میں ابن عباس نے دوسرے اصحاب کی مانند اس آیت کا مصداق خمسہ نجباء کو بتلایا ہے جو ہم پہلے بحوالہ ابو حاتم از سیرت حلبیہ نقل کرچکے ہیں۔ لہٰذا اصول روایت و درایت کی بنا پر اس روایت کو عکرمہ والی منسوب بلکہ مکذوب روایت پر ترجیح دی جائیگی۔ کما لا یخفیٰ۔

(ثالثاً) اگر ان گزشتہ امور سے قطع نظر کر کے بفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ ابن عباس کی ذاتی رائے تھی تاہم اس قول کے قائلین کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ ان کی یہ رائے باقی صحابہ کرام بلکہ خود ازواج نبی کی تصریحات کے خلاف ہے۔ لہٰذا بنا بر قواعد وضوابط اہل سنت اکثر صحابہ کی رائے کو مقدم سمجھا جائیگا۔

(رابعاً) ان کی یہ رائے خود پیغمبر اسلام کے نصوص صریحہ کے مخالف ہے لہٰذا اس کے اجتہاد فی مقابل النص ہونے کے سبب سے اسے ناقابل اعتبار و اعتماد سمجھا جائیگا۔ ان دو وجہوں سے پیغمبر اسلامؐ کے ارشادات واضحہ اور احادیث صحیحہ وصریحہ کو پس پشت ڈال کر دوسرے قول کو اختیار کرنا اپنے قواعد مذہب سے جہالت پر یا پھر ضلالت پر مبنی ہے۔ ورنہ کوئی بھی متدین اور بابصیرت انسان ایسے امر قبیح وشنیع کا ہرگز ارتکاب نہیں کرسکتا۔

(ایک تاویل علیل کا دفعیہ)

ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اور ان کی پیروی میں محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں ان احادیث نبویہ کی ایک تاویل بیان کر کے اپنے فضل وکمال کا ثبوت دیا ہے۔ اس تاویل کا حاصل یہ ہے کہ "چونکہ ازواج رسولؐ تو گھر میں موجود ہونے کی وجہ سے یقیناً اس میں داخل تھیں۔ البتہ حضرت علیؑ و فاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ علیہم السلام کا شمول مخفی تھا۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے ان کو اس لیے داخل فرمایا تاکہ معلوم ہوجائے کہ وہ بھی اس میں شامل ہیں۔"

ایسے نصوص صریحہ کی ایسی رکیک تاویل وہی انسان کرسکتا ہے جو کلام کے نشیب وفراز اور سیاق وسباق سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ اور فصحاء و بلغاء کے تراکیب کلام سمجھنے سے قاصر اور محاورات عرفیہ کے مطلب ومعنی تک پہنچنے سے جاہل یا متجاہل ہو ورنہ واضح ہے کہ ان دو جملوں میں "اللھم ھولاء اھلبیتی" اور "اللھم ھولاء ایضاً من اھلبیت" میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ پہلے فقرے کا مطلب یہ ہے کہ "بارالہا یہ ہیں میرے اہلبیت" اور دوسرے جملے کا

مطلب یہ ہے "بار الہا یہ افراد بھی میرے اہلبیت میں سے ہیں"۔ اگر آنحضرتؐ کا مقصود یہ بتلانا ہوتا کہ میرے اہلبیت فقط میری ازواج ہی نہیں بلکہ یہ اصحاب کساء بھی میرے اہل بیت میں داخل ہیں۔ تو دوسری عبارت "اللھم ھولاء ایضاً من اھلبیتی" فرماتے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ اے میرے پروردگار یہ حضرات بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں۔ نہ فقط ازواج۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے کلام معجزہ نظام میں "ایضاً اور من" کی لفظیں موجود نہیں بلکہ "اللھم ھولاء اہل بیتی" بعض روایات میں لفظ واللہ بھی ساتھ ملتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "خدا کی قسم میرے اہل بیت یہی ہیں" معلوم ہوا کہ ان حضرات کی یہ تاویل علیل زبان عربی سے کما حقہ واقفیت نہ رکھنے اور اس کے اسرار و دقائق سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔

(دفع توہم) اس موقع پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان احادیث میں جہاں ازواج نبی کو داخل نہیں کیا گیا۔ وہاں آئمہ اثناعشر میں سے ۹ اماموں کا بھی تو کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ لہذا شیعہ حضرات ان کو کس طرح اہلبیت میں داخل سمجھتے ہیں؟

تو اس توہم کا چند وجہ سے ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ (۱) آنحضرتؐ کا اصحاب کساء میں پنے اہلبیت کو منحصر قرار دینا حصر اضافی ہے۔ نہ کہ "حقیقی" یعنی جو افراد نزول آیت کے وقت وجود و مشہود تھے۔ ان کی نسبت ان ذوات مقدسہ میں انحصار کیا گیا ہے۔ جس سے مقصود باقی حاضرین و موجودین کو خارج کرنا تھا نہ یہ کہ یہ حصر "حقیقی" ہو کہ ان بزرگواروں کے علاوہ کسی ور کے اس کے اندر داخل ہونے کی قطعاً گنجائش نہ ہو بلکہ اگر اور حضرات کے ان کے ساتھ شریک ہونے پر کچھ ادلۂ خارجیہ قائم ہو جائیں۔ تو ان کو اہلبیت میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ باقی حضرات کا صریحی ذکر نہ ہونا غالباً اس وجہ سے ہے کہ چونکہ وہ بزرگوار ابھی تک منصۂ شہود پر نہ ئے تھے لہذا ان کو ابھی سے داخل کر دینا ذرا قرین قیاس نہ تھا۔ (۲) روایات متواترہ میں حضرت مہدی عج کے "عترت اہلبیت" میں شامل ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم، مسند ابوداؤد نسائی۔ ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ میں ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "المھدی

من عترتی'' صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲ وغیرہ بکثرت اس قسم کی احادیث موجود ہیں۔ جن میں حضرت حجت عج کے لئے ''من عترتی اهلبیتی'' کے لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جب مہدی عج عترت اہل بیت میں داخل ہیں۔ تو ان کے آباء و اجداد طاہرینؑ بھی قطعاً داخل عترت و اہلبیت ہوں گے۔ ورنہ یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ حضرت ولی عصر عج تو داخل عترت و اہل بیت ہوں لیکن ان کے آباء طاہرینؑ اس سے خارج ہوں؟ مالکم کیف تحکمون؟

(۳) اس بناء پر قاعدہ یفسر بعض الکلام بعضاً'' یعنی بعض کلام بعض کی تشریح کرتا ہے۔ گو ان مذکورہ بالا روایات میں باقی آئمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین پر اہل بیت کا اطلاق نہیں کیا گیا لیکن کچھ اور احادیث نبویہ کتب فریقین میں ایسی ملتی ہیں۔ جن میں ان بزرگواروں کے عترت و اہل بیت ہونے کی تصریح کی گئی ہے۔ چنانچہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۱۲ طبع حیدر آباد دکن پر ابن عباس سے مروی ہے۔ ''قال رسول اللہ من سرہ ان یحی حیوتی و یموت مماتی و یسکن جنۃ عدن التی غرسھا ربی فلیوال علیاً من بعدی ولیوال ولیہ ولیقتد بالائمۃ من بعدی فانھم عترتی خلقوا من طینتی و رزقوا فھمی و علمی الخ'' الی غیر ذالک'' ان حقائق کی روشنی میں باقی آئمہ معصومین علیہم السلام کا عترت و اہلبیت میں داخل ہونا واضح ہوگیا۔ ان تحقیقات سے آیت تطہیر کے مصداق اور عترت و اہل بیت کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوگئے۔ کہ وہ حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور باقی نو آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ !

! اس کے ساتھ ساتھ مضمون نگار یا دیگر حضرات کے پیش کردہ بعض احتمالات کا باطل ہونا بھی ظاہر و باہر ہوگیا۔ یہاں چند جملوں میں اس سے بنات رسول مراد ہونے کے بطلان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ مضمون نگار اس سے بنات رسول مثل حضرت فاطمہ و حضرت زینب حضرت رقیہ الخ مراد لینا علاوہ گذشتہ دلائل و براہین کے بچند وجہ باطل ہے (اولاً) اس لئے کہ جناب سیدہ کے علاوہ باقی صاحبزادیوں کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ کہ آیا وہ آپ کی حقیقی بیٹیاں تھیں ربیبہ اور اس صورت میں آیا بطن خدیجہ سے تھیں یا ان کی بہن ہالہ کے بطن سے! اس اختلاف کے

(فائدہ مہمہ)

گزشتہ بیانات سے آل و اہل بیت و عترت کا متحد المصداق ہونا واضح ہوگیا۔ احادیث میں استعمال ہونے والے دو لفظ اور ہیں (۱) ''ذریت'' (۲) ''ذوی القربیٰ'' انکے حقیقی مصداق بھی وہی بزرگوار ہیں۔ جو مصداق آل و اہلبیت ہیں۔ اگر چہ عام سادات کرام کیلئے آل رسول اور ذریت نبی وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ تو وہ عنایۃً ومجازاً ہیں۔ ہم ذیل میں اس کے متعلق بالاختصار اقوال فریقین نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اس سے آل واہل بیت کے اتحاد پر بھی مزید روشنی پڑے گی صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۴ طبع جدید میں لکھا ہے ''فالمراد باهل البيت فيها و فى كل ما جاء فى فضلهم او فضل الآل او ذى القربى جميع آلهٗ و هم مومنوبنى هاشم و المطلب'' یعنی آیت تطہیر میں اہل بیت سے اور ہر اس آیت و روایت میں جو ان کے فضائل میں وارد ہوئی ہے۔ یا فضائل آل میں فضائل ذی القربیٰ میں اس سے مراد آنحضرتؐ کی تمام آل ہے اور وہ مومنین بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب ہیں۔'' ہمارا مقصود ان کے کلام نقل کرنے سے فقط یہ ہے کہ انہوں نے یہ تو

ہوتے ہوئے ان کے عترت رسول میں داخل ہونے کا قطع و یقین حاصل نہیں ہوسکتا (ثانیاً) اس لئے کہ سوائے جناب صدیقہ کبریٰ کے باقی صاحبزادیوں کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ آیا صدور حدیث کے وقت وہ زندہ بھی تھیں یا نہیں بلکہ بعض قرائن قطعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وفات پا چکی تھیں کیونکہ باب اول میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت نے متعدد بار یہ ارشاد گوہر بار ارشاد فرمایا منجملہ ان کے ایک دفعہ اپنے آخری ایام مرض الموت میں بھی یہ حدیث ارشاد فرمائی جیسا کہ صواعق محرقہ وغیرہ کتب میں مذکور ہے اور واضح ہے کہ یہ صاحبزادیاں اس سے قبل انتقال کر چکی تھیں (ثالثاً) اس لئے کہ یہ احتمال درحقیقت مقصود رسول اکرمؐ سے جہالت پر مبنی ہے ورنہ جب ہم واضح کر چکے کہ آنحضرتؐ اس حدیث کے ذریعے سے اپنے خلفاء و اوصیاء کا تقرر فرما رہے ہیں تو صنف نازک کو اس سے کیا ربط یا سبحان اللہ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است'' (منہ عفی عنہ)

اعتراف کرلیا کہ اہل بیت ''وآل'' وذی القربیٰ متحد المصداق ہیں یعنی ان مختلف الفاظ سے مراد تمام مومنین بنی ہاشم وعبدالمطلب ہیں۔ یعنی ان مختلف الفاظ سے ایک ہی چیز مراد ہے اور خبر میں انہوں نے یہ جو کہا ہے کہ اس سے مراد تمام مومنین بنی ہاشم وعبدالمطلب ہیں'' اگر اس کی بازگشت فقط آئمہ اہل بیتؑ کی طرف ہے تو فہو المطلوب ورنہ اس کا بطلان ہمارے سابقہ بیانات سے واضح وعیاں ہو چکا ہے۔ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ جلد ۴ صفحہ ۲۱ طبع مصر پر لکھا ہے۔ کہ ''و الصحیح ان آل محمدهم اهل بیته و هذا هو المنقول من الشافعی واحمد و اختیار الشریف ابی جعفر وغیرهم الخ''۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ آل محمدؐ آپؐ کے اہلبیت ہی ہیں اور یہی شافعی واحمد سے منقول ہے۔ اور اسی کو شریف ابی جعفر وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ الخ۔ (اسکے بعد لفظ اہل بیت میں تصرفات بے جا کیے ہیں۔ جن کا باطل ہونا ہمارے سابقہ بیانات سے واضح ہو چکا ہے) ابن صبان نے اسعاف الراغبین مطبوع برحاشیہ نور الابصار صفحہ ۱۵۵ مطبوع مصر طبع سادسہ پر ابن حجر والا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ''و کان الالفاظ الثلاثة بمعنی واحد کما فی المواهب'' یعنی گویا یہ تینوں الفاظ ''آل'' ''اهلبیت'' اور ''ذوی القربیٰ'' ہم معنی ہیں جیسا کہ کتاب مواہب میں ہے'' نیز اہل بیتؑ کے متحد المفہوم ہونے کی تائید مزید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں اللھم ھولاء اھلبیتی کے بجائے ھولاء آلی وارد ہے۔

اس تحقیق سے کل تقی و متقی فھو آلی'' کہ ہر متقی و پرہیزگار میری آل ہے۔ کا موضوع اور مکذوب ہونا بھی واضح ولائح ہو گیا علاوہ بریں خود علماء اہلسنت نے بالصراحت اس حدیث کو نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع قرار دیا ہے چنانچہ ابن حجر مکی نے صفحہ ۱۴۴ پر مزکورہ لا کلام کے بعد لکھا ہے ''خبر کل تقی ضعیف بالمرة'' اور ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے کہ ''هو حدیث موضوع'' کہ ... وضع ... اور ... ۲۱ ... کہ ...

روایات شیعہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۳۲۲ طبع تبریز ہے کہ محمد بن سلیمان دیلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا جعلت فدک من الآل" میں آپ پر قربان آل کون ہیں؟ فرمایا "ذریۃ محمد آنحضرت کی ذریت" نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ آپ نے آیہ "و لقد ارسلنا رسلا من قبلک و جعلنا لھم ازواجاً و ذریۃً" تلاوت کرنے کے بعد اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "نحن واللہ ذریۃ رسول اللہ" بخدا ہم ذریت رسول ہیں بحار الانوار جلد ہفتم کے صفحہ ۳۲۴ پر ایک طولانی حدیث مروی ہے۔ جس میں حضرت امام رضا علیہ السلام کا علماء کی ایک جماعت کے ساتھ مباحثہ کرنا مذکور ہے۔ اس میں ہے کہ مامون عباسی نے آنجنابؑ سے دریافت کیا "من العترۃ الطاھرۃ؟" کہ عترت طاہرہ سے مراد کون افراد ہیں؟ "فقال الرضا علیہ السلام الذین وصفھم اللہ فی کتابہ فقال عزوجل انما یرید اللہ الخ و ھم الذین قال رسولؐ اللہ انی مخلف فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی و انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما ایھا الناس لا تعلموھم فانھم اعلم منکم" آپ نے فرمایا کہ عترت سے مراد وہی افراد ہیں۔ جن کا تذکرہ خداوند عالم نے آیہ تطہیر میں فرمایا ہے۔ اور جن کو رسول خداؐ نے حدیث ثقلین میں قرآن کے ساتھ مقرون قرار دیا ہے۔ اس وقت علماء نے کہا کہ اے ابوالحسن! یہ بتلایئے کہ آیا عترت سے مراد آل ہی ہے۔ یا غیر آل۔ آنجنابؑ نے فرمایا کہ اس سے مراد آل نبی ہی ہے۔ پہلے کسی مقام پر بیان کیا جا چکا ہے کہ آیہ مودت قل لا اسئلکم کے نزول کے وقت صحابہ کرام نے عرض کیا "من قرابتک الذین وجبت علینا مودتھم فقال علیؑ و فاطمہ و ابناھما" کہ یا رسول اللہ۔ آپکے وہ قرابتدار کون ہیں۔ جن کی مودت ہم پر واجب قرار دی گئی ہے۔ فرمایا وہ علی و

اطمہ اور ان کے دو بیٹے ہیں۔ (اس روایت میں بھی باقی آئمہ کے مذکور نہ ہونے کا وہی
واب ہے۔ جو اوپر حدیث اہل بیت میں ان کے عدم ورود کے متعلق دیا جا چکا ہے) اگرچہ
صداق ''اہل بیت'' معلوم ہو جانے کے بعد اب مصداق عترت روز روشن کی طرح واضح و
ائح ہو چکا ہے۔ اور اس پر مزید قلم فرسائی کی ضرورت نہیں رہی تاہم ذیل میں چند قرآئن
قطعیہ جو حدیث ثقلین سے ہی پیدا ہوتے ہیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ قطع نظر ادلۂ خارجیہ کے خود اسی حدیث شریف کے اندر بکثرت ایسے
قرائن داخلیہ موجود ہیں۔ جو قطعی طور پر اس سے آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کے مراد ہونے پر
دلالت کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں چند قرآئن کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(پہلا قرینہ) سابقہ ابواب وفصول میں یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرتؐ اپنی اس صحیح و
متواتر حدیث کے ذریعہ اپنے بعد امت مرحومہ کے لیے ہادیان وراہبران یعنی اپنے خلفاء و
اوصیاء کا تقرر فرما رہے ہیں۔ جن کے ساتھ تمسک و اعتصام میں رشد و ہدایت اور ان کی
مخالفت میں ضلالت وغوایت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان ہادیان علی الاطلاق کو تمام صفات کمالیہ
از قبیل علم وعمل وصداقت ونجابت وعصمت وطہارت وعدل و انصاف وشجاعت وسخاوت
وغیرہ سے متصف ومزین اور تمام صفات رزیلہ از قسم جہل ونادانی وفسق وفجور اور ظلم وجور سے
منزہ ومبرہ ہونے میں مثل رسول ہونا چاہیئے۔ ورنہ اگر وہ عام لوگوں کی طرح ہوں جن میں خطا
وصواب نسیان و ذکر غفلت و التفات سہو و اشتباہ علم وجہل اور ظلم وعدل وغیرہ صفات متضاد
پائے جاتے ہیں۔ تو اس صورت میں کس طرح ان کے ساتھ تمسک کرنا باعث نجاح وفلاح
قرار پا سکتا ہے؟ ماننا پڑے گا کہ یہاں عترت رسولؐ سے کچھ ایسے ذوات مقدسہ مراد ہیں۔ جو
تمام صفات کمالیہ سے متصف اور تمام صفات نقص سے منزہ ومبرا ہیں، واضح ہے کہ خاندان

بزرگوار اس سے مراد ہوں گے۔

(دوسرا قرینہ) اس حدیث شریف کے بعض طرق و اسناد میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا۔ اور فرمایا "هذا علی مع القرآن و القرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض" یہ علی قرآن کے ساتھ اور قرآن ان کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ اس تتمہ کو دار قطنی، اور بزاز، ابن عقیدہ، شریف سمہودی اور ابن حجر مکی وغیرہ نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ لیکن مضمون نگار کی ستم ظریفی و تعصب کشی کا یہ عالم ہے کہ باوجودیکہ تعین عترت میں ادھر ادھر بہت ہاتھ پیر مارے ہیں۔ لیکن آنجناب کا نام بھول کر بھی زبان قلم پر نہیں لائے اے کاش کہ اپنے خلیفہ اول حضرت ابوبکر کا ارشاد ہی صواعق محرقہ طبع جدید پر دیکھ لیتے۔ جس میں انہوں نے تصریحاً کہا کہ "علی عترۃ رسول اللہ"

ع۔ ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے؟

بہر حال آنحضرتؐ کا آخر حدیث میں حضرت علیؑ کے متعلق یہ ارشاد فرمانا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ جس عترت کے ساتھ تمسک کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس کی فرد اول یہی بزرگوار ہیں۔ لہٰذا جب بنصِ رسولؐ حضرت علیؑ کا فرد اول عترت ہونا ثابت ہو گیا تو اس کے بعد آپ جس شخص کے امام ہونے پر نص فرمادیں گے وہی آپ کے بعد اس کا مصداق سمجھا جائیگا۔ واضح ہے کہ یہ امامت کا سلسلہ مبارکہ آپ کی ذریت طاہرہ حضرت علیؑ تا حضرت حجت جاری اور انہی میں منحصر ہے۔ لامحالہ یہی حضرات آپ کے بعد مصداق عترت ہوں گے۔ الا انکثی۔

(تیسرا قرینہ) اس حدیث شریف میں عترت کو "ثقل" کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے اسے قرین قرآن قرار دے کر اس کے ساتھ تمسک کو مثل تمسک بالقرآن واجب و لازم قرار دیا

گیا ہے۔ لہٰذا یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ قرین وعدیل قرآن ایک عظیم الشان علیم
بالقرآن ہر عیب ونقص سے منزہ اور ہر خطا ولغزش سے معصوم ہے ظاہر ہے کہ یہ صفات جلیل
تمام سادات کرام اور عام بنی ہاشم بلکہ تمام امت میں مفقود ہیں۔ ماسوا آئمہ اہلبیت کے لہٰذا ل
محالہ وہی یہاں مراد ومقصود ہوں گے۔

(چوتھا قرینہ) اس حدیث کے بعض طرق واسناد میں یہ فقرے موجود ہیں۔ (جیس
کہ باب اول میں پوری حدیث شریف نقل ہو چکی ہے) کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "ل
تعلموهم فانهم اعلم منكم ولا تقدموهم فتهلكو" یعنی اس عترت کو تم تعلیم نہ دی
کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔ اور کسی امر میں ان سے تجاوز نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے" ی
فقرے واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں۔ کہ اس حدیث شریف میں جس عترت طاہرہ کا ذک
کیا گیا ہے۔ اس کے دو خصوصی نشان یہ ہیں (۱) کہ وہ سب امت سے "اعلم" اور (۲) تما
امور خیر میں "اقدم" ہیں۔ اس لیے ان کو کسی چیز کی تعلیم وتلقین کرنے اور کسی امر میں ان سے
آگے بڑھنے سے ممانعت کی گئی ہے۔ آفتاب عالمتاب کی طرح واضح وروشن ہے کہ یہ د
صفتیں تمام سادات وبنی ہاشم وغیرہ میں ناپید ہیں۔ ورنہ قطع نظر باقی مفاسد کے اس کا لازم
نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تمام سادات کو علوم وفنون کی تعلیم وتلقین کرنا شرعاً ممنوع قرار پائے اور معلمین
بجائے کسب حسنات کے عاصی وگنہگار قرار پائیں۔ ولا یخفی بطلانہ۔

(پانچواں قرینہ) اس حدیث شریف کے بعض طرق واسناد میں یہ وارد ہے کہ "لن
يخرجوكم من باب هدى و لن يدخلوكم باب الضلالة" یعنی عترت تمہیں کبھی باب
رشد وہدایت سے نہیں نکالیگی اور ہرگز تمہیں باب ضلالت وگمراہی میں نہیں ڈالیگی" ظاہر ہے
کہ یہ صفت جلیلہ ان حضرات کی عصمت کی قطعی دلیل ہے۔ کیونکہ جو شخص مدت العمر میں کبھی
کسی حالت میں بھی اپنے مطیع وفرمانبردار کو ہدایت سے نکال کر چاہ ضلالت میں نہ ڈال دے

وہ معصوم ہی ہوسکتا ہے یہ عترت کی عصمت کی قطعی دلیل ہے لہٰذا جب یہ صفت عصمت سوائے آئمہ اہلبیت کے باقی تمام ان حضرات میں جن کا اس حدیث میں احتمال دیا گیا ہے۔ معدوم ہے تو ماننا پڑیگا کہ اس سے مراد فقط آئمہ ھدیٰ علیہم السلام ہیں۔

(چھٹا قرینہ) جب واضح ہو چکا کہ آنحضرتؐ اس حدیث کے ذریعے اپنے خلیفہ و جانشین کا تقرر فرما رہے ہیں۔ اور لوگوں پر ان سے تمسک کرنے کو واجب ولازم قرار دے رہے ہیں۔ تاکہ وہ نجاح وفلاح کو نین حاصل کرسکیں اور افتراق واختلاف سے محفوظ ومصون رہیں تو عقل سلیم مجبور کرتی ہے کہ مصداقِ عترت کو زمانہ رسولؐ میں معین ومشخص ہونا چاہیئے۔ ورنہ ان کے جانشین اور قرین قرآن قرار دینے کا مقصد ضائع وبرباد ہوجائیگا اس صورت میں شخص بالخصوص بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی ''علم کتاب'' کا مدعی بن بیٹھے گا۔ اور اپنے واجب التمسک ہونے کا دعویدار نظر آئیگا اس طرح افتراق وانشقاق کی خلیج وسیع تر ہوجائیگی بنا بریں ضروری ہے کہ عہد رسالت مآب میں مصداق عترت واضح ومعلوم ہوتا کہ یہ لفظ آنحضرتؐ کی زبان وحی ترجمان سے صادر ہوتے ہی اپنے مصداق پر اس طرح منطبق ہوجائے جس طرح کسی کا پیراہن اس کے جسم پر۔ یہ پہلے ہی واضح کیا جاچکا ہے کہ جن ذوات کے ساتھ علی الاطلاق تمسک اور ان کی اطاعت وپیروی کا حکم دیا جارہا ہے ان کو تمام صفات کمالیہ سے متصف اور تمام صفات نقص سے منزہ ومبرا ہونا چاہیئے۔ اب آیئے اصحاب و خاندان رسول اکرم کے درمیان ہاتھ میں چراغ لیکر ڈھونڈیں کہ آپ کے عہد معدلت عہد میں ان صفات سے متصف کون افراد تھے یقین کامل ہے کہ اگر چشم بصیرت سے تعصب وعناد کی عینک اتار کر اس امر کا تتبع وتفحص کیا گیا تو سوائے حضرت امیر المومنین اور ان کے دولخت جگر جوانان جنت کے سردار حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ علیہم السلام کے اور کوئی ذات نظر نہیں آئیگی۔ اور ان کے بعد باقی نو امام علیہم السلام ہیں وہی عقل سلیم جو مجبور کرتی تھی کہ مصداق

عترت کو زمانۂ رسول میں معین و معلوم ہونا چاہیئے۔ اب وہی فیصلہ کرتی ہے کہ وہ حضرات گرامی یہی ہیں۔ نہ کوئی اور۔

(ساتواں قرینہ) علمائے محققین اہل سنت نے بھی اس بات کا اقرار و اعتراف کیا ہے۔ کہ اس حدیث شریف میں عترت رسول سے مراد آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں۔ چنانچہ شریف سمہودی نے اپنی کتاب جواہر العقدین (علی مانقل عنہ) میں حدیث ثقلین کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے چند فوائد رقم فرمائے چنانچہ وہ فائدۂ چہارم میں رقمطراز ہیں۔ ”رابعھا ھذا الحث شامل للتمسک بمن سلف من آئمہ اھل البیت والعترۃ الطاھرۃ والاخذبھم واحق من تمسک بہ منھم امامھم و عالمھم علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ فی فضلہ و علمہ و دقائق مستنباطتہ الخ۔“

یعنی یہ ترغیب و تحریص و اہلبیتؑ و عترت طاہرہؑ کے ساتھ تمسک اور ان کے طریقہ پر چلنے کو شامل ہے۔ اور جن کے ساتھ تمسک کا حکم ہے۔ ان تمام میں سے زیادہ حقدار تمسک ان کے امام و عالم حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ بہ سبب اپنے کمال و فضل و علم اور دقیق استنباطات کے الخ۔ (بحوالہ عبقات الانوار مجلد حدیث ثقلین) سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب تذکرۃ خواص الامۃ صفحہ ۳۱۲ طبع نجف پر زیر عنوان الباب الثانی عشر ذکر الائمۃ علیہم السلام“ اس حدیث شریف کو درج فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی مراد یہی بزرگوار ہیں۔ علامہ زرقانی نے اپنی کتاب سراج منیر شرح جامع صغیر میں لکھا ہے کہ ”ھذا عام ارید بہ الخاص“ یعنی لفظ عترت عام ہے۔ (بحسب لغت) تمام قریبی رشتہ داروں میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے مراد خاص افراد ہیں“ ظاہر ہے کہ وہ خاص افراد وہی آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہی ہوسکتے ہیں۔ نہ صرف خاندان رسولؐ بلکہ تمام کائنات میں فضل و کمال کے لحاظ سے کوئی ان کی برابری وہمسری نہیں کرسکتا۔ اگر بایں ہمہ

عقلاً ونقلاً قبیح و باطل ہے۔ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں بذیل شرح حدیث ثقلین اس لفظ کے متعلق لکھا ہے ''والمراد بعترته هنا العلماء العاملون منهم اذهم الذين لا يفارقون القرآن'' یعنی عترت رسول سے مراد فقط ان کے علماء عاملین ہیں کیونکہ وہی افراد وہ افراد ہوسکتے ہیں جو قرآن سے کبھی جدا نہیں ہوتے'' اس قدر تو حکیم ترمذی نے تسلیم کیا۔ کہ یہاں عام بنی ہاشم و دیگر سادات مراد نہیں۔ بلکہ ان میں سے فقط علماء عاملین مراد ہیں۔ جو ہمارے ملا صاحب کے زعم باطل کی تردید کیلئے کافی ہے۔ لیکن حکیم ترمذی نے جو یہ لکھا ہے کہ یہی علمائے عاملین وہ افراد ہیں۔ جو قرآن سے جدا نہیں ہوسکتے اس میں ہمیں کلام ہے کیونکہ کوئی عالم خواہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو جب تک وہ درجۂ رفیعہ عصمت پر فائز نہ ہو ضرور کسی نہ کسی وقت عمداً نہ سہی اشتباہاً سہی عمداً نہ سہی سہواً سہی قرآن سے ضرور جدا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس فرمائش کے ساتھ ہماری طرف سے ایک اور لفظ کو منضم کرلیں۔ اب عبارت یوں بن جائیگی۔ ''العلماء العاملون المعصومون'' یعنی عترت سے مراد وہ علمائے عاملین ہیں۔ جو درجہ عصمت پر بھی فائز ہیں۔ اس کے بعد مطلب ہر لحاظ سے کامل ہو جائیگا۔ اور یہ تینوں صفات چونکہ اجتماعی طور پر سوائے آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کے کسی اور شخص میں موجود نہیں۔ لہٰذا وہی اس سے مراد ہوں گے۔

(آٹھواں قرینہ) یہ کہ قرآن و عترت کو ثقلین کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ تسمیہ بعض نے یہ لکھی ہے ''لان العمل بهما ثقيل'' جیسا کہ حموینی نے فرائد السمطین میں اور فیروز آبادی نے قاموس اللغات میں یہ تحریر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے ساتھ ساتھ جن ذوات قدسیہ کے اوامر نواہی پر عمل کرنا گراں ہے وہ آئمہ دین مبین صلوات اللہ علیہم اجمعین ہی کی ذوات ہوسکتی ہیں۔ ورنہ عام سادات و بنی ہاشم کی اولاً تو اطاعت واجب ہی نہیں اور ثانیاً ان کے ساتھ تمسک اس معنی کے لحاظ سے کہ جو ملا صاحب نے بیان کیے ہیں۔ بالکل آسان

ہے۔ اسمیں کوئی انہونی بات نہیں ہے۔

(نواں قرینہ) خود حضرت امیرالمومنین اور دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام کا اس حدیث شریف کے ساتھ اپنی خلافت و امامت کے اثبات میں استدلال و احتجاج کرنا۔ اس امر کی قطعی دلیل ہے۔ کہ اس میں عترت رسول سے یہی ذوات قدسی صفات مراد ہیں۔ اگر ان تمام قرائن عقلیہ و نقلیہ اور دلائل قاہرہ حجج باہرہ سے بھی آپ کی تسلی و تشفی نہ ہوئی ہو تو قرینہ عاشرہ میں ہم خود پیغمبرؐ اسلام کا صریح بیان پیش کیے دیتے ہیں۔ تا کہ اس بحث اور اس تمام قیل و قال کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔

(دسواں قرینہ) حافظ صدر الدین ابراہیم ابن محمد سمہودی نے حضرت امیرالمومنین کی حدیث مناشدہ نقل کی ہے۔ (بوقت شوری حضرت امیرالمومنین نے اراکین مجلس شوری کے سامنے ''انشد کم اللہ انشد کم اللہ (کہہ کر جن احادیث کے ساتھ احتجاج و استدلال کیا تھا۔ ان کو احادیث مناشدہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) قال انشدکم باللہ ھل تعلمون ان رسول اللہ قام خطیبا لم یخطب بعد ذلک یا ایھا الناس انی تارک فیکم کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی فتمسکو بھما فان اللطیف الخبیر اخبرنی و عھد الی انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فقام عمر ابن الخطاب شبہ المبغض فقال یا رسول اللہ اکل اھل بیتک؟ فقال لا ولکن اوصیائی منھم اولھم اخی و وزیری و وارثی و خلیفتی فی امتی و ولی کل مومن بعدی ھو اولھم ثم ابنی الحسنین ثم تسعۃ من ولد الحسینؑ واحد بعد واحد حتی یردا علی الحوض شھداء اللہ فی ارضہ و حججہ علی خلقہ خزان علمہ و معادن حکمتہ من اطاعھم فقد اطاع اللہ و من عصاھم فقد عصی اللہ فقالو اکلھم نشھد ان رسول اللہؐ قال ذلک''

فرمایا میں تم سے خدا کو حاضر و ناظر جان کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے کہ

رسول خدا نے ایک دن خطبہ پڑھا جس کے بعد آپ کو پھر خطبہ پڑھنے کا بوجہ وفات حسرت آیات اتفاق نہیں ہوا جس میں انہوں نے فرمایا تھا: ''انی تارک فیکم کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی'' الخ۔۔ اور جب آنحضرتؐ یہ فرما چکے تھے تو عمر ابن خطاب مثل غضبناک آدمی کھڑے ہو کر آپ سے پوچھنے لگے یا رسول اللہ! کیا آپ کے تمام اہل بیت سے تمسک کریں؟ (یعنی لفظ اہلبیت سکنی کو بھی شامل ہے) فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد میرے اوصیاء ہیں۔ جن میں میرا پہلا خلیفہ اور میرے بعد ہر مومن کا مولا و آقا ہے۔ (یعنی حضرت علیؑ) اور ان کے بعد میرے دو بیٹے حسنؑ و حسینؑ اور پھر وہ ۹ حضرات جو اولاد حسینؑ سے ہوں گے۔ اور ان کا سلسلہ یکے بعد دیگرے قائم رہیگا۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے یہ زمین پر اللہ کے گواہ ہیں اور اس کی حجت اور اس کے علم کے خزینہ دار اور اس کی حکمت کے معدن ہیں۔ جس شخص نے ان کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ سب (حاضرین مجلس) نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے ایسا فرمایا تھا۔

الحمد للہ اس حدیث نے تمام قیل وقال کا خاتمہ کر دیا جب خود پیغمبرؐ اسلام نے اپنی عترت کی تعیین و تشخیص فرما دی تو اب اس کے متعلق ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنے اور مختلف قیاس آرائیاں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ارکان مجلس شوری نے تو اس امر کا واشگاف لفظوں میں اقرار کر لیا (اگرچہ اس پر عمل نہیں کیا) کیا ہم مولوی اللہ یار اور ان کے دیگر اعوان و انصار سے توقع کر سکتے ہیں۔ کہ وہ بھی اپنے بزرگواروں کی سیرت پر چلتے ہوئے اس کا اقرار و اعتراف کر لیں گے؟ بہر حال ان حجج باھرہ و دلائل قاہرہ اور قرائن ظاہرہ سے کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو گیا۔ کہ اس حدیث شریف میں عترت رسول سے مراد آئمہ اثنا عشر علیہم الصلوۃ والسلام ہی ہیں لیکن بایں ہمہ جو شخص اب بھی مصداق ''عترت واہل بیت'' نہ سمجھے تو پھر اسے خدا ہی سمجھے گا۔ ''ما فرطنا فی الکتاب من شئی... و لکن اللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم''

(تذنیب)

ان تحقیقات سے مضمون نگار کے زید ابن ارقم کے کلام کو اپنا موئید بنانے کی تردید ہوگئی اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولوی صاحب نے ''خلاصہ کلام'' کے ذیل میں عترت رسولؐ میں عمومیت پیدا کرنے کے بعد زید ابن ارقم کے کلام کو موئید بناتے ہوئے لکھا ہے ''یہی وجہ ہے کہ جب زید ابن ارقم راوی حدیث سے اہل بیت کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ جن پر زکوۃ وصول کرنا حرام ہے۔ وہ اہلبیت ہیں اور ظاہر ہے کہ اس معنی کے مصداق قیامت تک پائے جائیں گے۔ جن میں صالح بھی ہوں گے۔ اور غیر صالح بھی ہوں گے۔'' جب اوپر دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ اور قرائن واضحہ سے بتائید تصریحات علمائے اعلام و صحابہ کرام بلکہ خود پیغمبر اسلام کی فرمائشات سے اس حدیث شریف میں عترت رسول سے آئمہ اھل بیت علیہم السلام کا مراد ہونا اظہر من الشمس ہوگیا۔ تو اس سے زید ابن ارقم کی تفسیر (بنا بر تسلیم صحت) کا بطلان اور اجتہاد فی مقابل النص ہونا واضح وعیاں ہوگیا۔ اس صورت میں کوئی باخبر اور بابصیرت آدمی اس سے احتجاج و استدلال نہیں کرسکتا یہی وجہ ہے کہ خود علمائے محققین اہل سنت نے اس کی تردید میں زور قلم و بیان صرف فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ محمد ابن یوسف الکنجی الشافعی اپنی کتاب کفایۃ الطالب کے باب اول صفحہ ۱۲ طبع نجف میں حدیث ثقلین کو صحیح قرار دیتے ہوئے زید ابن ارقم کی مذکورہ بالا تفسیر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''قلت ان تفسیر زید'' (اھل البیت)

''غیر مرضی لانہ قال اھل بیتہ من حرم الصدقہ بعدہ، یعنی بعد النبیؐ و حرمان الصدقہ یعم زمان حیاۃ الرسولؐ و بعدہ لان الذین حرموا الصدقہ لا ینحصرون فی المذکورین فان بنی عبدالمطلب یشار کونھم فی الحرمان ولان آل الرجل غیرہ علی الصحیح فعلی قول زید یخرج امیرالمومنین علیہ السلام من ان یکون من اھل البیت بل الصحیح ان اھل البیت علیؑ و فاطمۃؑ والحسنانؑ کما رواہ المسلم باسنادہ عن عائشہ''

یعنی زید ابن ارقم والی تفسیر اہل البیت بدو (۲) وجہ غیر پسندیدہ ہے اولاً اس لئے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں کہ جن پر آنحضرتؐ کے بعد صدقہ حرام ہے (اور پھر جب ان سے توضیح طلب کی گئی تو کہا کہ وہ اولاد علی و فاطمہ و جعفر و عقیل و عباس ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے) ظاہر ہے کہ جن پر صدقہ حرام ہے وہ ان مذکورین میں منحصر نہیں بلکہ بنی عبدالمطلب بھی صدقہ نہ لینے میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ (ثانیاً) اس لئے کہ صحیح یہ ہے کہ کسی کی اولاد اس کی غیر ہوتی ہے۔ (یعنی باپ اس میں داخل نہیں ہوتا) لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص کی اولاد کا احترام کرو تو اس کے اندر ان کا باپ داخل نہیں ہوگا۔ (کمالا یخفی) پس زید کے قول کی بنا پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اہل بیت میں سے خارج ہو جائیں گے۔ (کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر اولاد علی وغیرہ سے کی ہے) پس صحیح یہ ہے کہ اہل بیت سے مراد حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ (علیہم السلام) ہیں الخ۔۔۔۔

بعد ازیں اپنے اس دعوے پر دلائل پیش فرمائے ہیں۔ واضح ہوا کہ پیغمبر اسلام کی بیان کردہ توضیح و تفسیر اہل بیت کے مقابلہ میں زید بن ارقم کی بیان کردہ تفسیر سے احتجاج و استدلال کرنا۔ استدلال کنندہ کی کمزوری ایمان وایقان کا بین برھان ہے۔ مومنین کی قرآن مجید میں صفت بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے تمام تنازعات میں حضرت رسول اکرمؐ کو اپنا حکم قرار دیتے ہیں۔ اور جو فیصلہ وہ فرمادیں وہ اس میں کسی قسم کی چوں و چرا نہیں کرتے "وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما"

بحمدہ تعالیٰ شیعہ خیر البریہ اس معیار ایمانی پر سو فیصدی پورے اترتے ہیں۔ کیونکہ وہ نص کے مقابلہ میں اجتہاد کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور "قال اللہ و قال الرسول و قال الائمہ" کے مقابلہ میں "نقول" نہیں کہتے۔

(مضمون نگار کی ایک تاویل علیل کی تردید)

مضمون نگار نے بذیل عنوان بتقدیر تسلیم ''فقرہ'' اذکر اللہ فی اھلبیتی کا مطلب یہ لکھا ہے۔ ''کہ میری خاندانی برادری میں سے ''جن لوگوں'' نے دین اسلام کی خدمت کی ہے یا آئندہ کریں گے ان کی عزت و خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اور اگر ان سے کچھ کوئی قصور یا غلطی بھی ہو جائے تو بھی ان کی عزت کرنا''

(الفاروق مجریہ ۱۵ جون ۵۸ صفحہ ۱۲) ہمارے سابقہ بیانات سے اس تاویل علیل کا بدیہی البطلان ہونا واضح و عیاں ہو چکا ہے کیونکہ اس فقرہ کی یہ رکیک تاویل بناء الفاسد علی الفاسد'' کی مصداق ہے۔ اور مطلب و مقصد حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ سابقہ ابواب و فصول میں مدلل و مبرہن کیا جا چکا ہے۔ کہ حضرت ختمی مرتبت کا مقصود اپنی عترت طاہرہ کی خلافت و امامت پر نص قائم کرنا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ اس سے مراد حضرت امیر المومنین اور ان کی اولاد میں سے گیارہ آئمہ معصومین صلوات اللہ علیھم اجمعین ہیں۔ اور ان کے خلیفہ رسول و آئمہ دین ہونے کے سبب سے ان سے تمسک کرنے یعنی ان سے تحصیل معارف اسلام اور اخذ مسائل حلال و حرام کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ کہ ان کی تقصیرات و خطیات کو معاف کرنے کا'' (معاذ اللہ)

حالانکہ ان سے ان کی عصمت و طہارت کی وجہ سے کسی غلطی یا لغزش کا سرزد ہونا متصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں بذیل شرح حدیث ثقلین میں لکھا ہے ''قلت فی اطلاقه اشعار بان من یکون من عترته فی الحقیقته لا یکون هدیه و سیرته الا مطابقاً للشریعة و الطریقة'' انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرتؐ کے علی الاطلاق عترت کے ساتھ تمسک کا حکم دینے میں اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ

مطابق ہوگا کس قدر انصاف کشی اور ستم ظریفی ہے کہ حدیث شریف میں وارد شدہ فقرات ''ما ان تمسکتم بهما'' اور ''اذکر کم الله'' کے معنی یہ بیان کیے جارہے ہیں کہ اگر ان سے کوئی قصور یا غلطی ہو جائے تو انہیں معاف کر دینا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ع

بدیں عقل و دانش بباید گریست

ہم سابقاً بتائید علمائے اعلام اہلسنت تمسک کے صحیح معنی بیان کر چکے ہیں۔ کہ اس سے مراد عترت طاہرہ کے ہر قول وفعل اور ہر امر و نہی کا اتباع اور اس کی پیروی کرنا ہے اور ہر حالت میں ان کے اسوۂ حسنہ کی تاسی واقتداء کرنا ہے۔ یہاں پھر مزید توضیح کے لیے اس کے متعلق چند امور ذکر کیے دیتے ہیں۔ علامہ طیبی نے کتاب کاشف شرح مشکوۃ میں (علی مانقل عنہ) بذیل شرح حدیث ثقلین تمسک کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''و معنی التمسک بالقرآن العمل بما فيه والائتمار باوامره والانتهاء بنواهيه و معنی التمسک بالعترة محبتهم والا هتداء بهديهم و سيرتهم'' یعنی تمسک بالقرآن کے یہ معنی ہیں کہ اس کے اوامر پر عمل اور اس کے نواہی سے رکا جائے اور تمسک بالعترۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے اور ان کی سیرت اور ان کے اسوہ حسنہ پر عمل درآمد کیا جائے۔

ایسا ہی ملا علی قاری نے شرح شفاء قاضی عیاض میں لکھا ہے۔ اور اس معنی کی تائید اس وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ جو علماء نے قرآن وعترت کو لفظ ''ثقلین'' کے ساتھ تعبیر کرنے کے بیان میں بیان کی ہے۔ چنانچہ ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ۔ ''وسمی النبیّ القرآن العزیز و اهلبيته ثقلين لان الاخذ والعمل بما يجب لهما ثقيل'' یعنی رسول خداؐ نے قرآن عزیز اور اپنے اہلبیت کا نام ثقلین اس لیے رکھا ہے کہ جو کچھ ان کے متعلق ہم پر واجب ولازم ہے اس پر عمل کرنا بہت ثقیل وگراں ہے ایسا ہی دیلمی نے فردوس

الاخبار میں اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔ علاوہ بریں اس حدیث کے طرق کثیرہ میں بجائے لفظ تمسک کے لفظ ''اخذ'' وارد ہوا ہے۔

(ان اخذتم بھما) جیسا کہ باب اول میں نص حدیث میں مذکور ہو چکا ہے واضح ہے کہ یہ لفظ ہمارے مدعا پر بمنزلۂ نص صریح ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ ''جب تک تم ان دونوں کو تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے'' ظاہر ہے کہ اس اخذ (تھامنے) کا مطلب ہاتھوں سے پکڑنا تو نہیں ہے بلکہ ان کے اوامر و نواہی پر عمل درآمد کرنا ہے۔ ذیل میں بالخصوص ہم ان چند کتب کے نام درج کیے دیتے ہیں جن میں یہ لفظ وارد ہیں۔ (۱) مسند احمد بن حنبل (۲) طبقات ابن سعد (۳) جامع ترمذی (۴) تہذیب الاثار ابن جریر طبری (۵) معجم کبیر طبرانی (۶) تفسیر ثعلبی (۷) مصابیح السنہ بغوی (۸) شفا قاضی عیاض (۹) جامع الاصول ابن اثیر جزری (۱۰) مشکوۃ شریف (۱۱) نظم درالسمطین (۱۲) تفسیر ابن کثیر (۱۳) شرح مقاصد تفتازانی (۱۴) احیاء المیت سیوطی (۱۵) تفسیر درمنثور سیوطی (۱۶) جواہر العقدین سمودی (۱۷) کنز العمال ملا علی متقی (۱۸) مرقاۃ شرح مشکوۃ ملا علی قاری (۱۹) نسیم الریاض خفاجی (۲۰) وسیلہ النجات محمد مبین لکھنوی (۲۱) الحق المبین رشید الدین دہلوی (۲۲) ینابیع المودۃ بلخی (۲۳) السراج الوہاج نواب سید صدیق حسن خان وغیر ذالک واضح ہو گیا کہ اس ''اخذ و تمسک'' سے مراد عترت طاہرہ سے معارف اسلام و مسائل حلال و حرام کی تحصیل کرنا اور پھر اس پر عمل پیرا ہونا ہے نہ یہ کہ اگر ان سے کوئی قصور و غلطی ہو جائے تو ان کو معاف کر دینا (معاذ اللہ) اس صورت میں تو مطلب صرف یہ ہوگا کہ بس تم ان کی غلطیوں کو معاف کرتے رہنا ہدایت پا جاؤ گے خواہ زنا کرو یا چوری اور رہزنی اختیار کرو غرضیکہ جو چاہو سو کرو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کے علاوہ اس معنی کو اختیار کرنے کی صورت میں لازم آئے گا کہ امت حاکم اور عترت رسول محکوم قرار پائے کیونکہ عفو تقصیر کی سفارش حاکم

ے کی جاتی ہے حالانکہ یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ عترت رسول حاکم اور امت محکوم ہے" جب تمسک کا حقیقی مطلب معلوم ہوگیا اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ عترت رسول سے مراد حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ تو اس فقرہ "اذکر کم اللہ فی اھلبیتی" کا صحیح مطلب ومقصد بھی واضح ہوگیا اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ وجوب تمسک کی مزید تاکید فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ "میں تمہیں اپنے اہلبیتؑ کے متعلق خدا کو یاد دلاتا ہوں"۔ یعنی ان کے ساتھ تمسک کو لازم سمجھنا اور ان کو اپنا امام ومقتداء جاننا کہ ان پر مظالم ومصائب کے دروازے کھول دینا۔ علمائے محققین اہلسنت نے بھی اس فقرہ کے متعلق ایسا ہی افادہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ملا کاشفی مولف تفسیر حسینی نے اپنی کتاب فوائد علیہ در احادیث نبویہ میں ایسا ہی لکھا ہے کہ در تکرار ایں سخن الخ

اسی طرح مولوی محمد مبین لکھنوی نے اپنی کتاب وسیلۃ النجات میں اس فقرہ کی شرح میں لکھا ہے" یعنی از خدا بترسید و حقوق ایشاں را نگاہ دارید و اطاعت و محبت ایشاں را شعار خود گردانید الخ"۔ یعنی خدا سے ڈرنا اور ان کے حقوق کی نگاہ داری کرنا ان کی اطاعت ومحبت کو اپنا شعار قرار دینا زرانی نے شرح مواہب لدنیہ میں اس فقرہ کے ذیل میں لکھا ہے "قال الحکیم الترمذی حرص علی التمسک بھم الخ"۔ یعنی حکیم ترمذی (صاحب نوادر الاصول) نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس فقرہ کے ذریعہ اہلبیتؑ کے تمسک کی ترغیب وتحریص فرمائی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس فقرہ کا صحیح مطلب یہی ہے جو ہم نے سنت کے علمائے اعلام کی تائید سے لکھ دیا ہے۔ اور اگر اس کا وہ مطلب قرار دیا جائے جو کہ ملا صاحب نے بیان کیا ہے تو اس سے اس کا پہلے کلام کے مناقض ومخالف ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ واضح ہو چکا ہے کہ تمسک کا مطلب عترت طاہرہ سے معالم دین مبین اور معارف واحکام شریعت سید المرسلین کا حاصل کرنا ہے، نیز عترت طاہرہ حاکم اور باقی امت

ان کی محکوم ہے۔ لیکن اس مطلب کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تمسک کے وہ معنی غلط قرار پائیں۔ اور امت حاکم اور عترت محکوم بن جائے جیسا کہ واضح ہے۔ علاوہ بریں اگر تمسک بالعترت کے یہی معنی ہیں جو مولوی صاحب نے بیان کئے ہیں تو پھر تمسک بالقرآن کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ اسے اچھے خوشنما غلاف میں بند کر کے اپنے گھر کی زینت بنائے رکھنا اور اگر کبھی کہیں گر جائے تو اسے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ اٹھا کر پھر اپنے مقام پر رکھ دینا۔ بس تمسک بالقرآن کا حق ادا ہو جائیگا اور تم ہدایت پا جاؤ گے۔ اور ضلالت و گمراہی سے بچ جاؤ گے۔

مالکم کیف تحکمون؟

(ایک مشہور توہم کا ازالہ)

اس بیان حق ترجمان سے ایک مشہور توہم کا ازالہ بھی ہوگیا ہے جو اس حدیث شریف سے امامت آئمہ ہدیٰ علیہم السلام مراد لینے کے متعلق مخالفین کیا کرتے ہیں۔ کہ اگر آنحضرتؐ کا مقصود اس حدیث شریف سے عترت طاہرہ کی امامت بیان کرنا ہوتا تو امت کو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید نہ کرتے بلکہ خود اپنے اہلبیت سے امت کے لیے سفارش کرتے کہ ان سے حسن سلوک کرنا، معلوم ہوتا ہے کہ امامت دوسرے لوگوں میں قرار پانے والی تھی اس توہم فاسدہ کے ازالہ کی توضیح یہ ہے کہ اگر عترت طاہرہ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرنے سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ وہ محکوم اور امت حاکم ہو تو پھر اس سے یہ بھی لازم آئیگا کہ قرآن محکوم اور امت حاکم قرار پائے کیونکہ بعینہ یہی وصیت قرآن مجید کے متعلق بھی موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو باب اول فصل الفاظ حدیث ثقلین) وہاں صاف طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ "اوصیکم بکتاب اللہ" یعنی میں تمہیں کتاب خدا کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔ کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا حالانکہ قرآن مجید کے متعلق کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس سے قرآن کا

کہ مسلمانوں کو عترت رسولؐ سے کچھ خاص پرخاش ہے۔ بہر حال جو جواب فقرہ ''اوصیکم بکتاب اللہ'' کا دیا جائے گا۔ وہی جواب ہماری طرف سے ''اوصیکم بعترتی و اذکرکم اللہ فی اھلبیتی'' کا ہوگا تحقیق مطلب یہ ہے کہ چونکہ آنحضرتؐ کی انجام بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں اور وہ علم نبوت سے جانتے تھے کہ آپ کی امت بجائے آپ کی عترت طاہرہ کو اپنا امام تسلیم کرنے کے ان کے ساتھ کیا سلوک کرنے والی ہے۔ سیوطی نے خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۱۱۹ پر لکھا ہے۔ ''اخرج الحاکم و ابونعیم عن ابن مسعود و الحاکم عن ابی سعید الخدری قال رسولؐ انا اھل البیت اختار اللہ لنا الاخرة علی الدنیا و ان اھلبیتی سیلقون بعدی بلاء و تطریداً و تشریداً'' (کنز العمال جلد۷ صفحہ ۴۸ وصواعق المحرقہ ۱۴۲) یعنی حاکم و ابونعیم نے باسناد ابن مسعود و ابوسعید خدری نے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ ہم اہلبیت کے لیے خداوند عالم نے آخرت کو دنیا کے عوض میں اختیار فرمایا ہے۔ اور میرے اہلبیت میرے بعد بلاو مصیبت اور جلاوطنی وغیرہ مصائب سے دوچار ہونگے' اسی طرح فاضل خفاجی نے نسیم الریاض جلد۳ صفحہ ۴۱۰ پر لکھا ہے۔ ''لانہ علم بالوحی ما یکون بعدہ فی امر الخلافة و الفتن فلذا حرض علی رعایتھم کما اقتضاہ المقام'' یعنی آنحضرتؐ وحی کے ذریعے جانتے تھے کہ ان کے بعد خلافت اور فتنے کے معاملہ میں کیا ہونے والا ہے۔ اس لئے امت کو ان (اہلبیتؑ) کے حقوق کی رعایت کرنے کی ترغیب دلائی'' اسی طرح ان کو یہ بھی باعلام اللہ معلوم تھا کہ ان کے بعد امت قرآن سے کیا سلوک کرنے والی ہے۔ اس لیے سرکار ختمی مرتبتؐ اتمام حجت کے لیے قرآن اور اپنے اہل بیت اطہار کے ساتھ امت کو حسن سلوک کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ لیکن افسوس کہ بایں ہمہ تاکید اکید آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد بلکہ آپ کے آخری لمحات حیات میں ہی ان مصائب کی ابتداء ہوگئی تھی امت نے قرآن وعترت کے

ساتھ جو سلوک کیا وہ کسی فرد بشر پر مخفی و مستور نہیں ہے اسی لیے تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہمارے جد امجدؐ نے جس قدر ہمارے ساتھ حسن سلوک وخوش معاملگی کی امت کو تاکید کی تھی۔ اگر وہ اس کے برخلاف ان کو ہمارے اوپر ظلم وستم ڈھانے کی تاکید کرتے تو امت اس سے زیادہ ظلم و جور نہ کرسکتی جو اس نے ہمارے اوپر کیا ہے۔ ''انا لله و انا الیه راجعون و سیعلم الذین ظلموا ایَّ منقلب ینقلبون''

(باب پنجم) میں قرآن وعترت کے ساتھ امت کے سلوک کی قدرے تفصیل بیان ہوگی۔ فانتظر انشاء اللہ

اہل سنت کی سادات نوازی کا ایک نمونہ؟

واضح ہو کہ مضمون نگارہ فقرہ ''اذکر کم الله فی اهل بیتی'' کی مذکورہ بالا تاویل علیل کرنے کے بعد اپنی سادات نوازی کا راگ آلاپتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔ ''الحمد للہ کہ آنحضور کی اس وصیت پر اہل سنت قائم ہیں۔ جو شخص بھی اپنے آپ کو آنحضور کا رشتہ دار ظاہر کرے یہ لوگ اسی کی تعظیم کرتے ہیں برخلاف شیعہ کے کہ وہ لوگ آنحضور کے اس رشتہ دار کی عزت کرتے ہیں۔ جو شیعہ مذہب رکھتا ہو اور جو سید ہو کر شیعہ مذہب نہیں رکھتا وہ ان کے یہاں کسی قسم کی عزت کا حق دار نہیں ہے۔ پس درحقیقت شیعہ لوگ اپنے مذہب کی عزت کرتے ہیں۔ سید کی کوئی عزت نہیں کرتے۔ سید کی عزت تو یہ ہے جو اہل سنت میں موجود ہے کہ سید کا نام آتے ہی جھک جاتے ہیں۔ چاہے وہ مذہب کے لحاظ سے دہریہ ہی کیوں نہ ہو۔ شیعہ کے تعصب کی انتہا یہ ہے کہ جو سید شیعہ نہیں ہے۔ اس کو سید ہی نہیں جانتے یہاں تک کہ حضرت پیر محبوب سبحانی جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالی کو سید نہیں جانتے'' الخ۔

(یہاں حضرت پیر صاحب کی کچھ مدح سرائی فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرات شیعہ کے ان کو سید نہ سمجھنے کے بزعم خود وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) ''اصل بات یہ ہے کہ حضرت پیر

محبوب سبحانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور عالم تصنیف غنیۃ الطالبین میں ان کے عقائد کی ایک ایک کر کے دھجیاں اڑائی ہیں۔ اور اپنے زمانہ میں شیعہ علماء سے مناظرے کیے تھے اور سخت لاجواب کیا تھا اس واسطے شیعہ لوگ آپ کو برا جانتے ہیں'' (الفاروق مجریہ ۱۵ جون ۵۸ صفحہ ۱۲)

الجواب ومنہ استمد فی المبدأ والمآب

مولوی صاحب کی یہ تقریر سراپا تغریر بچند وجہ باطل ہے۔

(اولاً) اس لیے کہ جن سادات کرام کی تعظیم و تکریم کا تذکرہ مولوی صاحب نے کیا ہے وہ اس حدیث شریف میں داخل ہی نہیں کیونکہ سابقاً حجج و براہین سے مدلل و مبرھن کیا جا چکا ہے۔ کہ حدیث ثقلین میں عترت رسولؐ سے مراد ایک خاص عترت ہے۔ یعنی حضرات آئمہ اہل بیت علیہم السلام اور یہ بھی مبین و محقق کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث شریف بدلالت مطابقی ان بزرگواروں کی خلافت و ولایت پر دلالت کرتی ہے۔ ہاں ان کی محبت و دیگر لوازم تعظیم و تکریم اس سے بدلالت التزامی سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جو حضرات آئمہ دین اور حضرت سید المرسلین کے حقیقی جانشین ہوں گے۔ ان کی تعظیم و تکریم اور ان کی محبت و عزت بہر حال واجب و لازم ہوگی۔ ہاں البتہ عام سادات کا اکرام و احترام بھی لازمی ہے لیکن نہ اس حدیث شریف میں داخل ہونے کی وجہ سے بلکہ اس کے متعلق اور بکثرت احادیث موجود ہیں۔ جیسے ''اکرموا اولادی الصالحین للہ و الطالحین لی'' یعنی میری اولاد کا اکرام کرنا اگر نیک ہوں تو خدا کیلئے اور اگر برے ہوں تو میری وجہ سے یا جیسے ''من احقرھم فھو ملعون اذھب اللہ عنہ السمع و البصر'' جو شخص سادات کو حقیر سمجھے وہ لعنتی ہے۔ خداوند عالم اس کی (باطنی) قوت سماعت و بصارت کو کھو دیتا ہے یا جیسے ''اربعۃ انا شفیع لھم یوم القیامۃ و لو اتوا بذنوب اھل الارض جمیعاً المکرم لذریتی والقاضی لحوائجھم والساعی فی حوائجھم والمحب لھم بقلبہ ولسانہ'' چار شخص ایسے ہیں جن کی میں

یامت کے دن ضرور سفارش کروں گا اگر چہ وہ تمام لوگوں کے برابر گناہ لے کر آئیں۔ ایک
ہ جو میری اولاد کی تعظیم وتکریم کرے گا۔ دوسرا وہ جوان کی حاجت برآری کرے گا تیسرا وہ جو
ان کی حاجت برآری کی کوشش کرے گا۔ چوتھا وہ جو دل وزبان سے ان سے محبت کرے گا''۔
(از رسالہ فضائل سادات وغیرہ)

(ثانیاً) ملا صاحب تو شیعہ حضرات کو اولاد رسول کے اکرام میں مقصر ٹھہرا کر انہیں
مورد طعن وتشنیع قرار دیتے ہوئے اپنے ابنائے مذہب کو مستحق صد تحسین وآفرین ثابت کرنے
کی سعی میں مشغول تھے۔ لیکن خدا کی شان کہ شیعوں کی ضد میں خود افراط کا شکار ہو کر قرآن
شریف کی نص صریح کی مخالفت کے سبب سے مستوجب ہزار نفرین بن گئے۔ اس اجمال کی
تفصیل یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید میں حضرت نوحؑ اور ان کے بیٹے کا قصہ
نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب پسر نوحؑ بسبب کفر وشرک طوفان
میں غرق ہونے لگا تو حضرت نوحؑ نے بارگاہ ایزدی میں یوں التجا کی ''رب ان ابنی من
اھلی الخ'' بار الہا! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ اور تیرا وعدہ سچا ہے (کہ تو نے
میرے اہل کو نجات دینے کا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا) خداوند عالم نے کس تہدید آمیز لہجہ میں
جواب دیا۔ ''انه لیس من اھلک انه عمل غیر صالح فلا تسئلن ما لیس لک به
علم انی اعظک ان تکون من الجاھلین'' (اے نوح! کیا کہتے ہو) وہ تمہارے اہل
سے نہیں وہ تو عمل غیر صالح بجا لاتا ہے۔ خبردار جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کا سوال نہ کیا
کرو۔ ورنہ جاہلوں میں سے ہو جاؤ گے'' الخ قرآن کے اس واقعہ حقہ نے واضح کر دیا کہ جو
بیٹا اپنے باپ کا مذہب حق چھوڑ کر کسی اور مذہب کو اختیار کرے خصوصاً جبکہ اس ناخلف بیٹے کا
باپ صاحب شریعت نبی ہو اور یہ ناخلف اس کی شریعت مقدسہ کو خیر باد کہہ کر کسی اور حزب
باطل میں داخل ہو جائے۔ تو اس صورت میں عند اللہ اس کا سلسلہ نسب منقطع ہو جاتا ہے اور

وہ شرعی نقطہ نگاہ سے کسی تعظیم و تکریم کا حق دار نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کہ اگر کسی مسلمان آدمی کا بیٹا کافر ہو جائے تو وہ اپنے باپ کی وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ بنابریں جو شخص بزعم خود سیادت کا مدعی ہو لیکن دین اسلام کو چھوڑ کر اپنے کو دہریت کی تنگ وادی میں یا مسیحت و یہودیت کے چاہ ضلالت میں ڈال دے تو کیا اس کا سلسلہ نسب باقی رہ سکتا ہے؟ اور کیا اب بھی وہ کسی ایسے اکرام و احترام کا مستحق رہتا ہے۔ جو پیغمبر اسلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہم پر عائد تھا؟ لا واللہ ہرگز نہیں بلکہ ایسے اشخاص کا احترام واکرام قرآن کریم کی صریح مخالفت اور باطل کی حمایت ہے جس کا ارتکاب کرنے والا بجائے ثواب کے الٹا عقاب کا مستوجب ہوتا ہے۔ اس لیے حضرات شیعہ خیر البریہ ایسے نام نہاد سادات کی ہرگز کسی قسم کی تعظیم و تکریم نہیں کرتے۔ جو مذہب اسلام کو ترک کر کے کفر و الحاد کا ٹیکہ اپنے ماتھے پر لگا چکے ہیں۔ ان کا یہ شعار موازین شرعیہ کے عین مطابق ہے کیونکہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں کسی کافر مشرک کی عزت واحترام کا کوئی قانون اور جواز موجود نہیں ہے ''کائناً من کان ان العزۃ للہ ھو و لرسولہ و للمومنین و لکن المنافقین لا یعلمون'' عزت تو بس خداوند کے لیے ہے اس کے رسول کیلئے ہے اور مومنین کے لیے لیکن منافق اس حقیقت کو کیا سمجھیں؟ (ثالث) ان کا یہ کہنا ''کہ شیعہ کے تعصب کی یہ حالت ہے کہ جو سید شیعہ نہ ہو اس کو سید نہیں جانتے'' یہ حضرات شیعہ خیر البریہ پر بہتان عظیم و افتراء جسیم ہے کیونکہ ہمارے اکثر علمائے اعلام کثرھم اللہ فی الاسلام فرق و مذاہب اسلام میں سے ہر فرقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے سادات کرام کو واجب الاحترام سمجھتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا سنی۔ بریلوی ہوں یا دیوبندی، نقشبندی ہوں یا سہروردی غرضیکہ تمام مسلمان سادات کو واجب الاکرام جانتے ہیں۔ جیسا کہ مفسرین کی تفسیریں اور محدثین کی کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں ہے۔ ع

انجا کہ عیاں است چہ حاجت بیاں است؟

ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ مضمون نگار کا یہ کہنا کہ شیعہ آنحضورؐ کے اس رشتہ دار کی عزت کرتے ہیں۔ جو شیعہ مذہب رکھتا ہو۔ الخ۔ اور جو سید شیعہ نہ ہو اسکو سید نہیں سمجھتے ''کذب صریح و افتراء قبیح ہے جس کا ارتکاب کرنے والے کے حق میں ہم سوائے آیہ معلومہ کی تلاوت کرنے کے اپنی طرف سے کچھ عرض نہیں کرتے۔

ع انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

البتہ ہمارے بعض علمائے کرام کا یہی نظریہ ہے جو ملا صاحب نے بیان کیا ہے۔ لیکن کسی مذہب کے بعض علماء کے نظریہ کو پورے مذہب کا نظریہ قرار دینا کس عقل و شریعت اور کس دین و دیانت کی رو سے جائز ہے؟ کیا علمائے اہلسنت کے درمیان باہمی اختلاف نظریات موجود نہیں ہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو جب تک وہ کسی نظریہ پر اجماع و اتفاق نہ کرلیں۔ ہم اگر فقط بعض کے نظریہ کو پورے مذہب اہل سنت کا نظریہ قرار دے دیں تو کیا ایک منصف مزاج انسان اس کو بے انصافی نہیں قرار دے گا؟ یہ بعض علمائے شیعہ بھی جو اس نظریہ کے قائل ہیں۔ محض تعصب و عناد کی بنا پر اس کے قائل نہیں۔ (جیسا کہ ملا صاحب نے خیال ظاہر فرمایا ہے) بلکہ بکثرت دلائل و براہین کی روشنی میں انہوں نے یہ رائے اختیار کی ہے۔ اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں کہ ان کے حجج و براہین کو یہاں پیش کیا جائے فقط ان کی ایک اجمالی دلیل جو چند مختصر مقدمات پر مبنی ہے۔ یہاں نقل کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں (الف) کہ دلائل و براہین سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام شیخین اور ان کے اتباع و اذناب کی خلافت کو ایک غاصبانہ اور جابرانہ خلافت سمجھتے تھے یعنی ان کو ظالم اور اپنے تئیں مظلوم، ان کو غاصب اور اپنے آپ کو مغصوب جانتے تھے۔ (ب) یہ امر بھی پایۂ

دور میں آنجناب نے کسی جنگ میں شرکت نہیں کی۔ اور (د) یہ بھی واضح ہے کہ ہر نزاع میں
آنجناب ہی حق بجانب تھے۔ بمطابق ارشاد مخبر صادقؐ "علی مع الحق، والحق مع
علی" ان حقائق کی بنا پر عقلائے روزگار کے نزدیک کسی کا حقیقی فرزند وہ شمار کیا جاتا ہے۔
جو اپنے برحق باپ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے۔ لیکن جو
ناخلف ایسا نہ کرے بلکہ اپنے برحق باپ کے اعداء سے کھلم کھلا دوستی اور ارتباط قائم کرکے عملاً
پنے باپ کی دشمنی کا ثبوت اور اس کے غلط ہونے اور اس کے دشمنوں کی حقانیت کا ثبوت بہم
پہنچانے اور اس کا خاتمہ بھی اس عقیدہ فاسدہ پر ہو۔ ان حالات میں ہر عقل سلیم وطبع مستقیم
کھنے والا آدمی یہ کہنے پر مجبور ہوگا۔ کہ ایسے آدمی کے سلسلہ نسب میں کہیں ضرور کوئی خلل واقع
ا ہے۔ جیسا کہ مخبر صادقؐ نے خبر دی ہے۔ "یا علی لا یبغضک الا احد من الثلاثه اما
ہ فاعلة او جملة فی الحیض و اما منافق" یا علی تیرا دشمن تین میں سے ایک ہے حرام
دہ ہے، ولد الحیض ہے یا پھر منافق ہے (ینابیع المودة۔ ارجح المطالب وغیرہ) بنابریں
بقت اگر کسی صحیح النسب سید کی طرف اس قسم کی کوئی نسبت دی جائے تو اس کو کذب وافترا
طومار شمار کیا جائیگا۔ اور بنابر صحت اس کا انجام بخیر ہونے کی تاویل کی جائے گی بوجہ اس کے
ب ہونے کے انشاء اللہ۔ میں ایسے سادات کی خدمت میں جو اپنی جدہ ماجدہ صدیقہ کبریٰ
رت فاطمہ زہراؑ سلام اللہ علیہا کے ظالمین سے انتہائی اخلاص وعقیدت رکھتے ہیں۔ فقط
رجہ ذیل شعر پڑھ کر ان سے التماس کروں گا کہ وہ اپنے دعوے پر نظر ثانی فرمائیں۔

تموت البتولُ غضبیٰ و ترضی
اھکذا یصنع البنون الکرام

تمہاری جدہ ماجدہ معصومہ کبریٰ حضرت بتول عذرا جن لوگوں پر غضبناک ہوکر

صاعقہ آسمانی در عدم سیادت پیر گیلانی

مضمون نگار نے ہمیں مورد طعن قرار دیتے ہوئے حضرت پیران پیر صاحب کو سیادت کی سند بھی خوب عنایت فرمائی ہے اگر ان میں فطانت و ذہانت ہوتی تو اپنے پیر و مرشد کا نام ہی درمیان میں نہ لاتے اور ہماری توجہ خواہ مخواہ اس کی طرف مبذول نہ کراتے لیکن سچ ہے ''جب سانپ کی موت آجاتی ہے۔تو وہ راستہ پر آکر لیٹ جاتا ہے۔اب جب کہ انہوں نے اس کا ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو ہم بھی مجبوراً اپنے عنان بیان کو چند لمحوں کیلئے ان کی طرف پھیرتے ہیں۔تا کہ حقیقت بے نقاب ہو کر قارئین کرام کے سامنے آجائے اور ملا صاحب کی تشنیع کا بے محل ہونا ظاہر و باہر ہو جائے۔

واضح ہو کہ شیخ عبدالقادر صاحب گیلانی حنبلی المذہب تھے جیسا کہ کتاب خزینہ الصوفیاء، جلد ۱ صفحہ ۹۴ پر مرقوم ہے'' کہ آپ حنبلی تھے'' اسی طرح قلائد الجواہر صفحہ ۹۳ پر مرقوم ہے'' کہ امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں اور علامہ عمر ابن حاجب نے کتاب معجم میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر گیلانی حنبلی المذہب تھے، لہذا حنفیوں کو اور ان کے امام اعظم کو گمراہ فرقوں میں شمار کیا ہے۔چنانچہ حدیث ستفترق امتی کے ذیل میں بہتر غیر ناجی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے مرجئہ کو بھی ان میں داخل کیا ہے اور پھر ''مرجئہ'' کو بارہ گروہوں پر منقسم کرتے ہوئے حنفیوں کو انہی میں سے ایک فرقہ قرار دیا ہے۔چنانچہ وہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین صفحہ ۲۰۸ مطبوع لاہور پر لکھتے ہیں۔'' اما الحنفية هم اصحاب ابى حنيفه النعمان ابن ثابت زعموان الايمان هو المعرفة والا قرار بالله و رسوله و بما جاء من عنده جملة على ما ذكره البرهوتى فى كتاب الشجره'' فرقہ حنفیہ نعمان بن ثابت کے ماننے والے ہیں۔ ان کا یہ گمان ہے کہ ایمان صرف خدا اور رسولؐ کے پہچاننے اور جو کچھ رسول خدا کی طرف سے

ہے" (یعنی وہ ایمان میں فقط معرفت قلبی اور اقرار لسانی کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل کو اس میں
دخیل نہیں سمجھتے) کچھ آگے چل کر جہاں "مرجۃ" کے بارہ فرقوں کا تذکرہ ختم کیا ہے، لکھتے
ہیں۔"ھذا ما یتعلق بالاعتقاد و الاصول علی وجہ الاشارہ و الاختصار و انما
لم نشر الی ابطال کل مذھب من مذاھب ھذہ الفرق الضالۃ خوفا من اطالۃ
الکتاب و انما اوردنا مقالاتھم مجردۃ للتحذیر منھا اعذانا اللہ و ایاکم من شر
ھذہ المذاھب و اھلھا و اماتنا علی الاسلام و السنۃ فی الفرقۃ الناجیۃ
برحمتہ" یعنی ان بارہ فرقوں کے مذہب واعتقاد کا حال (جن میں ابوحنیفہ اور اس کا فرقہ بھی
داخل ہے) ہم نے گمراہ مذاہب میں سے ہر مذہب کا طوالت کتاب کے خوف سے ابطال
نہیں کیا۔ فقط ان کے مقالات اور نظریات ان مذاہب باطلہ سے ڈرانے کے لئے ذکر
کردیے ہیں۔ خدا ہمیں اور تمہیں ان مذاہب اور ان مذاہب والوں کے شر سے پناہ دے اور
اپنی رحمت سے فرقہ ناجیہ میں رکھ کر کتاب وسنت پر خاتمہ فرمائے" اس عبارت کو بغور پڑھئے
دیکھئے کس وضاحت وصراحت سے حنفی حضرات کو گمراہ بلکہ خارج از اسلام فرقہ قرار دیا ہے۔
افسوس کہ یہ لوگ ان تمام باتوں سے بے خبر ہونے کی وجہ سے انہیں مجدد بلکہ نبیوں سے بھی
زیادہ درجہ دے رہے ہیں۔ اور بڑے ٹھاٹھ سے ان کے نام کی نذریں نیازیں اور گیارہویں
شریف دلاتے ہیں۔ اگر بقول ملا صاحب انہوں نے "شیعوں کی خوب تردید کی ہے"۔ تو
کاش کم ازکم حنفیوں کی تو تائید کردی ہوتی لیکن اگر ہماری تردید کی ہے تو آپ کو تو سرے سے
اسلام ہی سے خارج کردیا ہے۔ شرم شرم ملا صاحب دوسرے لوگوں کو ان کی کتاب کا مطالعہ
کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ کاش پہلے خود اس کا مطالعہ فرمالیا ہوتا اگر بایں ہمہ اب بھی
حنفی حضرات ان کو اپنا پیرومرشد سمجھتے رہیں۔ تو یہ ان کی انتہائی سادگی وکمزوری ہے بہرحال
حضرت پیر سبحانی جو کچھ بھی ہوں۔ ولی ہوں قطب ہوں، غوث ہوں، مجدد ہوں بہرکیف تحقیق

وتدقیق کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ سید نہیں ہیں۔ وذالک لوجوہ (۱) ارباب علم نسب نے ایک قاعدہ کلیہ مقرر کیا ہے کہ کسی کے نسب ثابت کرنے کے لیے شہرت بلدی کی ضرورت ہے۔ یعنی جہاں کوئی ''ابا عن جد'' رہتا چلا آیا ہو وہاں کے سب چھوٹے بڑے لوگ بظاہر عموماً اس کی سیادت کے قائل ہوں بیشک۔ باطن اور حقیقت کا علم تو ''علیم بذات الصدور'' جل جلالہ ہی کو ہے۔ مگر اس عالم میں باہمی تعلقات کے قیام کے سلسلہ میں یہی قاعدہ جاری و ساری ہے۔ لیکن حضرت پیر صاحب اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ ایران و عراق، حجاز و مصر میں عام رسم ہے کہ سادات کو ''سید'' یا ''شریف'' اور ''غیر سید'' کو ''شیخ'' کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر حضرت پیر صاحب سید ہوتے تو ان کو ''سید'' یا شریف کے ساتھ یاد کیا جاتا لیکن ان کو آج تک ''شیخ عبدالقادر'' کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ حتی کہ خود مضمون نگار صاحب نے بھی ان کو ''حضرت پیر محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی'' لکھا ہے۔ سچ ہے۔ ''الحق یجری علی اللسان'' اگر یہ کہا جائے کہ ان کو بحیثیت ایک بزرگ ہونے کے شیخ کہا جاتا ہے۔ تو یہ بچند وجہ باطل ہے۔

(اولاً) جو بزرگی لفظ ''سید'' سے سمجھی جاتی ہے اس کا سواں حصہ بھی لفظ ''شیخ'' سے نہیں سمجھا جاتا لہٰذا اس لفظ کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرنا زبردست غلطی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی سید اپنے کو کبھی ''شیخ'' کہلانے پر رضامند نہیں ہوتا۔

(ثانیاً) یہ ایک کمزور تاویل ہے۔ جو ایسے شخص کے متعلق کی جاسکتی ہے۔ جس کا سید ہونا یقینی طور پر معلوم ہو اور پھر اسے ''شیخ'' کے لقب سے یاد کیا جائے۔ اس صورت میں ممکن ہے ایسی کوئی تاویل کی جاسکے لیکن جس کی سیادت علماء کے درمیان محل نزاع ہو اس کے متعلق ایسی تاویل کرنا دور از عقل و دانش ہے۔

(ثالثاً) قاعدہ ہے کہ جب کسی لفظ کے ایک حقیقی اور دوسری مجازمعنی ہوں۔ تو جب

تک معنی مجازی کے متعلق کوئی قرینہ قطعیہ موجود نہ ہو اسے حقیقی معنی پر ہی حمل کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لفظ ''شیخ'' کے عرف مسلمین میں حقیقی معنی ''غیر سید'' کے ہیں لہذا جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل قطعی قائم نہ ہو اس سے یہی معنی مراد لیے جائیں گے۔ واضح ہے کہ حضرت پیر صاحب کی سیادت پر کوئی مستقل دلیل قائم نہیں ہوئی بلکہ ان کی عدم سیادت پر ادلہ قطعیہ قائم ہیں۔ جیسا کہ ابھی ظاہر ہو جائیگا ایسی صورت میں کس طرح لفظ ''شیخ'' سے ''سید'' مراد لے سکتے ہیں؟ (۲) علم نسب کے جمہور علماء محققین اہلسنت کے آئمہ مدققین نے جناب شیخ صاحب موصوف کی سیادت کا انکار کیا ہے۔ اور کتب معتبرہ نسب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب نے بذات خود بھی کبھی دعوائے سیادت نہیں کیا تھا چنانچہ شیخ احمد بن علی اپنی کتاب عمدۃ الطالب طبع بمبئی صفحہ ۱۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ''وقد نسبوا الی عبدالله ابن یحی بن محمد بن الرونیته المذکور الشیخ الجلیل محی الدین عبدالقادر الجیلانی فقالوا ھو عبدالقادر بن محمد جنگی دوست بن عبدالله المذکور و لم یدع الشیخ عبدالقادر ھذا النسب ولا احد من اولاده و ان اول من ابتدء ولد ولده القاضی ابو صالح نصر ابن ابی بکر بن عبدالقادر و لم یقم علیها بینة ولا عرفها له احد علی ان عبدالله ابن محمد بن یحی رجل حجازی لم یخرج عن الحجاز و ھذا الاسم اعنی جنگی دوست اعجمی صریح کما تراه و مع ذلک کله فلا طریق الی اثبات ھذا النسب الا بالبینة الصریحة لعادلة و قد اعجزت القاضی اباصالح و اقربها عدم موافقة جده عبدالقادر اولاده له'' یعنی لوگوں نے عبداللہ ابن محمد رومیہ کی طرف شیخ جلیل محی الدین عبدالقادر جیلانی کو منسوب کیا ہے اور کہتے ہیں۔ کہ عبدالقادر بن محمد جنگی دوست بن عبداللہ مذکور (اس سلسلہ نسب کو جناب حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام تک منتہی کرتے ہیں) مگر خود شیخ

عبدالقادر نے کبھی اس نسب کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی ان کی اولاد میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ پہلے پہل ان کے پوتے قاضی ابوصالح نصر ابن ابوبکر ابن عبدالقادر نے اس کا دعویٰ کیا لیکن وہ اپنے اس دعویٰ پر کوئی بینہ و برہان قائم نہ کرسکا اور نہ ہی کسی نے اس کے اس دعویٰ سے واقفیت ظاہر کی علاوہ بریں (درایۃً بھی یہ دعویٰ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ) عبداللہ ابن محمد ابن یحیٰ حجاز کا باشندہ ہے۔ جو ملک حجاز سے کبھی باہر نہیں گیا اور یہ نام یعنی "جنگی دوست" صریحاً عجمی (غیر عربی) نام ہے۔ بہر حال یہ سلسلہ نسب ثابت نہیں ہوسکتا مگر بینہ عادلہ سے جو قاضی ابوصالح پیش نہ کرسکے نیز اس سلسلے میں شیخ عبدلقادر کی اپنی اولاد کے ساتھ موافقت بھی ثابت نہیں ہے"

کتاب شجرۃ الاولیاء میں علامہ سید احمد ابن محمد الحسینی نسابہ رقمطراز ہیں۔ (علی ما نقل عنہ العلامۃ الحائریؒ فی بعض رسائلہ) "اعلم ان معتقد بعض الناس ان عبدالقادر الجیلانی الذی مدفنہ ببغداد والعامۃ یزعمونہ صاحب مقامات و کرامات منجملۃ الواصلین الی الحق واشتہر عندھم بعلم الشرق قد کان من جملۃ اولاد محمد ابن داؤود ابن موسی ابن عبداللہ ابن الجون ابن عبداللہ ابن الحسن بن علی ابن ابیطالب مستدلاً علی ذلک بیت شعر یرویہ عنہ رجل نصرانی و مضمون ذلک البیت" انا من ولدا لحسنین، و قد انکرہ جمھور علماء الانساب و قالو الم یصح عن احد النقل بکون الرجل من جملۃ السادات بل قال بعضھم ان الرجل نفسہ ایضالم یدع ذلک و لا ادعی بالبینۃ الیہ احد غیرھمدۃ حیوتہ و ان اول من اظھر ھذہ الدعوی الباطلۃ ھو نصر ابن ابی بکر بن شیخ عبدالقادر المذکور "یعنی جاننا چاہیے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبدالقادر جیلانی جو بغداد میں مدفون ہیں۔ اور عوام ان کو صاحب مقامات و کرامات بلکہ

"وصل باللہ" گمان کرتے ہیں۔ اور ان کے درمیان "علم الشرق" کے لقب سے مشہور ہیں۔

سید محمد ابن داؤد ابن موسیٰ ارلخ ... کی اولاد میں سے تھے وہ اس پر ایک شعر کے ساتھ استدلال کرتے ہیں۔ جو ایک نصرانی نے ان سے روایت کیا ہے۔ اس شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ ۔میں (عبدالقادر) حسن وحسین (علیہم السلام) کی اولاد سے ہوں لیکن جمہور علمائے انساب نے اس نسب کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ کسی عالم سے بھی صحیح طور پر اس کا سید ہونا منقول نہیں ہے۔ بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس شخص نے بذات خود بھی کبھی اپنی سیادت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور نہ اس کے حین حیات میں کسی اور نے ان کی نسبت یہ دعویٰ کیا۔ بلکہ پہلا شخص جس نے یہ باطل دعویٰ کیا وہ نصر ابن ابی بکر بن شیخ عبدالقادر مذکور ہے" اس کلام حقیقت ترجمان سے چند امور واضح ہو گئے (۱) شیخ عبدالقادر کی سیادت کا فقط بعض لوگوں کا عقیدہ ہے ورنہ اکثر ان کو سید نہیں سمجھتے۔ (۲) فقط عامہ نے ان کے صاحب کرامات ہونے کا گمان کیا ہے۔ خواص اس کو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ (۳) جو بعض لوگ اس کو سید سمجھتے ہیں۔ وہ صرف ایک ایسے شعر کی بنا پر جس کا راوی ایک نصرانی ہے۔ جس کی روایت مسلمانوں کے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ وہ تنہا ہو (۴) تمام علمائے انساب نے ان کی سیادت کا انکار کیا ہے (۵) خود شیخ عبدالقادر جیلانی نے اور ان کی زندگی میں کسی اور شخص نے ان کو سید ہونے کا ادعا نہیں کیا ہے۔ (۶) سب سے پہلے ان کا پوتا نصر بن ابی بکر سیادت کا مدعی ہوا۔ اور بغیر بینہ و برہان سید بن بیٹھا۔

رسالہ صوفی نمبر ۳ جلد ۳ صفحہ ۶ (جو بزیر سرپرستی جناب خواجہ حسن نظامی منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات سے شائع ہوتا تھا) پر پیران طریقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "سوم پیر طریقت حضرت خواجہ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ ولدیت آپ کی قدم بقدم حضرت نبی کی ہے (اس جملہ کا صحیح مفہوم سمجھنے سے ہم قاصر ہیں احقر) سلسلہ نسب آپ کا حضرت عمر

فاروق تک پہنچتا ہے"۔ لیجئے اب تو راز بالکل فاش ہو گیا اور حقیقت منکشف ہوئی کہ آپ نسل فاروق سے تعلق رکھتے ہیں نہ سادات نبی فاطمہ سے لہٰذا

چہ نسبت خاک را بعالم پاک؟

جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ اس امر کے تعلق انہی چار شہادتوں پر اکتفاء کی جاتی ہے۔ کیونکہ چار معتبر گواہوں کی شہادت کے بعد کسی چیز کے اثبات میں شرعاً کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

(نوٹ) یہ تو آپ کی پدری نسب نامہ تھا۔ اب ذرا مادری نسب نامہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ کتاب اقتباس الانوار صفحہ ۲۷ پر مرقوم ہے۔ کہ "شیخ عبدالقادر جیلانی کی مادر گرامی کا نام ام الخیر فاطمہ تھا" یہ ابی عبداللہ صومعی کی بیٹی تھی۔ ابی عبداللہ قصبہ جیلان کا باشندہ تھا۔ جو طبرستان کے قریب ایران میں واقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ ممدوح کو جیلانی یا گیلانی کہا جاتا ہے" ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ حضرت پیر صاحب پدر و مادری دونوں طرف سے سید نہیں ہیں۔ ان کو سید کہنا مدعی ست و گواہ چست والا معاملہ ہے۔

خوشتر آں باشد کہ دلبران

گفتہ آید در حدیث دیگراں

(۳) ان تمام امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر فقط پیر صاحب کی "مشہور عالم تصنیف غنیۃ الطالبین" کی ایک اجمالی سیر کی جائے تو اس سے آپ کی عدم سیادت کے متعلق کافی مواد مل جاتا ہے۔ بھلا جو شخص یوم عاشورا کو جس میں ملائکہ نے صف ماتم بچھائی۔ آسمان نے اپنی حمرۃ المغرب سے اپنے حزن و ملال کا اظہار کیا۔ ہر شجر و حجر سے خون نمودار ہوا خود سرور کائناتؐ نے اپنے سر و ریش مبارک میں خاک ڈالی۔ تمام عوالم امکانیہ کی مخلوقات نے مختلف عنوانات سے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مصائب و آلام پر اپنے رنج و الم اور

حزن و ملال کا اظہار کیا۔ (صواعق محرقہ اور سر الشہادتین وغیرہ ملاحظہ فرمائیں) فقط معمولی بہجت و مسرت کا دن ہی نہیں بلکہ عید قربان اور عید ماہ رمضان کی طرح عید قرار دے کر اس میں لباس فاخرہ زیب تن کرنے، آنکھوں میں سرمہ و کاجل لگانے اور غسل مسرت کرنے اور اپنے اہل و عیال پر اشیاء اکل و شرب کا توسعہ دینے کو بہترین عبادت قرار دے۔

آیا ایسے دشمن خاندان رسول کو کوئی مسلمان بھولے سے بھی سید کہہ سکتا ہے؟ حاشا و کلا اگر کسی کو ان امور کی صحت میں شک ہو تو کتاب غنیۃ الطالبین مطبوعہ لاہور صفحہ ۵۷۹ ملاحظہ کرے۔ جہاں لکھا ہے۔ "من اغتسل یوم عاشورا لم یمرض مرضاً الا مرض الموت" جو شخص عاشورا کے دن غسل کرے سوائے مرض الموت کے اور کسی مرض میں مبتلا نہیں ہوگا۔ اسی صفحہ پر رقمطراز ہیں۔ "و من اکتحل بالا ثمد یوم عاشورا لم ترمد عنیہ تلک السنہ کلھا" جو شخص عاشورا کے دن اپنی آنکھوں میں سرمہ لگائے تو اس کی آنکھیں تمام سال نہیں دکھیں گی۔ پھر وہ صفحہ ۵۸۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "فصوموا و وسعوافیہ علی عیالکم و من وسع علی عیالہ من مالہ فی یوم عاشورا وسع اللہ علیہ سائر سنتہ" (اپنے مریدوں سے خطاب کرتے ہیں) تم اس دن روزہ رکھو (یہ وہی صوم مسرت ہے۔ جو بنی امیہ نے قتل حسین کی خوشی میں اس دن رکھا تھا) اور اس میں اپنے اہل و عیال پر وسعت دو کیونکہ جو شخص روز عاشورا اپنے مال میں سے اہل و عیال پر وسعت دے گا تو خداوند عالم اسے تمام سال وسعت عطا کریگا"۔ اس کے بعد عاشورا کو یوم حزن و ملال قرار دینے والوں پر یوں برستے ہیں "و ھذا القائل مخطئی و مذھبہ قبیح فاسد الخ" یعنی ایسا کہنے والا آدمی خطا کار ہے۔ اور اس کا مذہب قبیح و فاسد ہے" لکھتے لکھتے نوبت بایں جا رسید کہ لکھتے ہیں "ولان یتخذ یوم عاشورا یوم مصیبۃ لیس باولی من ان یتخذ یوم فرح و سرور لما قد مناذکرہ و فضلہ" عاشورا کو یوم مصیبت قرار دینا اس

سے بہتر نہیں کہ اس کو یوم فرح و سرور قرار دیا جائے ان فضائل کی بنا پر جو ہم نے اوپر ذکر کردیئے ہیں" الخ ۔۔ آگے چل کر صفحہ ۵۸۷ پر اس بحث کا بایں الفاظ خاتمہ کرتے ہیں "فصار یوم عاشور بمثابة بقية الايام الشريفة كالعيدين والجمعة و عرفة و غيرها" خلاصہ کلام یہ کہ یوم عاشورا باقی ایام شریفہ جیسے عیدین (عید قربان و عید الفطر) اور عید جمعہ و عرفہ وغیرہ کی طرح ایک عید ہے" (یعنی جو مراسم مسرت و شادمانی ان میں ادا کئے جاتے ہیں۔ وہی روز عاشورا میں بجالانا چاہیں) یہ ہے اس کے کلام خارجیت انتظام کا نمونہ مشتے از خروارے اس کو ملاحظہ کرنے کے بعد بلاتفریق مذہب ہر باانصاف اور پہلو میں قلب حساس رکھنے والا انسان بآسانی اندازہ کرسکتا ہے۔ کہ ایسے شخص کو سیادت سے کہاں تک تعلق ہوسکتا ہے؟

آپ ہی اپنی جفاؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کیا ایسے شخص مجدد زمان اور لاکھوں کفار کے مسلمان کنندگان ہوتے ہیں؟ (معاذ اللہ) اگر ایسے ہی لوگ مجدد اسلام ہوں تو "فعلی الاسلام السلام" ہمارے ملا صاحب کہتے ہیں۔ کہ "حضرت پیر صاحب" نے اپنی مشہور عالم تصنیف غنیۃ الطالبین میں مذہب شیعہ کی خوب تردید فرمائی ہے" اے کاش کہ ان کے سنان قلم کے زخم فقط ہم تک ہی محدود رہتے۔ یوم عاشورا کو عید قرار دیتے ہوئے بنی امیہ کی یاد تازہ کر کے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے زخموں پر نمک نہ چھڑکتے کیونکہ حسینؑ فقط شیعوں کے حسینؑ نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے بلکہ کائنات کے تمام شریف انسانوں کے حسینؑ ہیں۔ کیونکہ ان کی شہادت نہ صرف پورے دین اسلام کے تحفظ و بقا کی خاطر تھی۔ ع

حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

بلکہ پورے عالم انسانیت کو ابدی ہلاکت و بربادی سے بچانے کے لئے تھی۔

انسانیت کے نام پہ کیا کر گئے حسین
ہر دور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو

بحر حال اس بات کو تازیانہ عبرت سمجھنا چاہیئے کہ جو شخص شیعوں کی مخالفت پر تل جاتا ہے آخر کار ان کی ضد میں اسلام کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ غالباً یہی وجوہ تھے جن کی بنا پر مولوی ابو المنصور نے انہیں اپنی کتاب ''انکشاف'' پر بت پرست اور یہود کا چودھری لکھا ہے۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ دین اپنا چھوڑ کر
ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلمان ہوگیا

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اس نے یوم عاشورا کے متعلق لکھا ہے یہ بعض احادیث موضوعہ و مکذوبہ کی بنا پر ہے جنہیں خود علمائے اہل سنت نے دشمنان اہل بیت علیہم السلام کے دستِ جعل و وضع کا نتیجہ قرار دیا ہے ان ملاعین نے یہ روایات اس لیے وضع کی تھیں تا کہ یوم عاشورا کو روز عید قرار دیکر بنی امیہ کی سنت کو دوبارہ زندہ کریں[1] چنانچہ ''مجلّہ ذخیرہ اسلامیہ کے

---

[1] جیسا کہ مقریزی نے اپنی کتاب خطط ج ۲ ص ۳۸۵ پر ان امور کی تصریح کی ہے کہ پادشاہان فاطمیہ (شاہان مصر) کے متعلق یہ لکھنے کے بعد کہ وہ یوم عاشورا کو یوم حزن و ملال قرار دیتے تھے اس میں بازار بند کردیے جاتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ بعد ازاں ملوک بنی ایوب کا تذکرہ کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ وہ بنی امیہ اور اہل شام کی طرح اس دن کو مسرت و شادمانی کا دن قرار دیتے تھے، حلویات سے کام و دھن کی تواضع کیا کرتے تھے۔ اور از قسم لباس فاخرہ اور اکل و شرب اپنے اہل و عیال پر توسعہ دینے کے مراسم مسرت ادا کرتے تھے (منہ عفی عنہ)

مدد اول جلد اول میں احمد ابن محمد سورتی الانصاری السودانی زیر عنوانی ''باب الاحادیث الواهیہ'' لکھتے ہیں۔ 'الخبر الحادی و العشرون حدیث من وسع علی عیاله یوم عاشورا و سع الله علیه فی سنته کلها و هذا الحدیث لا یصح فقد تفرد به ابن شداخ و هو ساقط بالاتفاق و قال ابن رجب فی هذا الحدیث لا یصح اسناده و ورده ابن الجوزی فی الموضوعات و لم یثبت فی یوم عاشورا شئی الا الصوم و اما ما یروی فیه من الاکتحال و التطیب و اظهار الزینته و التوسعه و نحو ذلک کما یفعل فی الاعیاد فمن وضع الخوارج کانو یفعلون ذلک فی مقابلة ما یتظاهر به الرافضة من اظهار الحزن و النحیب''

(نقل عنه الفاضل العاملی فی کتابه اقناع اللائم)

یعنی ضعیف حدیثوں میں سے اکیسویں حدیث یہ ہے کہ جو شخص عاشورا کے دن اپنے عیال پر وسعت دیگا۔ خدا تمام سال اس کو وسعت عطا فرمائیگا۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اسے بیان کرنے میں ابن شداخ متفرد ہے۔ جو بالاتفاق درجہ اعتبار و اعتماد سے ساقط ہے۔ ابن رجب نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اس کا اسناد صحیح نہیں ہے اور ابن جوزی نے اسے اپنی کتاب موضوعات میں درج کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاشورا کے فضائل کے متعلق سوائے روزہ کے اور کچھ ثابت نہیں ہے۔ اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں سرمہ اور خوشبو لگانی چاہیئے اور اظہار زینت اور اکل و شرب میں وسعت دینی چاہیئے جیسا کہ عیدوں میں کیا جاتا ہے۔ تو یہ خوارج کی گھڑی ہوئی احادیث میں سے ہے۔ وہ رافضیوں کے مظاہرات حزن و ملال اور گریہ و بکاء کے مقابلہ میں ایسی روایات اختراع کرتے تھے۔ تاکہ لوگ بجائے اظہار حزن و ملال کے اسے مسرت و شادمانی کا دن قرار دیں'' الخ الغرض اگر اس

نے اس کی تکمیل و تتمیم کر کے اپنی خارجیت و ناصبیت کو بالکل الم نشرح اور طشت از بام کر دیا ہے۔ ان حقائق کی بنا پر اگر ہمارے ملا صاحب ان کو بجائے ''مجدد الاسلام'' لکھنے کے مجدد دین بنی امیہ' لکھتے تو کوئی بات بھی تھی۔

عجیب اتفاق

اس امر کو عجائبات روزگار اور تائید غیبی کا شاہکار سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ مقام لکھا جا چکا تھا کہ :لفاروق مجریہ ۱۵ اگست ۵۸ء پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے صفحہ ۴ پر ایک مضمون بعنوان ''ماہ محرم اور مسلمان'' نظر سے گزرا جو ہمارے مخاطب مولوی اللہ یار صاحب کے ہی زور قلم کا نتیجہ ہے۔ اس مضمون میں مضمون نگار نے بزعم خود صحیح آداب و ہدایات محرم کی بجا آوری کی جانب ترغیب اور غلط رسوم کی تردید کرتے ہوئے جلی قلم سے ''روایات موضوعہ'' کا عنوان قرار دے کر اس کے ذیل میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب ''ماثبت بالسنۃ'' سے صوم یوم عاشورا کے فضائل وغیرہ کے متعلق وارد شدہ روایات کا موضوع و مجعول ہونا ثابت کرنے کے بعد بطور فٹ نوٹ رقمطراز ہیں۔ ''یہ روایات مختار ابن عبید شیعہ کی گھڑی ہوئی ہیں۔ (بھلا شیعہ ایسی روایات کیوں گھڑنے لگے؟۔'' (احقر)

''ان کے علاوہ حجاج ابن یوسف اور بعض دوسرے وضاعین کذابین نے آل رسولؐ کی عداوت و دشمنی کی بنا پر عاشورا کے دن کو مسرت و شادمانی کا دن قرار دیا ہے۔ اور اس کے ثابت کرنے کے لیے بہت احادیث وضع کیں جن میں سے چند ایک بطور نمونہ درج ذیل ہیں (۱) جو شخص عاشورا کے دن آنکھوں میں سرمہ لگائے گا تمام سال اس کی آنکھیں دکھنے سے محفوظ رہیں گی۔ (۲) جو شخص عاشورہ کے دن اپنے عیال پر کھانے پینے خوراک و پوشاک میں فراخی کرے گا خدائے تعالیٰ تمام سال اس پر فراخی کرے گا۔''

واشگاف لفظوں میں جناب ملا صاحب نے یوم عاشورا کے فضائل کی روایات بیان کرنے والوں کو وضاع و کذاب اور دشمن اہل بیت قرار دیا ہے۔ ہم ابھی اوپر ان کے حضرت پیر صاحب کی غنیۃ الطالبین سے بعینہ یہی احادیث نقل کر چکے ہیں۔ خود مولوی صاحب کی اس تحقیق انیق کے مطابق ان کے حضرت پیر صاحب کا کذاب و وضاع اور دشمن آل رسولؐ ہونا واضح ہوگیا۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اس کو کہتے ہیں تائید غیبی اور یہی اس مشہور فقرہ کا مطلب ہے کہ ''الحق یعلو ولا یعلی علیہ'' ان حقائق کی روشنی میں محقق و مبین ہوگیا۔ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی سیادت محض ایک ڈھونگ ہے۔ جو ان کے مریدوں نے رچا رکھا ہے۔ ورنہ اس کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں ہے سید ہونا تو درکنار خود ان کے اقوال سے ان کا دشمن آل رسولؐ ہونا واضح ولائح ہے۔ یہ حقائق و دقائق تھے جن کی وجہ سے حضرات شیعہ ان کو سید نہ سمجھنے پر مجبور ہیں۔

نہ وہ وجہ جسے ملا صاحب نے بزعم خود تراشا ہے۔ ''کہ شیخ صاحب نے شیعوں کی خوب تردید کی ہے'' اگر یہ وجہ صحیح ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ شیعوں نے دوسرے ان سنی سادات کو جنہوں نے شیخ صاحب سے بھی بڑھ کر مذہب شیعہ کی مخالفت کی ہے۔ جیسے نواب محسن الملک اور مولانا احمد شاہ چوکیروی سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا سید ابوالاعلی مودودی وغیرہ کو سادات سے کیوں خارج نہیں کردیا؟ اہل علم میں ہمیشہ علمی و مذہبی نزاعیں ہوا کرتی ہیں۔ اس سے کوئی اپنے نسب سے کیوں خارج ہونے لگا۔ بہرحال یہ غلط ہے کہ ان کو تردید مذہب شیعہ کی وجہ سے سادات سے خارج کیا گیا ہے۔

بلکہ اس کی اصل حقیقت ہم نے بیان کردی کہ روایت و درایت کے دلائل و براہین کی بنا پر ان کا سید نہ ہونا روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے۔ ''قد جاء کم بصائر من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر

باب چهارم

(حدیث ثقلین سے عترت رسول کا احتجاج واستدلال)

حضرات آئمہ معصومین اور بالخصوص امیر المومنین صلوات اللہ علیہم اجمعین نے مختلف اوقات و مقامات پر اپنی خلافت و امامت کے اثبات میں اس حدیث شریف سے احتجاج واستدلال فرمایا ہے۔ جس سے امر اظہر من الشمس وابین من الامس ہو جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہی حضرات قدسی صفات اس حدیث سے مقصود و مراد ہیں۔ کیونکہ اگر یہی بزرگوار اس سے مراد نہ ہوتے تو وہ ہرگز اس حدیث سے اپنے متعلق احتجاج نہ فرماتے۔ اور اگر بالفرض وہ اس سے استدلال کرتے بھی تو مد مقابل یہ کہہ کر کہ یہ حدیث تمہارے حق میں وارد ہی نہیں ہے اور نہ ہی تم اس سے مراد ہو، اسے مسترد کر دیتے لیکن ان بزرگواروں کا اس سے استدلال کرنا اور مقابلین کا اس کی تردید نہ کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے۔ کہ یہی ذوات مقدسیہ اس سے مراد ہیں۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف عترت طاہرہ علیہم السلام کی بہترین نصوص امامت وخلافت میں سے ہے۔ اس امر کی تقریب استدلال بھی مثل سابق ہے۔ یعنی اگر یہ حدیث ان کے نصوص وادلہ امامت میں سے نہ ہوتی بلکہ بقول ملا صاحب اس میں ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف کرنے کی امت سے سفارش کی گئی ہوتی تو یہ حضرات ہرگز اپنی امامت وخلافت کے اثبات میں اس سے استدلال نہ کرتے اور اگر کرتے بھی تو مد مقابل یہ کہہ کر" کہ اس حدیث کو تمہاری امامت و وصایت کے ساتھ کیا ربط ہے؟ اس میں تو قصور معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے اس استدلال کو مسترد کر دیتے لیکن جب معصومین نے اس سلسلہ میں اسے پیش فرمایا اور مقابلین اس پر کوئی ایراد واعتراض نہیں کیا بلکہ اس کو صحیح تسلیم کیا۔ تو اس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ کہ یہ حدیث شریف ان کے نصوص قطعیہ

خلافت و امامت میں سے بہترین نص قطعی ہے۔ وہو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود۔

﴿فصل اول﴾

حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس حدیث کے ساتھ احتجاج و استدلال کرنا۔

(۱) صاحب ینابیع المودۃ مناقب سے باسناد ابی ذرؓ روایت کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ "قال علی علیہ السلام لطلحۃ و عبدالرحمن بن عوف و سعد ابن ابی وقاص ھل تعلمون ان رسول اللہؐ قال انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی و انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض و انکم لن تضلوا ان اتبعتم و استمسکتم بھما قالوا نعم" حضرت علی علیہ السلام نے طلحہ و عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد ابن ابی وقاص سے خلافت کے لئے اپنی حقیت ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب خدا اور دوسری میری عترت اہل بیتؑ اور یہ آپس میں ہرگز جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے۔ اگر تم نے ان دونوں کا اتباع کیا اور ان کے ساتھ تمسک کیا۔ تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ سب نے (متفقہ طور پر) کہا ہاں (ہم ضرور جانتے ہیں)

(۲) مجلس شوریٰ میں جنابؑ نے اپنے احق بالخلافت ہونے کے منجملہ دیگر دلائل کے اس حدیث شریف کے ساتھ بھی احتجاج فرمایا۔ مناقب ابن مغازلی میں جیسا کہ صاحب عبقات نے نقل کیا ہے وہ طولانی احتجاج جو حدیث مناشدہ کے نام سے مشہور ہے مذکور ہے آپ اس کے ضمن میں شورائی کمیٹی کے ارکان سے فرماتے ہیں۔

''انشدکم باللہ اتعلمون ان رسول اللہؑ قال انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی لن تضلوا ما استمسکتم بھما و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض قالوا اللھم نعم'' فرمایا میں تمہیں خدا یاد دلا کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا انی تارک الخ۔۔۔ سب نے کہا ہاں ہم خدا کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے''

(۳) نیز جناب امیر علیہ السلام نے خلافت عثمان کے زمانہ میں بھی مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے سامنے اسی حدیث شریف سے اپنے فضائل و محامد پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ینابیع المودت، شیخ حموینی صاحب فرائد السمطین باسناد سلیم ابن قیس ہلالی سے روایت کرتے ہیں کہ خلافت عثمان کے زمانہ میں ایک دن حضرت علی علیہ السلام مسجد مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہاں مہاجرین و انصار کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ جو اپنے اپنے فضائل و مناقب بیان کر رہی تھی آنجنابؑ خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ جب وہ اپنے محامد و مدائح بیان کر چکے تو یہ حضرت امیرؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یا ابا الحسنؑ! آپ بھی اپنے متعلق کچھ فرمائیں تب آپ نے اپنے مفاخر و مآثر اور فضائل و مناقب محض اما بنعمتہ ربک فحدث کے طور پر بیان فرمانا شروع کیے۔ یہ حدیث نہائت طولانی حدیث ہے ہم یہاں فقط شاہد مطلب حصہ کو نقل کرتے ہیں۔

فرمایا ''انشدکم اللہ ھل تعلمون ان رسول اللہؑ قال فی خطبۃ فی مواضع متعددۃ و فی آخر خطبۃ لم یخطب بعدھا ایھا الناس انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی فتمسکوا بھما لن تضلوا فان اللطیف

الخبير اخبرنی و عهد الیَّ انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فقال کلهم
اشهد ان رسول اللہؐ قال ذالک'' میں تم سے خدا کو گواہ کر کے پوچھتا ہوں کہ آیا تمہیں
علم ہے کہ آنحضرت نے متعدد مقامات پر اپنے خطبات میں اور بالخصوص اپنے آخری خطبہ
میں جس کے بعد انہیں بسبب وفات حسرت آیات کوئی خطبہ پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا یہ فرمایا
تھا کہ انی تارکم فیکم الثقلین الخ۔۔۔سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔ کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ
آنحضرتؐ نے ایسا فرمایا تھا''

(۴) حضرت علیؑ نے ایک سائل کے جواب میں اسی حدیث شریف سے استشہاد فرمایا ہے
جو صراحۃً آپ کی امامت پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب ینابیع المودۃ نے آیہ مبارکہ اطیعو اللہ
و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم کی تفسیر میں ایک طولانی روایت نقل کی ہے۔ جس
میں ایک سائل کا آنجنابؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند سوالات کرنے کا تذکرہ ہے۔ منجملہ
ان کے ایک سوال یہ بھی تھا۔ کہ نبی آخری الزمانؐ کے بعد اب لوگوں پر حجت خدا کون ہے؟
حضرت علیؑ نے فرمایا جس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے ساتھ مقرون ہے! جب
سائل نے اس کی مزید وضاحت طلب کی؟ تو اس وقت آپ نے فرمایا'' الذین قال رسول
اللہؐ فی مواضع و فی آخر خطبة یوم قبضه الله الیه انی تارک فیکم امرین لن
تضلوا بعدی ان تمسکتم بهما کتاب الله عزوجل و عترتی اهلبیتی الخ.. الی
ان قال) لا تقدموهم فتضلوا' یعنی وہ حجت خدا جن کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت
کے ساتھ ملی ہوئی ہے یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق جناب رسول خداؐ نے متعدد مقامات پر
اور بالخصوص اپنے آخری خطبہ میں جس دن کہ خداوند عالم نے ان کی روح کو قبضہ کیا فرمایا۔
''انی تارک فیکم امرین الخ۔۔۔ ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے''۔

﴿فصل ثانی﴾

اس حدیث شریف سے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا استدلال واحتجاج کرنا

حضرت امام حسن علیہ السلام نے بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح متعدد بار اپنے احق بالخلافت ہونے پر اس حدیث شریف کے ساتھ استدلال و احتجاج فرمایا ہے چنانچہ ینابیع المودۃ میں بحوالہ کتاب مناقب باسناد ھشام ابن حسان مروی ہے۔

ھشام کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی علیھما السلام نے اپنی ظاہری بیعت لینے کے بعد ایک خطبہ پڑھا (جس میں اپنی امامت و وصایت کے دلائل و براہین بیان فرمائے ہیں) ہم اس کے چند ابتدائی کلمات نقل کرتے ہیں۔''فقال نحن حزب الله الغالبون و نحن عترة رسوله الاقربون و نحن اهلبيته الطيبون و نحن احد الثقلين الذين خلفهما جدی و نحن ثانی کتاب الله فيه تفصيل کل شئی لایاتیه الباطل من بين يديه و لا من خلفه و المعوّل علينا فی تفسيره و لا نظن تاويله بل نتيقين حقائقه، فاطيعونا فان طاعتنا مفروضة اذکانت بطاعة الله عزوجل و طاعة رسوله مقرونة قال جل شانه يا ايها الذين آمنو اطيعو الله و اطيعو الرسول و اولی الامر منکم'' الخ یعنی ہم میں خدائے تعالیٰ کا دلیل و برہان کے اعتبار سے غالب گروہ ہیں (جس کے متعلق ارشاد فرماتا ہے الا ان حزب اللہ ہم الغالبون) اور ہم ہی ہیں وہ عترت رسول جو سب لوگوں سے زیادہ آنحضرتؐ سے قریب ہیں۔ اور ہم ہی ان کے وہ اہلبیت ہیں (جو ہر قسم کے ادناس وارجاس سے) طیب و طاہر ہیں۔ (جن کا ذکر آیت تطہیر میں کیا گیا ہے) اور ہم ہی ہیں ان دو گرانقدر امروں میں سے ایک گرانقدر امر جن کو میرے

بد امجد حضرت رسول اللہؐ اپنا خلیفہ مقرر کر گئے تھے۔ اور ہم ہی ہیں اس قرآن کے قرین جس
یں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے کہ اس کی طرف کسی قسم کا باطل راہ نہیں پا سکتا نہ اس کے آگے
ے (از طرف توراۃ وانجیل وغیرہ سے کہ وہ اس کی تکذیب کریں) اور نہ اس کے پیچھے سے
کہ کوئی اور کتاب آکر اس کو منسوخ کردے) کتاب اللہ کی تفسیر میں ہم ہی پر اعتماد اور
بھروسہ لازم ہے (کیونکہ بہ سبب قرین و عدیل کتاب ہونے کے باقی لوگوں کی طرح) ہم
س کی تاویل و تفسیر میں ظنون واوھام سے کام نہیں لیتے بلکہ ہمیں اس کے حقائق ودقائق کے
تعلق علم و یقین حاصل ہے۔ لہٰذا ہماری اطاعت کرو۔ اس لیے کہ ہماری اطاعت (تمام
مت پر) فرض ہے۔ کیونکہ وہ خداوند عالم عزوجل اور اس کے رسول اکرمؐ کی اطاعت کے
ساتھ مقترن ہے۔ اللہ جل شانہ، ارشاد فرماتا ہے۔ ''یا ایھا الذین امنو'' اے ایمان والو
طاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہیں الخ''

(نوٹ) حضرت امام حسنؑ کا یہ خطبہ تاریخ مروج الذہب ج ۲ بذیل باب خلافت حسن علیہ
السلام میں بھی مذکور ہے۔

(۲) اسی طرح آنجناب علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں اپنی امامت وخلافت کے
اثبات میں دیگر حجج و براہین کے ضمن میں اس حدیث شریف سے بھی تمسک فرمایا ہے۔ آپ کا
وہ خطبہ تمام وکمال ینابیع المودۃ میں مذکور ہے ہم اس کے ابتدائی چند جملے یہاں نقل کرتے
ہیں۔ آنجنابؑ نے حمد وسلام کے بعد فرمایا:

''انا اھل بیت اکرمنا اللہ و اختارنا و اصفانا و اذھب عنا الرجس و
طھرنا تطھیراً و لھم یفترق الناس الا جعلنا اللہ فی خیرھما من آدم الی جدی
محمدً الخ... (الی ان قال) و اقسم باللہ لو تمسک الامۃ بالثقلین لا عطتھم
السماء قطرھا والارض برکتھا واکلو انعمتھا خضرا من فوقھم و من تحت

ارجنهم من غير اختلاف بيهم الى يوم القيمة قال الله تعالى و لو انهم اقاموا التورة والانجيل و ما انزل اليهم لا كلو الاية (الى ان قال) نحن اولى الناس بالناس فى كتاب الله و على لسان نبيهؐ ... الخطبه

''ہم وہ اہل بیت ہیں۔ جن کو خلاق عالم نے گرامی قدر بنایا ہے۔ اور تمام لوگوں سے ہم کو منتخب فرمایا ہے اور ہم سے ہر قسم کے رجس (عقاب و عذاب اور خطاء وعصیان وغیرہ) کو دور فرمایا ہے اور ہمیں طہارت کاملہ عطا فرمائی ہے۔ کبھی لوگ دو فرقوں میں نہیں بٹے مگر یہ کہ ہمیشہ ہم کو خداوند عالم نے بہترین فرقہ میں قرار دیا ہے حضرت آدمؑ سے لے کر میرے جد امجد تک یہی سلسلہ قائم رہا ہے۔ (اپنے کچھ دیگر مفاخر و مآثر بیان کرنے کے بعد فرمایا) خدا کی قسم اگر امت محمدی ثقلین (کتاب و عترت) کے ساتھ تمسک کرتی تو آسمان ان پر (بروقت) بارش برساتا اور زمین انہیں اپنے برکات سے مالا مال کرتی اس کی سبز و شاداب نعمتوں سے پوری طرح بہرہ مند ہوتے۔ اور قیامت تک ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف واقع نہ ہوتا۔ (پھر اس مطلب پر آیت قرآن سے استشہاد فرمایا ہے) خداوند عالم فرماتا ہے۔ اگر وہ (یہود و انصاری) تورات و انجیل اور جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا تھا کما حقہ رعایت کرتے تو برکات زمین و آسمان سے بہرہ اندوز ہوتے الخ۔ پھر فرمایا ہم کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے اعتبار سے لوگوں پر حکومت کرنے کے زیادہ حقدار اور سزاوار ہیں۔ الخ۔۔۔

(۳) معاویہ کے ساتھ رسمی مصالحت کے بعد آپ نے مسجد کوفہ میں عمرو بن عاص کے ایماء پر خطبہ پڑھا اس میں اہلبیتؑ کی افضلیت و احقیقت کے ادلہ قاطعہ کے ضمن میں اس حدیث شریف سے بھی استدلال فرمایا ہے آپ کا یہ خطبہ تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی میں موجود ہے۔ چند کلمات ملاحظہ ہوں فرماتے ہیں ''نحن حزب الله المفلحون و عترة رسول الله المطهرون و اهل بيته الطيبون الطاهرون واحد الثقلين الذين فهما رسول اللهؐ فيكم فطاعتنا مقرونة بطاعته قال الله عزوجل يا ايها الذين

منو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم" ہم ہیں خداوند کا فلاح پانے
الا گروہ ہم ہین رسولؐ پاک کی عترت مطہرون اوران کے اہلبیت طیب وطاہراوران دوگراں
ذرامروں میں سے ایک جنہیں رسول خداؐ تم میں چھوڑ کر گئے تھے۔ ہماری اطاعت وپیروی کا
کم خدااور رسولؐ کی اطاعت وپیروی کے ساتھ مقرون ہے اللہ سبحانہ، ارشادفرماتا ہے۔ اے
یمان والو! خدا کی اطاعت کرو۔ اوراس کے رسولؐ کی اوراولی الامر کی اطاعت کرو۔ الخ۔

(نوٹ) سردست یہی احتجاجات و استدلالات کتب اہل سنت سے دستیاب ہوسکے ہیں۔
ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا و فیھا کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ"۔ ع

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

اس کے علاوہ اہل حق کا اس حدیث شریف سے مذکورہ بالا مطالب حق کے اثبات
ں ہمیشہ احتجاج واستدلال کرنا اظہر من الشمس ہے۔ دوست تو بجائے خود عمرو بن عاص ایسے
الخصام نے بھی حضرت امیرالمومنینؑ کے افضل واحق بالخلافت ہونے پر منجملہ دیگر آیات و
ادیث کے اس حدیث سے بھی استدلال کیا تھا۔ (مناقب خوارزمی وغیرہ میں معاویہ وعمرو
ں کی ابتدائی خط وکتابت ملاحظہ ہو)

☆☆☆☆☆☆

باب پنجم

حدیث شریف ثقلین کے باقیماندہ مطالب طریفہ کے بیان میں

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا ''انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی و انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض'' (حدیث نبوی متواتر متفق علیہ)

سابقہ ابواب میں دلائل کثیرہ اور شواہد وفیرہ سے واضح ولائح کیا جاچکا ہے کہ تمسک بالقرآن کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوامر پر عمل اور اس کے نواہی سے اجتناب کیا جائے اور اس کے مواعظ شافیہ اور نصائح کافیہ سے پند ونصیحت حاصل کی جائے اسی طرح تمسک بالعترۃ کا یہ مطلب ہے کہ مطالب و معارف قرآن کو انہی ذوات قدسی صفات سے اخذ کیا جائے۔ اور انہی کو شریعت اسلامیہ میں مقتداء اور پیشوا قرار دے کر مسائل شریعت اسلامیہ کو انہی سے حاصل کیا جائے اور ان کے اوامر و نواہی کو واجب الامتثال سمجھا جائے اسی کی تائید اکابر اہلسنت کے اقوال سدیدہ اور آرائے حمیدہ سے بھی کردی گئی ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق یہاں کچھ مزید خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان تمام امور کو چھوڑتے ہوئے اس حدیث کے دیگر بعض مطالب لطیفہ کی طرف عنان قلم کو پھیرا جاتا ہے۔ حقیقت الامر تو یہ ہے کہ حدیث ثقلین وہ جامع وکامل بلکہ اکمل حدیث ہے۔ اور مطالب و معانی کا وہ بحر بیکنار ہے کہ اگر بالفرض (خدانخواستہ) کبھی ایسا وقت آجائے کہ ہمارے مذہب کی حقانیت وصداقت کے سب دلائل و براہین ختم ہوجائیں اور سب کتابیں نیست و نابود ہوجائیں مگر صرف حدیث ثقلین باقی رہ جائے تو ہمارے مذہب کے تمام اصول وفروع کی صداقت وسچائی ثابت کرنے کے لئے صرف یہی ایک حدیث کافی ووافی ہے۔ یہاں اس کے تمام حقائق و مطالب بیان کرنیکی تو نہ گنجائش ہے۔ اور نہ ہی ضرورت ہاں البتہ اس کے صرف بعض مطالب انیقہ اور حقائق لطیفہ کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مطلب اول

(قرآن واہل بیتؑ کے ساتھ تمسک کرنے میں رشد وہدایت اور نجاح وفلاح ہے)

حدیث ثقلین کا مذکورہ بالا فقرہ اس امر پر قطعی دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے صریح معنی یہ ہیں۔ (اے مسلمانو!) اگر تم ان دونوں کے ساتھ تمسک کروگے اور ہمیشہ ان دونوں کے دامن کو تھامے رہوگے تو ہرگز چاہ ضلالت وجہالت میں نہ پڑوگے اس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ اگر تم نے ان دونوں سے اعراض وانحراف یا ایک کے ساتھ تمسک اور اس کے قرین سے عدول واعراض کیا تو اس صورت میں تم اس وادیٔ ضلالت وجہالت میں پڑھ جاؤگے کہ جس سے ابدالآباد تک نکل نہیں سکوگے۔ فاضل مناوی نے اپنی کتاب فیض القدیر شرح جامع صغیر" میں اسی فقرہ کی شرح میں لکھا ہے۔ "ان عملتم بالقرآن و اهتیتم بهدی عترتی العلماء لن تضلوا" یعنی اگر تم نے قرآن مجید پر عمل کیا اور میرے علماء عترت (یعنی آئمہ اطہارؑ) کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کی اقتداء وپیروی کی تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اسی طرح ابن حجر مکی بذیل آیہ "وقفوهم انهم مسئولون" ص ۱۴۸ طبع جدید پر رقمطراز ہیں "و فی روایة صحیحة انی تارک فیکم امرین لن تضلوا ان اتبعتموهما و هما کتاب الله و اهلبیتی عترتی" یعنی صحیح روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم ان ہر دو کی متابعت وپیروی کروگے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ اور وہ دو چیزیں خدا کی کتاب اور میری عترت اہلبیت ہیں" اس طرح کتاب "تنقید العقول" میں [اس] فقرہ کی شرح میں مرقوم ہے "ویدل بطریق المفهوم علی وعید عظیم و هو ان من [ل]م یتمسک بشئی من الخلیفتین او تمسک باحدهما و لم یتمسک بالاخر [و]قع فی الضلال و لا ینجو منه"۔ یعنی یہ جملہ بطریق مفہوم ایک بہت بڑی وعید وتہدید پر [د]لالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص ان دو خلیفوں (قرآن وعترت) میں سے کسی کے [س]اتھ بھی تمسک نہ کرے یا ان میں سے ایک کے ساتھ تمسک کرے لیکن دوسرے سے

روگردانی کرے تو وہ ایسی ضلالت وگمراہی میں پڑ جائیگا۔ کہ اس سے کبھی نجات حاصل نہ
کرسکے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے جو پہلے تفصیل سے بیان ہوچکی ہے۔ کہ قرآن مجید علوم و
معارف اور حکم واسرار ربانیہ ایک بحر بے کنار ہے جو حضرت ختمی مرتبتؐ پر نازل ہوا اور آپ
ی منجانب اللہ اس کی تفسیر وتبیین اور تعلیم وتلقین پر مأمور تھے۔ "و انزلنا الیک الذکر
تبین للناس ما نزل الیھم" آنحضرتؐ اپنے حین حیات میں لوگوں کی وسعت اذہان و
طاقت تحمل اور مقتضائے حال کے مطابق اسے بیان فرماتے رہے لیکن بہت سی آیات اور رموز
اشارات تشنہ بیان رہ گئے ان باقیماندہ حقائق و رموز کے علم ومعرفت کو انہی حضرات کے
سپرد کر گئے جنہیں اپنا خلیفہ وقرین قرآن قرار دے کر لوگوں کو ان کی طرف رجوع کرنے اور
ان سے اخذ احکام وتعلم مسائل وحلال وحرام اور تحصیل وتاویل قرآن کی ہدایت و رہبری
رمائی۔ ایک دو بار نہیں بلکہ زندگی بھر آنحضرتؐ اپنے دیگر فرائض تبلیغ کے ساتھ اس اہم فریضہ
ی بھی تبلیغ فرماتے رہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ مبارکہ کی یہ حدیث ثقلین بھی ایک عمدہ کڑی ہے۔
جو اس تاکید کے اکثر لوگ خود اپنی آراء وعقول ناقصہ پر اتکال و اعتماد کرتے ہوئے
نحضرتؐ کے مقرر کردہ مفسرین قرآن ومعدن علوم واحکام سے اعراض کر کے خود صاحب
ویل تفسیر قرآن بن بیٹھے لیکن بموجب "عند الامتحان یکرم الرجل اویھان" جب ان
عیان علم قرآن سے اس کی تفسیر وتاویل کے متعلق استفسار کئے گئے تو کسی نے کچھ کہا اور کسی
نے کچھ غرض کہ قرآن کو اپنے اختلافات آراء کی آماجگاہ بنا دیا۔ ان کا اس سلسلہ میں باہمی
ختلاف وافتراق ہی اس امر کی بین دلیل و برہان ہے کہ وہ علم تاویل وتفسیر سے بالکل جاہل
اسرار و رموز قرآن سے بالکل تہی دامن تھے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ خود کتاب خداوندی میں تو
ختلاف نہیں ہے بلکہ اس میں تو عدم اختلاف کو اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل قرار دیا گیا
ہے۔ 'ولو کان من عند غیر اللہ لوجد وافیہ اختلافاً کثیراً' ماننا پڑے گا کہ یہ
ختلاف وافتراق ان کی جہالت وضلالت کا ثمرہ ہے۔ جب لوگ مرکز علوم قرآن سے دور

ہٹ گئے تو بنا بریں مخبر صادق صدہا اختلافات و افتراقات کا شکار ہو کر ''وصار و احزاب ابلیس'' کے مصداق بن گئے۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو زبان قلم سے نکل گیا۔ بیان تو یہ کیا جا رہا تھا کہ یہ کتاب خدا ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ایک حقیقی مفسر اور عالم تاویل و تنزیل کی محتاج ہے جو اس کے رموز و اسرار کی تفسیر اور حقائق و لطائف کی توضیح منشائے ایزدی کے مطابق کر سکے۔ یہ امر محقق و مبرہن ہو چکا ہے کہ وہ حقیقی علماء قرآن و امناء رحمٰن بنص سید انس والجانؐ یہی آئمہ اہلبیت علیہم السلام ہیں۔ جنہیں اس حدیث ثقلین میں قرین قرآن قرار دیا گیا ہے۔ اس صورت میں جو شخص ان سے عدول و اعراض کر کے اور ان کی تعلیمات و تفہیمات سے سرتابی کر کے تمسک بالقرآن کرنا چاہے اور ان حقیقی رہبران کی ہدایت و رہبری کے بغیر اس کے تعلیمات و ارشادات پر عمل کرنا چاہے تو وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ بھلا جو شخص مطالب و مقاصد قرآن سے جاہل و بے خبر ہو وہ اس کے فرامین و قوانین پر عمل کیونکر کر سکتا ہے؟ اس کی مثال تو بلاتشبیہ اس شخص کی سی ہوگی جو اپنی منزل مقصود کا راستہ بھول جائے اب وہ جس قدر تیز چلے گا اتنا ہی وہ اپنی منزل سے دور تر ہوتا چلا جائیگا۔ ولنعم ما قیل

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

یہ کیفیت تو تھی اس شخص کی جو صاحبان قرآن سے اعراض کر کے تمسک بالقرآن کرنا چاہے۔ جسے ثابت کر دیا گیا کہ یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کو بالائے طاق رکھ کر فقط تمسک بالعترۃ کرنا چاہے تو یہ امر بھی اس کے لیے موجب نجات نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ عترت رسول حاملین علوم قرآن اس کے مسائل حلال و حرام کو بیان کرنے اور لوگوں کو اس کے قوانین پر چلانے، حدود شرعیہ کا اجراء و انفاذ کرنے کے لئے مقرر کیے گئے ہیں۔ اس صورت میں کسی طرح اہل تاویل سے تمسک اور خود تنزیل سے اعراض موجب نجاح و فلاح قرار پا سکتا ہے؟ اگر قدرے تامل کیا جائے تو معلوم

ہوسکتا ہے کہ جس طرح عترت رسولؐ کو چھوڑ کر تمسک بالقرآن ناممکن و محال ہے اسی طرح قرآن کو چھوڑ کر تمسک بالعترت بھی محال و ممتنع ہے۔

ایسا کرنا جب ممکن ہوتا کہ عترت رسولؐ کے تعلیمات و ارشادات قرآن کے تعلیمات وتلقینات کے علاوہ کچھ اور ہوتے لیکن جب ان کے بیانات تفسیر وتشریح قرآن ہیں اور ان کے تعلیمات و دستورات قرآن کی حقیقی تعلیم وتلقین کے ترجمان ہیں۔ تو اس صورت میں یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ تو تمسک کیا جائے لیکن تمسک بالقرآن نہ "ان هذا الا اختلاق" اس بیان حقیقت ترجمان سے جہاں سے یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن و عترت میں سے ایک کو چھوڑ کر فقط دوسرے کے ساتھ تمسک کرنا موجب نجات نہیں ہوسکتا۔ وہاں یہ بھی واضح وعیاں ہوگیا کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ تمسک محض ایک خام خیالی ہے۔ جس کی کوئی حقیقت و واقعیت نہیں ہے کیونکہ درحقیقت ان کے درمیان تفریق وتفکیک کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں اور اگر ہے تو صرف اسی قدر کہ قرآن کتاب صامت ہے اور عترۃ قرآن ناطق ہے۔ ونعم ما قیل۔

ساووا کتاب اللہ الاّ انہ

ھو صامت و ھم کتاب ناطق

ان حقائق کے واضح ہوجانے کے بعد ہم یہ کہنے کی جرات کرتے ہیں کہ جو حضرات "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر عترت رسولؐ سے اعراض کرتے ہوئے اپنی نجات فقط تمسک

واضح ہو کہ ہم جو آئے دن فتنہ اہل قرآن (چکڑ الویت اور پرویزیت) میں مبتلا ہورہے ہیں۔ اور احادیث رسول کا انکار اور آئمہ دین سے اعراض اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جس سے اہل ایمان کے قلوب مجروح ہورہے ہیں اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ ان کا اپنا پیدا کردہ نہیں بلکہ اس کا سنگ بنیاد اور حجر اساسی آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے محضر رسولؐ میں جناب خلیفہ ثانی رکھ چکے ہیں۔ ان لوگوں نے صرف اتنا کیا کہ دیدہ و دانستہ طور پر اس رکھی ہوئی بنیاد پر عمارت بنارہے ہیں۔ (منہ عفی عنہ)

بالقرآن میں ڈھونڈتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو قرآن سے اعراض کر کے فقط زبانی علی علی کہنے میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ ان کو ان حقائق کی روشنی میں اپنے دعوی پر نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ وماعلینا اِلا البلاغ۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

مطلب دوم

(پیغمبر اسلامؐ کے بعد آئمہ اہلبیتؑ کے علاوہ اور کسی کی اطاعت مطلقہ واجب نہیں ہے) اس امر پر بکثرت ادلہ عقلیہ ونقلیہ قائم ہیں یہاں فقط ان میں سے چند دلیلوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ حدیث مبارک ثقلین اس امر کی کافی ووافی دلیل ہے کیونکہ اس میں رشد و ہدایت اور فوز وفلاح کو قرآن وعترت کی اطاعت و پیروی میں منحصر قرار دیا گیا ہے اور یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت مطلقہ واجب بلکہ جائز ہی نہیں ہے اور نہ ہی موجب نجات ہے ظاہر ہے کہ اگر آئمہ اہلبیتؑ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت ومتابعت بھی واجب ولازم ہوتی اور وہ موجب رشد وہدایت بھی ہوتی تو پھر قیامت تک نجات کو آئمہ اہلبیتؑ کی اطاعت ومتابعت میں اور ضلالت وگمراہی کو ان کی مخالفت میں منحصر قرار دینا غلط ہوتا۔ لیکن عصمت کبریٰ کے تاجدار کی طرف غلط بات کی نسبت دینے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لہذا ماننا پڑے گا کہ یہی ہستیاں واجب الطاعۃ ہیں نہ کہ کوئی اور؟

(۲) سابقہ تحقیقات میں مکرراً یہ امر ثابت کیا جاچکا ہے کہ وجوب اطاعت علی الاطلاق مستلزم عصمت ہے یعنی جس شخص کی اطاعت مطلقہ واجب قرار دی جائے اس کے لئے

معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت بھی واضح کی جاچکی ہے کہ اس امت مرحومہ میں عصمت وطہارت اسی خاندان میں منحصر ہے جسے خانوادہ عصمت وطہارت کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ انکے علاوہ کوئی شخص درجہ عصمت پر فائز نہی ہے لہٰذا ان کے سوا کسی کی اطاعت مطلقہ بھی واجب نہیں ہوگی۔

(۳) یہ امر بھی اپنے مقام پر ثابت کیا جاچکا ہے۔ کہ وجوب اطاعت علی اطلاق مستلزم نبوت یا امامت ہے یعنی جس شخص کی اطاعت مطلقہ واجب قرار دی جائے۔ اس کے لئے نبی یا وصی ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ نبوت کا سرکار ختمی مرتبتؐ پر خاتمہ ہوچکا ہے اور امامت و وصایت آئمہ اہل بیتؑ میں منحصر ہے جیسا کہ اوپر مبین و مبرہن کیا جاچکا ہے۔ پس اطاعت مطلقہ بھی انہی کی واجب ہوگی۔ نہ کہ کسی اور کی۔

(۴) اب تک جس قدر دلائل و براہین اس کتاب میں لکھے جاچکے ہیں (یا اسکے علاوہ دوسری کتب میں مذکور و مسطور ہیں) وہ سب آئمہ اہل بیتؑ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کے سوا اور کسی کی اطاعت و متابعت مطلقہ پر کوئی دلیل صحیح اور معقول برہان قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ ہاں البتہ برادران اسلام نے جہاں دوسرے فضائل و محامد میں آئمہ اہل بیتؑ کے بالمقابل اور اشخاص کو کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے وہاں اس صفت جلیلہ میں بھی ان کے بالمقابل اور لوگوں کو انکا شریک قرار دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہ حضرات اس بارے میں چند موضوعہ و مکذوبہ احادیث پیش کرتے ہیں اور ان سے تمام صحابہ رسولؐ کی اطاعت مطلقہ پر استدلال کرتے ہیں ہم ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ انکی نہائت اہم احادیث کا جائزہ لیتے ہوئے ان پر تبصرہ کرتے ہیں۔

ان بعض احادیث کا تذکرہ اوران پر تبصرہ جن سے برادران اسلامی استدلال کرتے ہیں

(حدیث اول)

کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ''یعنی میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں، تم ان میں سے جس کی اقتداء کرلوگے ہدایت پاجاؤ گے''۔ یہ روایت عقل ونقل اور روایت و درایت کے قواعد وقوانین کی بناء پر بالکل غلط اور موضوع ومجعول ہے۔ جہاں تک سند روایت کا تعلق ہے تو اس کے متعلق اہلسنت کے علماء کبار اور ناقدین اخبار نے اسکے ضعف بلکہ وضع وجعل کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ چنانچہ شیخ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ ''روی من طرق کلها ضعيفة حتى جزم ابن حزم بانه موضوع و قال البزاز لا يصلح و قال البيهقى هذ الحديث مشهور المتن و اسانيده كلها ضعيفة لم يثبت فيه اسناد'' یعنی یہ حدیث چند طرق سے مروی ہے۔ لیکن سب طرق ضعیف ہیں۔ حتی کہ ابن حزم نے تو اس کے موضوع ومجعول کا جزم ویقین کیا ہے۔ اور بزاز کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور بیہقی نے کہاہے کہ اس حدیث کا متن (الفاظ) تو مشہور ہے لیکن اسکے اسانید سب ضعیف ہیں کوئی ایک سند بھی صحیح ثابت نہیں ہے'' ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھ ہے کہ ''فهذا الحديث ضعيف ضعفه آئمة الحديث و قال البزاز هذا حديث لا يصح من رسول اللهؐ و ليس هو فى كتب الحديث المعتمدة '' یعنی یہ حدیث ضعیف ہے جس کی تمام آئمہ حدیث نے تضعیف کی ہے۔ اور بزاز کہتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت آنحضرتؐ کی طرف دینا صحیح نہیں ہے۔ اور نہ یہ حدیث کتب معتمدہ ومعتبرہ میں موجود ہے۔''

شیخ عبدالعلی بحر العلوم شرح مسلم الثبوت ص ۲۷۲ طبع لکھنو میں لکھتے ہیں کہ ''هذا الحدیث فلم یعرف قال ابن حزم فی رسالته الکبری مکذوب موضوع باطل و کذا قال احمد و البزاز'' یہ ہے اس حدیث کی کیفیت سند جو اوپر بیان ہوئی واضح ہے کہ ایسی حدیث جو باتفاق علماء احبار اور ناقدین کبار ضعیف بلکہ مکذوب وموضوع ہو وہ فی نفسہ حجیت و اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ جب روایات صحیحہ بلکہ متواترہ اسکے معارض ہوں۔ منجملہ ان کے ایک یہی حدیث ثقلین اور دوسری احادیث حوض ہیں۔ جو صحاح ستہ وغیرہ میں باسانید صحیحہ مروی ہیں۔ جن میں بعض صحابہ کا دین اسلام میں تغیر و تبدل کرنا اور اس میں بدعتیں ایجاد کرنا بلکہ بعض کا مرتد ہو جانا بھی مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی خبر واحد (اگرچہ صحیح السند ہی کیوں نہ ہو) کسی خبر متواتر سے متعارض ہو جائے تو وہ درجہ حجیت و اعتبار سے گر جاتی ہے اور ناقابل احتجاج واستدلال ہو جاتی ہے۔ (اس مسئلہ کی تفصیل اس کتاب کے باب اول میں ذکر ہو چکی ہے۔)۔ چہ جائیکہ ایسی خبر واحد جو ضعیف السند بلکہ موضوع و مکذوب ہو اور جہاں تک دلالت و درایت کا تعلق ہے تو اس کی رو سے بھی یہ حدیث بچند وجہ باطل اور ناقابل تمسک ہے (۱) اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ ہر صحابی کی اقتداء کرنے والا ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ حالانکہ صحابہ کا باہمی اختلاف بلکہ باہمی جنگ وجدال اور ایک دوسرے پر لعن و طعن کرنا مشہور و معروف اور مسلم ہے۔ آیا کوئی عقل سلیم یہ تسلیم کر سکتی ہے۔ کہ قاتل و مقتول اور لاعن وملعون اور ظالم و مظلوم سب ہی حق پر ہوں؟ اور ان کی اتباع اور اقتداء کرنے والے سب ہدایت یافتہ ہوں؟ مالکم کیف تحکمون (۲) اس حدیث کو حدیث سمجھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ جو شخص معاویہ اور ابن العاص وغیرہ (جو کہ بنص رسولؐ باغی گروہ کے رئیس تھے) کی اقتداء کر کے حضرت علیؑ و حسینؑ (جو کہ بنص رسولؐ امام مفترض الطاعۃ تھے) اور دیگر صحابہ کرام سے برسر پیکار ہو۔ بلکہ ان کو شہید کر دے وہ بھی ہدایت یافتہ ہو۔ اور وہ شخص جو طلحہ و

بیر وغیرہ اور بعض امہات المومنین کی ترغیب وتحریص پر قتل عثمان میں ان کی اقتداء کرے تو وہ
ھی ہدایت یافتہ اور پھر جو انہی حضرات کی اتباع کر کے خون بہا لینے کے بہانے جنگ جمل و
فین میں امام حق کے مقابلہ میں صف آراء ہو اور ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہادے
ہ بھی ہدایت یافتہ ہو۔ اسی طرح جو شخص سمرہ ابن جندب (جو کہ ابن زیاد کی پولیس میں شامل
نا کی اقتداء کر کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرے اور ان کے اور ان
کے اصحاب کبار اور اہل بیت اخیار کے خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگین کرے وہ بھی حق
ہدایت پر ہو۔[2] ''الی غیر ذالک من المفاسد العدیدة التی یضیق عنها قلم الاحصاء''

شرح مکاسب شہیدی ص ۲۰۴ پر لکھا ہے۔ قال ابن ابی الحدیدانه (سمره بن
ندب) عاش الی زمن ابن زیاد، و سار من شرطة خمیسه و کان یحث الناس علی
تل الحسین ابن ابی الحدید، بیان ہے کہ سمرۃ بن جندب ابن زیاد کے زمانہ تک زندہ رہا اور
اس کی پولیس میں داخل تھا۔ یہ لوگوں کو حضرت امام حسین کے قتل پر آمادہ کرتا رہا (منہ عفی عنہ)

صواعق محرقہ ص ۱۴۳ میں رسول خدا کی یہ صحیح و مرفوع حدیث مذکور ہے۔ فرمایا جو شخص آل
مد کے بغض کی حالت میں مرجائے اگرچہ نماز و روزہ کا پابند ہوتا ہم وہ دوزخ میں جائے گا اور جس
نص نے میرے اہل بیت کو گالی دی وہ خدا اور اسلام سے برگشتہ ہوگیا۔ اور جس نے مجھے میری
ترت کے بارے میں ایذا پہنچائی اس نے خدائے عزوجل کو ایذا پہنچائی۔ ایسے شخص پر خدا کی لعنت
ہے۔ اور جنت اس پر حرام ہے۔ جس شخص نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا یا جس شخص نے ان پر ظلم
کرنے والے کی اعانت کی اس پر بھی جنت حرام ہے۔ اس حدیث شریف اور اس جیسی دیگر بیسیوں
مدیثوں کی روشنی میں پرستاران بنی امیہ و بنی عباس ان لوگوں کے اسلامی و ایمانی کوائف و حالات کا
ائزہ لیں۔ اور اپنے نظریہ پر نظر ثانی فرمائیں۔

ع۔ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

(منہ عفی عنہ)

(۳) یہ حدیث خود سیرت صحابہ و تابعین کے خلاف ہے ان کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے ہے کہ انہوں نے کبھی اس حدیث کو در خور اعتناء قرار نہیں دیا۔ ظاہر ہے کہ خلفائے اربعہ اپنے اپنے دور میں مرتکبین کبائر اور حرمات الہیہ کی ہتک کرنے والوں پر حدود و تعزیرات شرعیہ جاری کیا کرتے تھے۔ نہ تو حد جاری کرنے والے حضرات ان کے افعال شنعیہ کو برحق سمجھتے تھے (ورنہ حد جاری ہی نہ کرتے) اور نہ جن پر حدود جاری کی جاتی تھیں انہوں نے کبھی یہ کہا تھا کہ ہم پر تم کیسے حدود جاری کرتے ہو۔ حدیں تو گنہگاروں پر جاری کی جاتی ہیں۔ اور ہم تو بنص رسول عادل و ہدایت یافتہ بلکہ دوسروں کے لئے ہادی ہیں لہٰذا ان کا اجراء حدود کرنا اور ان کا سکوت کرنا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ اس جعلی حدیث کا اس وقت کوئی نام و نشان نہ تھا۔ یہ بعد کی پیداوار ہے (۵) یہ حدیث خود آنحضرت کی سیرت کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے کبھی اس حدیث کے مفاد پر عمل درآمد نہیں فرمایا وہ خود اپنے مجرم صحابہ پر حدیں جاری فرمایا کرتے تھے۔ بعض صحابہ سے شرب خمر اور بعض سے زنا اور بعض سے قذف وغیرہ افعال شنیع کا سرزد ہونا اور آنحضرت کا ان پر حدود الٰہی جاری کرنا کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ (سرور عزیزی ترجمہ فتاوی عزیزی ج ا ص ۲۴۳ طبع کانپور۔)

کیا ممکن ہے کہ آنحضرتؐ اپنے تمام اصحاب کو مثل نجوم قرار دے کر ہمیں ان کی اقتداء و اتباع کا حکم دیں اور خود ان پر بوجہ ارتکاب گناہان کبیرہ حدیں جاری کریں؟ کیا ایسا کرنے سے آنحضرتؐ "لم تقولون ما لا تفعلون" کی وعید اور "اغراء بالشر" کی تہدید کے مشمول نہیں ہوں گے؟ لاحول ولاقوۃ اللہ باللہ (۴) یہ حدیث خود قرآن کے تعلیمات واحکام کے مخالف ہے کیونکہ قرآن صحابہ رسول میں سے افعال قبیحہ کے مرتکب ہونے والوں کی سرزنش ان کی اقتداء کرنے والوں کی مذمت، عالم و جاہل، عادل و فاسق اور ظالم و مظلوم کو مساوی و برابر سمجھنے کی قباحت کے بیان سے بھرا پڑا ہے۔ جو فطرت صحیحہ و عقل سلیم کی تعلیم کے

عین مطابق ہے اس صورت میں قرآن کے احکام کو پس پشت ڈال کر کس طرح حدیث کو صحیح اور قابل تمسک سمجھا جاسکتا ہے؟ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ یہ حدیث خلاف معقول ومنقول ہے۔ ان حضرات کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جو حدیث خلاف عقل واصول ہو وہ موضوع و مکذوب ہوتی ہے۔ اگرچہ صحیح السند ہی کیوں نہ ہو۔ (ملاحظہ ہو آیات بینات مطبوعہ لکھنوص ۹۴) چہ جائیکہ اس حدیث کی سند کا حال وہ ہو جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس بیان حقیقت ترجمان سے واضح وعیاں ہوگیا۔ کہ یہ حدیث بالکل مجعول وموضوع ہے۔ آنحضرتؐ اور ان کے صحابہ کے عہد میں اس کا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا۔ ہاں البتہ عہد بنی امیہ وغیرہ میں جہاں اور بکثرت احادیث گھڑی گئیں وہاں یہ حدیث بھی وضع کی گئی۔ وھوا وضح من ان یخفی۔

(ایک مشہور غلط نظریہ کی تردید)

برادران اسلام کے یہاں مشہور ہے کہ "الصحابة کلھم عدول" اسی حسن ظن یا دھاندلی کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے صحابہ کے افعال زشت پر پردہ ڈالنے کے لیے باب الاجتہاد کھول رکھا ہے۔ جس صحابی سے کوئی فحش غلطی سرزد ہوتی دیکھی فوراً اس قاعدہ کے ساتھ تمسک کر کے اس کی گلوخلاصی کی کوشش شروع کردی یہاں ہمیں پہلے نظریہ (الصحابة کلھم عدول) کی تردید کرنا مقصود نہیں کیونکہ اس کا اجمالی بطلان ابھی حدیث اصحابی کالنجوم الخ کے ضمن میں واضح ہو چکا ہے جو حضرات اس سلسلہ میں تفصیل کے شائق ہوں وہ کتاب اثبات امامتہ الائمۃ الاطہار کی طرف رجوع فرمائیں سردست دوسرے نظریہ (باب الاجتہاد) کی تردید کرنا مطلوب ہے اگرچہ پہلے نظریہ کے بطلان کے بعد یہ نظریہ خود ہی باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ تاہم مزید توضیح کے لئے چند دلائل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

اولاً اگر اس نظریہ کی کوئی واقعیت اور حقیقت ہوتی تو سب سے پہلے آنحضرتؐ اور آپ کے بعد آپکے صحابہ کرام اس پر عمل درآمد کرتے لیکن جب انہوں نے اسے درخور اعتناء

نہیں سمجھا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ نظریہ بعد کی پیداوار ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت سرور کائنات اور مسلمانوں کی خلافت مآب حضرات مجرم صحابہ پر شرعی حدیں جاری کیا کرتے تھے۔ یہ امر اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ ان کے افعال کو مبنی بر اجتہاد نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں معذور بلکہ ماجور ہوتا ہے۔ اسی طرح خود حضرات صحابہ کرام ایک دوسرے کے افعال کو اجتہاد کا نتیجہ نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر قاتلین عثمان ان کے بدعات کو مبنی بر اجتہاد سمجھتے تو ہرگز ان کے قتل کے درپے نہ ہوتے۔ اسی طرح اگر طلحہ و زبیر حضرت علی کے حرکات و سکنات کو انکے اجتہاد کا نتیجہ قرار دیتے تو ہرگز ان سے جنگ و جدال نہ کرتے۔ اسی طرح اگر حضرت علی اور انکے ہم رکاب صحابہ کرام معاویہ اور ابن عاص وغیرہ کی حرکات قبیحہ اور افعال شنیعہ کو ان کے اجتہاد کا ثمرہ سمجھتے تو ان کے قتل و قتال کو ہرگز مباح نہ قرار دیتے۔ صحابہ کرام کا اس نظریہ پر عمل نہ کرنا اس کے بطلان کی بین دلیل ہے۔

ثانیا اجتہاد کوئی ایسی معمولی چیز نہیں جو ہر بھیڑ بکری چرانے والے اور اونٹ ہنکانے والے کپڑے بیچنے والے کو اور چند روز صحبت رسول میں بیٹھنے والے کو حاصل ہو جائے؟ ہم شرف صحبت کا احترام کرتے ہیں۔ یہ فضیلت ضرور ہے (وہ بھی بشرطہا و شروطھا) لیکن اس کا حصول اجتہاد سے قطعاً کوئی ربط نہیں ہے بلکہ اجتہاد ایک ایسا اہم امر ہے جس کے حصول کے لیے مدت مدید و عرصہ بعید درکار ہوتا ہے۔ سالہا سال کی صحرانوردی و کوچہ پیمائی کے بعد کہیں جا کر حاصل ہوتا ہے۔ جنہوں نے تحصیل اجتہاد کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ ان سے پوچھے کہ اجتہاد کس قدر مشکل ہے؟ اجتہاد (جیسا کہ کہا گیا ہے) لوہے کے چنے چبانا اور آنکھوں کا تیل نکالنا ہے بقول شاعر۔

کوچہ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے ؎

خضر کیا جانیں بیچارے اگلے زمانے والے

یہی وجہ ہے کہ خود حضرات اہل سنت کئی سو سال سے باب الاجتہاد کو بند کیے ہوئے ہیں۔ (اور مجتہدین اربعہ پر اس کا خاتمہ کر چکے ہیں) کہا جاتا ہے کہ اگلے زمانہ میں اجتہاد آسان تھا۔ اس قدر مشکل نہ تھا۔ جتنا کہ آج کل ہو گیا ہے۔ ہم یہ تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ عرض کریں گے۔ کہ اس کے آسان ہونے کے یہ معنی نہیں کہ چند دنوں بلکہ چند گھنٹوں میں ہر کہ ومہ مجتہد بن جائے حالانکہ ان مجتہدین کی فہرست میں ایسے حضرات بھی نظر آتے ہیں۔ جن کے بارے میں قدرت کا ارشاد ہے ''الاعراب اشد کفرا و نفاقا واجدران لا یعلمو احدود ما انزل الله'' انہی میں وہ بھی تھے۔ جن کے متعلق ارشاد ایزدی ہے۔ ''و منهم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی'' ان حالات میں کیسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب حضرات درجۂ اجتہاد پر فائز تھے؟

ثالثاً صحابہ رسول میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو آپ کے انتقال پر ملال سے چند روز پیشتر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ جو پہلے اسلام لا چکے تھے ان میں بھی بہت سے ایسے تھے جنہیں بہ سبب بُعد مکانی فقط چند روز یا چند ساعتوں کی سعادت صحبت حاصل ہوئی تھی۔ بنابریں کون دشمن عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام حضرات مجتہد جامع الشرائط بن گئے تھے؟

رابعاً بعض علمائے اہلسنت نے بڑے بڑے صحابہ رسول اکرمؐ جو آسمان حدیث کے درخشاں ستارے سمجھے جاتے ہیں۔ مثل ابو ہریرہ وانس ابن مالک وغیرہما کے اجتہاد کی یہ کہہ کر نفی کی ہے کہ ''یہ راوی حدیث تھے۔ نہ مجتہد (اصول شاشی طبع دہلی ملاحظہ ہو)

جب ابو ہریرہ اور انس ابن مالک ایسے حضرات مجتہد نہیں ہیں جنہیں کافی مدت تک فیض رسالت سے استفادہ کرنے کا موقع بھی ملا اور انکی کثرت روایت کا یہ عالم ہے کہ مذہب اہل سنت کا اکثر و بیشتر حصہ انہی کی روایات کے بل بوتے پر قائم ہے تو وہ دوسرے حضرات جنہیں ان کے برابر آنحضرتؐ سے استفادہ و استفاضہ حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا ان کو کیسے

مجتہد تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ علمائے اہل سنت کی بھی عجیب حالت ہے۔ جب دھاندلی کرنے پر آجاتے ہیں۔ تو ابوالغادیہ (قاتل حضرت عمارؓ) ایسے مجہول الحسب والنسب تک کو مجتہد بتلا کر ان کی برائت وگلو خلاصی کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔ اور جب کبھی خدا لگی کی بات کہنے پر آجاتے ہیں۔ تو ابوہریرہ ایسے کثیر الراویہ حضرات کے اجتہاد کی بھی صاف نفی کر دیتے ہیں۔ وشتان ما بینھما؟ فاعتبروا یا اولی الابصار؟

(حدیث دوم)

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی تمسکوابھا و عضوا علیھا بالنواجذ تم میری سنت اور میرے راشد اور ہدایت یافتہ خلیفوں کی سنت (طریقہ) کو لازم پکڑو۔ اور اس پر سختی سے عمل درآمد کرو۔

برادران اسلامی کے مناظرین اس حدیث کو بڑے طمطراق کے ساتھ حدیث ثقلین کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث سے استدلال کرنا اور اسے حدیث ثقلین کے مقابلہ میں پیش کرنا بچند وجہ باطل ہے۔

اولاً اس لئے کہ اس حدیث کو فقط بعض اہل سنت نے نقل کیا ہے لیکن دیگر اعاظم اہل سنت اور مذہب حقہ اثنا عشریہ کی کتب میں اس حدیث کا نام ونشان تک موجود نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسی روایت جس کے نقل کرنے میں فقط ایک فریق منفرد ہو وہ دوسرے فرقوں پر حجت نہیں ہوسکتی۔ چہ جائیکہ اسکو ایک مسلم بین الفریقین یعنی حدیث الثقلین کے مقابلہ میں پیش کیا جائے۔

ثانیاً بخاری ومسلم نے اسے اپنی صحیحین میں درج نہیں کیا اور اکثر علمائے اہل سنت کا نظریہ ہے کہ جس روایت کو یہ دونوں صاحبان بالاتفاق نقل نہ کریں وہ ضعف ... ہے۔ لہذا

جو روایت فی نفسہ ضعیف ہو اسے کس طرح ایک مسلم الثبوت روایت کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

ثالثاً اس روایت کے تمام راوی ناقدین اہل سنت کے نزدیک مجروح و مقدوح اور مطرود و مردود ہیں۔ اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے کہ ان کے تمام حالات و کوائف سے ناظرین کرام کو آگاہ کیا جائے۔ لہٰذا طالبان تحقیق عبقات الانوار ج ۲۔ حدیث ثقلین کی طرف رجوع کر کے تحقیق حق کر سکتے ہیں۔ وہاں نہایت شرح و بسط کے ساتھ اہل سنت کی کتب معتبرۂ رجال سے اس حدیث کے راویوں پر تنقید کر کے ان کا مجروح و مقدوح ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ اس روایت کو روایت متواترہ کے مقابلہ میں پیش کرنا غفلت و جہالت یا تجاہل و عناد کی غمازی کرتا ہے۔ ورنہ اہل علم و انصاف پر واضح ہے کہ ایسی روایت سے نہ کوئی شرعی حکم ثابت ہوسکتا ہے۔ اور نہ اسے کسی صحیح بلکہ متواتر روایت کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

رابعاً اگر مذکورہ بالا امور سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حدیث طرق و اسانید سنیہ کے اعتبار سے صحیح ہے تو پھر بھی قواعد درایت کی رو سے اسے متواتر روایت کے مقابلہ میں پیش کرنا قطعاً غلط ہے کیونکہ مشہورات و متواترات کے مقابلہ میں کوئی حدیث کسی صاحب عقل کے نزدیک مقبول نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا خلاف تواتر ہونا ہی اس کے باطل و عاطل اور بے اصل ہونے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس کے لئے مزید کسی شاہد اور دلیل کی حاجت نہیں ہوتی۔ عقل انسانی اگر اپنی فطرت اصلیہ پر قائم ہے۔ تو اس کو محض اسی لئے قبول نہیں کریگی کہ وہ خلاف تواتر ہے اور ایسی حدیث سے کوئی حکم خواہ وہ اتباع سنت خلفاء ہو یا کوئی اور ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

خامساً اگر تمام امور مذکورہ بالا سے (جن میں سے ہر امر اس حدیث کو ناقابل استدلال ثابت کرنے کے لئے کافی ہے) قطع نظر کے لئے اس روایت کو بالکل صحیح اور قابل استدلال و

احتجاج بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تب بھی حضرات اہل سنت کو اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ اس وقت ممکن ہے جبکہ اس حدیث میں ''خلفاء راشدین''، ''مہدیین'' سے ان حضرات کے خود ساختہ و پرداختہ خلفاء مراد ہوں۔

لیکن یہ حضرات اس امر کو کبھی ثابت نہیں کر سکتے (ودون اثباته خرط القتاد) بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان خلفاء راشدین سے مراد حضرات آئمہ اہلبیت ہیں۔ (اولهم علی ابن ابی طالب و آخرهم المهدی علیهم السلام) یہی بزرگوار حقیقی خلفائے رسول ہیں۔ متعدد احادیث ایسی موجود ہیں جن میں آئمہ اہل بیت پر خلفاء کا اطلاق ہوا ہے باقی رہا لفظ ''الراشدین المهدیین'' تو اس کا اطلاق بھی ان حضرات پر ہوا ہے۔ چنانچہ کتاب توضیح الدلائل علے ترجیح الفضائل میں (علی ما نقل عنہ) آنحضرت کا ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ مذکور ہے۔ جو آپ نے آیہ مبارکہ ''انما ولیکم اللہ۔۔۔الایۃ'' کے نزول کے وقت پڑھا۔ اس کے ضمن میں آئمہ اہل بیت کے لئے یہ الفاظ موجود ہیں۔ ''هولاء الهداة المهتدون الائمة الراشدون المهتدی من لجاء الی طاعتهم و ولایتهم واضال من عدل عنهم و جاء بعد اوتهم حبهم ایمان و بغضهم نفاق.. الخ'' خلاصہ کلام یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے فرمان واجب الاذغان کے مطابق یہی ہیں ہادی اور ہدایت یافتہ جو انکی اطاعت کے لئے اور ولایت اختیار کر کے وہ ہدایت یافتہ ہیں اور جو ان سے روگردانی کرے اور ان سے عداوت رکھے وہ گمراہ ہے ان کی محبت عین ایمان اور ان کی عداوت عین نفاق ہے۔ لوگ جنہیں چاہیں ''خلفاء راشدین'' کہہ کر پکاریں لیکن لطف تو جب ہے کہ قرآن وسنت سے یہ ثابت کریں کہ وہی حضرات ''خلفاء راشدین'' ہیں وانی لہم ذالک؟؟

علاوہ ازیں اگر یہ حدیث صحیح ہوتی اور بنا بر صحت اس سے مراد مسلمانوں کے مزعومہ ''خلفائے راشدین'' ہوتے تو حضرت امیر المومنین بوقت شوریٰ ہرگز سیرت شیخین کے اتباع

سے انکار نہ فرماتے حالانکہ آنجناب کا ان کی سیرت کے اتباع سے انکار کرنا اور اسی وجہ سے کئی مرتبہ ظاہری خلافت سے محروم رہ جانا ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ جس کا کوئی اہل علم و انصاف انکار نہیں کرسکتا۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد۔ صواعق محرقہ ص ۱۰۴ طبع جدید روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۴۹ N الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۵ فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۶ ص ۶۲۱ اور ۶۲۲ شرح فقہ اکبر ص ۸۰ وغیر ذالک من الکتب المعتمدہ مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر اس حدیث کی کوئی حقیقت ہوتی تو سب سے زیادہ اس کی ضرورت جناب ابوبکر، عمر کو تھی وہ ثقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے مقابلہ میں اسے پیش کر کے اس طرح ان کی خلافت نصی ثابت ہوجاتی اجماعی شورائی نہ رہتی مگر ان حضرات کا اس سے تمسک نہ کرنا اس کے من گھڑت ہونے کی ناقابل رد دلیل ہے۔ کمالایخفی! اس بیان حقائق ترجمان سے واضح وعیاں ہوگیا کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس میں ''خلفائے راشدین مہدیین'' سے مراد یقیناً آئمہ طاہرین ہوں گے۔ اس صورت میں یہ روایت حدیث ثقلین کے معارض بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کی مئوید ہوگی۔ (والجمع مهما امكن اولى من الطرح)

(حدیث سوئم)

کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا اقتدوا بالذين بعدى ابى بكر و عمر یعنی میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرو۔ اس روایت کا کالشمس فی نصف النہار باطل و عاطل ہونا ہم کتاب اثبات الامامۃ الائمۃ الاطہار میں خلافت ابوبکر کے دلائل کے بطلان کے ضمن میں ثابت کرچکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔ فلا نطيل الكلام فى هذا المقام بالنقض والابرام لانه لا طائل تحته كما لا يخفى على اولى الافهام و الحمد لله المنعام على توفيقه لتحقيق هذه المطالب العظام۔

(مطلب سوئم)

(صرف آئمہ اہلبیتؑ ہی حقیقی خلفاء رسولؐ ہیں)

خلیفہ وامام کے دو معنی ومفہوم عام اذہان میں مرکوز ہیں۔ ایک وہ شخص جسے خدا اور رسول اس منصب جلیل کے لئے نامزد کردیں اور دوسرا وہ جو لوگوں کے اجماع وشوری یا اپنے قہر وغلبہ سے مسند خلافت پر بیٹھ جائے۔ جس خلافت وامامت کا خدا اور اس کے رسول کے نصب وتقرر سے تعلق ہے۔ وہ تو بنص حدیث ثقلین ودیگر نصوص قطعیہ عترت رسولؐ یعنی آئمہ اہلبیتؑ میں منحصر ہے۔ اس حدیث سے تقریب استدلال باب سوئم میں مذکور ہو چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ اگر لوگ آیات الٰہی واحادیث نبویہ اور دلائل عقلیہ کو پس پشت ڈال کر اپنی ہوا وہوس کے مطابق جسے چاہیں اپنے لئے خلیفہ وامام منتخب کرلیں تو ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے کیونکہ بحیثیت امت رسولؐ ہونے کے ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم صاحب شریعت مقدسہ کے فرمان واجب الاذعان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ان کے مقرر کردہ خلفاء کو اپنا دینی ودنیوی مقتدا و پیشوا سمجھیں۔ بنابریں ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ خلافت الہیہ جو بدلیل "حدیث اثنا عشر خلیفہ" وبدلیل بعد دنقباء بنی اسرائیل وبدلیل اتفاق فریقین بارہ کے عدد میں منحصر ہے وہ آئمہ اہلبیت ہی کا حق ہے۔ نہ ان سے پہلے کسی کو حاصل ہوئی اور نہ ان کے بعد قیامت تک کسی اور کو حاصل ہوگی۔ حدیث ثقلین کی لفظیں یہ ہیں کہ "انی تارک فیکم الثقلین" مکرراً ثابت کیا جاچکا ہے کہ آنحضرت اس پیرائے میں اپنے خلفاء کا تقرر وتعین فرما رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خلافت الٰہی "ثقلین" میں منحصر ہے اگر انکے علاوہ ان سے پہلے یا ان کے ساتھ یا ان کے بعد کوئی اور بھی خلیفہ رسولؐ ہوتا تو جس طرح آنحضرتؐ نے "ثقلین" کا تعارف کرایا تھا اسی طرح اس خلیفہ کا بھی تعارف کراتے اس

کا نام ونشان بتلاتے لیکن یقیناً جب ایسا نہیں کیا تو آپ کے سکوت نے یہ امر واضح کر دیا۔
کہ قرآن اور عترت کے علاوہ آپکا اور کوئی خلیفہ و جانشین نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ایک
بدو نے پہلے صاحب سے استفسار کیا اأنت خلیفۃ رسول اللہ؟ ''کیا آپ خلیفۂ رسول ہیں'' تو
بموجب الحق یجری علی اللسان آپ نے جواب دیا ''لا'' نہیں۔ بدو نے کہا فما انت؟
پھر آپ کیا ہیں؟ فرمایا: ''انا الخالفه'' میں (خلیفہ نہیں) بلکہ خالفہ ہوں (ملاحظہ ہو نہایہ ابن
اثیر ج ا ص ۳۵۰ طبع مصر) (نوٹ) اس کے بعد نہایہ میں خالفہ کے یہ معنی لکھے ہیں ''فاما
الخالفه فهو الذی لا غناء عنده و لا خير فيه اور قاموس میں یہ معنی لکھنے کے بعد ایک
اور معنی کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ ہے ''احمق'' (ملاحظہ ہو قاموس) مخفی نہ رہے کہ ابن اثیر نے
خالفہ کے مذکورہ بالا معنی لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ قالہ ھضما لنفسہ یعنی آپ نے کسر نفسی کے طور
پر ایسا کہا ہے'' یہ تاویل بالکل رکیک اور دور از حقیقت ہے کسر نفسی بھی موقع ومحل پر ہوتی ہے۔
یہ کسر نفسی تو بلا تشبیہ ایسی ہے۔ کہ جیسے کسی نبی سے آکر کوئی کہے کہ کیا آپ نبی ہیں؟ اور آپ
جواباً فرمائیں کہ نہیں میں تو ایک نالائق آدمی ہوں۔ یا کسی مجتہد وجید عالم سے جب اس کے
اجتہاد کے بارے میں سوال کیا جائے تو وہ یہ کہدے کہ میں تو ایک احمق ہوں و لا یخفی
... کا کتہ۔
... یح ہے کہ

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

لہذا ماننا پڑے گا کہ آپ نے جو کہا وہ صحیح کہا ہے۔ لان الحق يجری علی
اللسان۔ بحمدہ تعالیٰ قطع نظر باقی ادلہ و براہین کے اس حدیث شریف سے آئمہ اہل بیت کی
خلافت بلافصل ثابت ہو جاتی ہے اور اس کے ثبوت کے ساتھ ساتھ اجماعی و شورائی وغیرہ
خلیفوں کی خلافت کا بطلان بھی واضح وعیاں ہو جاتا ہے۔

اس حدیث شریف اور دیگر نصوص خلافت کا اطلاق ہی ہمارے دعوی یعنی آئمہ اہل بیت کی خلافت بلا فصل ثابت کرنے کی قطعی دلیل ہے۔ جب خدا نے فرمادیا کہ تمھارا ولی و امام علی ابن ابی طالب ہے (بمطابق تفسیر رسولؐ) اور رسولؐ نے فرمادیا کہ میرے بعد میرا خلیفہ علیؑ اور اسکے بعد ان کی اولاد میں سے فلاں فلاں گیارہ فرزند امام ہوں گے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتے کہ یہ بزرگوار آنخضرت کے انتقال پر ملال کے بعد ''بلا فصل'' آپ کے خلیفہ و جانشین ہوں گے۔ کما لا یخفی علی العوام فضلا عن العلماء الاعلام.

اگر ان نصوص سے خدا اور رسول کا مقصد یہ ہوتا کہ علی خلیفہ تو ہوں گے۔ مگر تین خلیفوں کے بعد جیسا کہ حضرات اہلسنت کہتے ہیں۔ تو معاذ اللہ یہ کلام معجز نظام نہ فقط فصاحت و بلاغت سے گر جائیگا۔ بلکہ بالکل لغو و مہمل ہو کر رہ جائیگا مزید توضیح کے لئے ہم ایک عرفی مثال پیش کئے دیتے ہیں اس میں تامل کرنے سے سب کے عقدے حل ہو جائیں گے اگر کوئی بادشاہ یہ اعلان کرے کہ میرے بعد فلاں میرا جانشین ہوگا تو اس سے ہر صاحب عقل و دانش کیا سمجھتا ہے'' یہی نا کہ وہ شخص بلا فاصلہ اس کا نائب سلطنت ہوگا۔ آیا کوئی عقل اس امر کی صحت میں شبہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی منچلا (بلکہ کج فہم) اس مقام پر یہ کہہ دے کہ چونکہ بادشاہ نے بلا فصل کی قید نہیں لگائی اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص میرا جانشین ہوگا مگر تین جانشینوں کے بعد تو کیا عقلائے روزگار اسکی حماقت و جہالت پر اظہار نہیں کریں گے؟ اور کیا اس کو احمق و بے وقوف نہیں کہیں گے؟ [illegible] شخص خالق اور حضرت سید الانس والجنان کے کلام معجز نظام سے یہی معنی مراد لے تو کیا اس کی حماقت و جہالت قابل تعجب نہیں ہوگی؟ اس بیان نیر البرہان سے واضح و عیاں ہو گیا۔ کہ لفظ بلا فصل بڑھانے کی ہرگز ضرورت نہیں تھی اطلاق نصوص ہی اس قید سے بے نیاز کر دیتا ہے بس جو

ب بمصداق ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہماری دلیل کے مقابلہ میں یہی آڑ لینے کی کوشش کرتے
ں۔ کہ اس میں بلافصل کا لفظ نہیں ہے'' قرآن اور حدیث سے بلافصل کا لفظ دکھاؤ نہیں ان
مروضات کی روشنی میں اپنے اس عذر بارد پر غور و تامل اور نظر ثانی کرنی چاہیئے۔ فافہم و
تتنم۔

(مطلب چہارم)

قیامت تک قرآن کے ساتھ عترت کی بقا کا اعلان

اس مطلب پر چند ادلہ و براہین قائم ہیں۔

(۱) حدیث ثقلین میں مخبر صادقؐ خبر دے رہے ہیں۔ کہ قرآن اور عترت قیامت تک
یک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ جس طرح قرآن آج موجود ہے اسی طرح آئمہ اہل
بیت میں سے بھی کسی فرد کامل کا موجود ہونا لازمی ہے۔ ورنہ مخبر صادقؐ کی پیشگوئی غلط
ہو جائیگی۔

(۲) اس حدیث شریف میں قرآن اور عترت کے ساتھ تمسک و اعتصام کرنے کا حکم دیا
گیا ہے ظاہر ہے کہ یہ حکم قیامت تک پیدا ہونے والے سب مسلمانوں سے متعلق ہے۔ یہ
تمسک جب ہی ہوسکتا ہے کہ ہر زمانہ میں قرآن بھی موجود ہو اور اس کے ہمراہ آئمہ اہلبیت کی
کوئی فرد بھی عرصہ وجود میں ہو یہ ایسا واضح مطلب ہے جس کا ابن حجر مکی جیسے متعصب حضرات
بھی اقرار و اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ چنانچہ صواعق محرقہ طبع جدید پر رقمطراز ہیں
''ویستفاد من مجموع ذلک بقاء الامور الثلاثہ الی قیام الساعة'' یعنی ان سب
شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک تین امور (قرآن و سنت اور عترت) کا موجود ہونا
ضروری ہے'' صاحب جواہر العقدین لکھتے ہیں: ''یفهم من هذا الخبر وجود من یکون

اھلاً للتمسک من اھل البیت والعترۃ الطاھرۃ فی کل زمان الی قیام الساعۃ''۔

(۳) آیہ مبارکہ ''وکونو مع الصادقین'' سے بھی ہر زمانہ میں ایک صادق کا موجود ہونا لازمی سمجھا جاتا ہے جس کی معیت اختیار کی جاسکے جیسا کہ ہم اس آیت کے ذیل میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ حتی کہ امام فخرالدین رازی نے بھی اس امر کا اعتراف کرلیا ہے چنانچہ وہ اپنی تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں'' فلذا نعترف بانہ لا بدمن معصوم فی کل زمان، الخ' اسی لئے ہم اقرار واعتراف کرتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم ہستی کا وجود ضروری ہے'' یہ اور بات ہے کہ انہوں نے اس معصوم سے مراد اجماع امت لیا ہے۔ جس کا بطلان ہم اسی آیہ کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

(۴) آیت مبارکہ ''یوم ندعو کل اناس بامامھم'' سے بھی ہر زمانہ میں ایک امام کا موجود ہونا سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ موقف حساب میں یا اتباع فلاں وفلاں کہہ کر لوگوں کو پکارا جائے گا۔ چنانچہ تفسیر ترجمان القرآن پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ص ۲۴۱ پر ذیل تفسیر آیۃ مذکورہ لکھا ہے۔'' علی ابن ابی طالب نے کہا مراد امام سے امام عصر ہے اہل عصر مراد اپنے امام کے بلائے جائیں گے۔ جس کے امرونہی پر چلتے تھے الخ۔ اسی طرح آیہ فی ہدایتہ انما انت منذرولکل قوم ھاد بھی اس امر پر دلیل فصیح ونص صریح ہے۔

(۵) آنخضرت کی نہایت مشہور ومعروف حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا ''من مات و لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ'' جو شخص مرجائے اور اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل نہ کرے وہ جاہلیت (یعنی کفروشرک) کی موت مرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو جمع بین الصحیحین للحمیدی و کنز العمال ج ۳ ص ۲۰۰ باسناد طبرانی وابونعیم اصفہانی اور ص

۱۹۸ باسناد احمد باختلاف یسیر) یہ حدیث شریف بھی اس امر پر نص صریح ہے کہ ہر زمانہ میں ایک امام کا وجود ضروری ہے جس کی معرفت لوگوں پر واجب و متحتم ہے کوئی صاحب علم و انصاف اس کے مفاد و معنی میں ہرگز خدشہ نہیں کرسکتا کتب سیر و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رسول نے بھی اس حدیث سے یہی معنی سمجھے تھے۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمر کے حالات میں لکھا ہے کہ جب عبدالملک ابن مروان مسند خلافت پر مسلط ہوئے تو جناب عبداللہ کو رات کے وقت اس کی اطلاع ملی۔ چنانچہ وہ اسی وقت حجاج ابن یوسف ثقفی کے پاس اس غرض سے گئے کہ اس کے ہاتھ پر عبدالملک کے لئے بیعت کریں۔ تو حجاج نے کہلا بھیجا کہ اب وقت نہیں صبح تشریف لائیے گا۔ جس پر عبداللہ ابن عمر نے اس حدیث شریف سے تمسک کرتے ہوئے کہا کہ رسول نے فرمایا ہے" من مات الخ۔۔۔ لہذا میں ایک رات بھی بغیر بیعت و معرفت امام کے نہیں گذارنا چاہتا۔

اور اس حدیث سے اجماع وغیرہ مراد لینے کا بطلان محتاج بیان نہیں ہے۔ فتدبر و تشکر۔

(۶) کتاب کنز العمال ج ۵ ص ۲۳۱ پر بحوالہ ابن الانباری در مصاحب ابونعیم در حلیہ اور ابن عساکر در تاریخ۔ اسی طرح تذکرہ خواص الامہ ۸۳ طبع ایران السئول ص ۱۴۸ ایران مع تذکرہ۔ حضرت رسول خداؐ سے مروی ہے کہ فرمایا" لا تخلو الارض من قائم لله بحجته اما هو ظاهر مشهور واما خائف مغمور لئلا تبطل حجج الله و بيناته" یعنی زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی خواہ ظاہر و مشہور ہو یا خوف زدہ اور مستور ہوتا کہ خدا کے حجج و بینات اور تحقیقات باطل و عاطل نہ ہو جائیں" ایسا ہی حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا" الارض لا تخلو من حجة لله اما ظاهر مشهور و اما خائف مستور (نہج البلاغہ) الی غير ذلك من الادلة القاطعة والبراهين الساطعة" پس ان دلائل و براہین سے جہاں یہ واضح و لائح ہوگیا کہ ہر زمانہ میں ایک امام کا وجود ضروری ہے ہاں اس

ے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ہمارے اس موجودہ زمانہ میں بھی ایک امام کا وجود ذی جود عرصہ
حیات میں موجود ہے اور باتفاق الفریقین وہ نہیں ہے مگر حضرت ولی عصر امام زمان حضرت حجۃ
ابن الحسن عجل اللہ تعالی فرجہ، پس قطع نظر دیگر خصوصی دلائل و براہین کے یہی عمومی ادلہ قاطعہ ہی
آنجناب کا وجود ذی جود ثابت کرنے کے لئے کافی ووافی ہیں۔ والحمد لله رب العالمین
(نوٹ) آنجنابؑ کے وجود مبارک پر تفصیلی ادلہ مع رفع شبہات کتاب اثبات الامامہ میں مذکور
ہوچکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

(مطلب پنجم)

آئمہ اہل بیت ہی وارثان علم کتاب ہیں

اب تک جو کچھ اس حدیث شریف کے متعلق لکھا جا چکا ہے اس کو پیش نظر رکھنے
کے بعد یہ امر تسلیم کرنے میں ہرگز کسی قسم کا تامل وتردد باقی نہیں رہتا کہ آئمہ اہل بیت علیہم
السلام ہی آنحضرتؐ کے بعد حقیقی وارثان علم کتاب ہیں اور آیہ وافی ہدایۂ ''ثم اورثنا
الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا'' (پھر ہم نے کتاب (قرآن) کا وارث ان لوگوں کو
قرار دیا ہے جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کرلیا ہے) انہی بزرگاروں کی شان میں
نازل ہوئی ہے چنانچہ مناقب ابن مردویہ میں مروی ہے کہ ''انھا نزلت فی علی'' کہ یہ آیہ
مبارکہ حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ ابن مردویہ کا حضرت علی علیہ السلام کے
حق میں اس کا نزول تسلیم کرنا بھی دوسرے آئمہ طاہرین کی اس میں شمولیت کے لئے کافی
ہے۔ ''لا نھم فی العلم والفضل شرع سواء'' تاہم اگر دوسرے آئمہ علیہم السلام کے
اس میں داخل ہونے کی تصریح دیکھنا مطلوب ہو تو ینابیع المودۃ ص ۳۶ ملاحظہ ہو حضرت امام
رضا علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ایک طولانی حدیث مروی ہے جس کے ضمن

میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ المراد بذلک العترة الطاهرة یعنی خداوند عالم کے ان منتخب بندوں سے مراد عترت طاہرہ ہے"۔ (علیہم السلام)

قطع نظر دیگر دلائل و براہین کے حدیث ثقلین اس امر کے اثبات کے لئے کافی و وافی دلیل ہے۔ کیونکہ آنحضرت نے قرآن وعترت کو "ثقلین" کے جلیل القدر لقب سے ملقب کر کے ایک کو دوسرے کا قرین و تالی قرار دے کر امت کو ان کے ساتھ تمسک و اعتصام کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ صرف یہ حکم دینے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے ظاہر ہے کہ ان تاکیدات اکیدہ کا مطلب یہی ہے کہ رہبر اسلام اپنی امت کی راہنمائی کرتے ہوئے انہیں یہ حکم دے رہے ہیں کہ علوم و معارف قرآن کو میری عترت سے حاصل کرنا۔ قرآن وعترت کا چولی و دامن کا سا تعلق ہے جو کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ واضح ہے کہ ایسا تب ہی ممکن ہے کہ جب ان بزرگواروں کے پاس پورے قرآن کا علم موجود ہو اور وہ کما حقہ اس کی تاویل و تنزیل سے واقف و آگاہ ہوں یہی وجہ ہے کہ اہل بیت رسول کی نمایاں ترین فرد صاحب لو کشف الغطاء حضرت علی علیہ الاف التحیۃ و الثناء فرمایا کرتے تھے۔ سلونی عن کتاب الله فانه لیس من آیة الا وقد عرفتها بلیل نزلت ام بنهار الخ۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۶ طبع جدید مصر) نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ سلونی سلونی قبل ان تفقدونی فانی اعلم بطرق السماء من طرق الارض۔ حتی کہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص ۱۲۵ طبع جدید پر یہ اقرار کیا ہے کہ "لم یکن احد من الصحابة یقول سلونی الا علی" یعنی صحابہ رسول میں سوائے علی کے اور کوئی شخص دعوائے سلونی نہیں کرتا تھا۔ اور بھلا کوئی یہ بلند و برتر دعوی کر ہی کیوں کر سکتا تھا جبکہ خداوند عالم نے یہ علمی وراثت آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے مختص فرما دی تھی۔ یہ وہ فضیلت عظمی ہے جس کی عظمت و جلالت کے بیان سے قلم و زبان

عاجز و حیران ہیں۔ ان بزرگواروں کو اس کتاب کا وارث بنایا جا رہا ہے جس کا دعوی ہے کہ "تبیانا لکل شئی" (اس میں ہر شیء کا بیان موجود ہے) وہ بانگ دہل کہہ رہی ہے "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" کوئی خشک و تر چیز نہیں جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ وہ تو اپنے متعلق یہاں تک ادعا کر رہی ہے کہ "لو ان قرآنا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتی بل لله الا مر جمیعا" قرآن وہ بابرکت کتاب ہے کہ اگر اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جائیں یا زمین طے کی جائے یا مردوں سے کلام کیا جائے (تو ہوسکتا ہے) بلکہ سب معاملات کی باگ ڈور دست قدرت میں ہے۔ انہی مذکورہ بالا امور میں کیا انحصار ہے؟ بلکہ جس مہم کام کو قرآن کے ذریعے سرانجام دینے کی کوشش کی جائے وہ سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ اس ہمہ صفت موصوف کتاب کی وراثت آئمہ اہل بیت کے سپرد کردی گئی ہے وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ (ولکنھم ما یشائون الا ان یشاء اللہ)

تو اب ان کے فضائل و مناقب و مفاخر و مآثر اور محامد و معاجز کا اندازہ لگانا بہت ہی مشکل ہے۔ المختصر اس ہمہ گیر قدرت و طاقت کے بعد ان بزرگواروں کے علمی و عملی، جسمانی و روحانی فضائل و کمالات و معجزات و کرامات کا کوئی صاحب عقل سلیم و فہم مستقیم انکار نہیں کرسکتا بھلا وہ شخص جسے "علم من الکتاب" کتاب کا تھوڑا سا علم حاصل تھا (آصف بن برخیا) چشم زدن میں ہزاروں میل کے فاصلہ سے تخت بلقیس حاضر کرسکتا ہے۔ تو جن کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ (آئمہ طاہرین علیہم السلام) وہ اگر اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے ہوئے ہاتھ بڑھا کر جنت سے میوے منگالیں (مدینۃ المعاجز) بلکہ ڈوبتے آفتاب کو واپس پلٹا دیں تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے؟ اگر صاحب انجیل (حضرت عیسی) مقام اعجاز میں مردے زندہ کرسکتے ہیں تو اگر صاحبان قرآن مقام اعجاز میں مردے زندہ کردیں تو کون سی قابل انکار

حقیقت ہے۔ (بحار الانوار) وارث زبور (حضرت سلیمانؑ) تخت پہ بیٹھ کر ایک مہینہ کی راہ کو
صبح اور ایک ماہ کی راہ کو بوقت شام طے کر سکتے ہیں تو جو وارثان قرآن ہیں وہ اگر چشم زدن
میں مدینہ سے مدائن پہنچ کر حضرت سلمان محمدی کو دفن کر کے پھر مدینہ واپس پہنچ جائیں تو اس
میں کون سا استبعاد ہو سکتا ہے؟

اگر صاحب صحف (حضرت ابراہیم) اپنے مقام پر بیٹھ کر ملکوت آسمان و زمین کی
سیر کر سکتے ہیں تو اگر صاحبان قرآن اپنے مقام پر بیٹھ کر تمام عوالم امکانیہ کی سیر کر لیں تو اس
میں کونسا تعجب خیز امر ہے؟

(عین الحیوۃ) اگر حضرت عیسی لوگوں کو ان کے خانگی امور کی خبر دے سکتے ہیں تو اگر
فخر عیسی فرش پر بیٹھ کر عرش علا و تحت الثری جنت و نار کے اخبار سنا دیں تو اس کا کس طرح
انکار کیا جا سکتا ہے؟ (اصول کافی) خلاصہ یہ کہ

ے فضائل آنہا بگفتگو ممکن نیست
گنجائش بحر در سبو ممکن نیست

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم،

جب ان فضائل و فواضل کے مالک بزرگوار یہ کہہ دیں کہ "انا عبد من عبید رسول
اللہ" (ارشاد حضرت علیؑ مندرجہ اصول کافی) تو پیغمبر اسلام کے فضائل و کمالات کے متعلق
سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ:

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور جب یہ فخر موجودات یہ کہتے ہوئے نظر آئیں کہ "انا عبد من عباد اللہ" میں
خداوند عالم کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں تو اس خدا کی رفعت مکان و عظمت شان کے
متعلق سوائے سورہ توحید تلاوت کرنے کے اور کیا لب کشائی کی جا سکتی ہے۔ ع

قلم انجا رسید و سر بکشت

سبحان من ہو ھکذا و لا ھکذا غیرہ

ان حقائق کی روشنی میں یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ جن کم عقلوں میں غلو وتفویض ایسے باطل عقیدے آئمہ اطہار کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔ وہ درحقیقت عظمت خالق جبار نہ سمجھنے کی پیداوار ہیں۔ ورنہ جن لوگوں کے قلوب عظمت خالق کے انوار سے منور و معمور ہیں وہ ہرگز کسی بندے کے حق میں غلو نہیں کرسکتے۔ بلکہ وہ خاصانِ خدا کے ان کمالات کو خداوند عالم کے کمالات کا آئینہ دار بلکہ دانہ از انبار و قطرہ از بحار سمجھتے ہیں اور ان کے انکار کو قدرت کے انکار کا مترادف قرار دیتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہوتا ہے اور یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

(مطلب ششم)

آئمہ دین کے علوم و فیوض کی طرف امت کی احتیاج اور ان کی امت سے بے نیازی

یہ ایسا واضح مطلب ہے کہ سابقہ مطلب کے اثبات کے بعد اس کا ثابت کرنا کسی بیان کا محتاج نہیں ہے تاہم مزید توضیح کے لئے چند وجوہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے

(اولا) ظاہر ہے کہ تمام مسلمان بلکہ تمام بنی نوع انس و جان علوم و معارف قرآن حاصل کرنے کے محتاج ہیں اور ثابت کیا جاچکا ہے کہ ہر شخص مطالب و معانی قرآن کو نہیں سمجھ سکتا بلکہ اس کے لطائف و معارف اور حقائق و دقائق کا علم خداوند عالم نے ایک مخصوص جماعت کے پاس ودیعت فرمایا ہے۔ سابقہ تحقیقات بالخصوص ابھی مطلب پنجم میں یہ امر مبین و مبرھن کیا جاچکا ہے کہ سرکار ختمی مرتبت کے بعد وہ مخصوص جماعت جسے وارث علم کتاب ہونے کے

اعزاز سے معزز کیا گیا ہے وہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں کوئی اور نہیں ہے اب جو شخص بھی حقیقی علم قرآن حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اسی معدن تنزیل وتاویل کے دروازہ پر آنا پڑے گا۔ وھوالمقصود۔

(ثانیا) اسی حدیث ثقلین میں ان آئمہ انس و جان کو عدیل وقرین قرآن قرار دے کر سب لوگوں کو ان سے تمسک یعنی ان سے علوم و معارف قرآن اور احکام وقوانین اسلام حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ان کو کسی سے کچھ تعلیم وتلقین حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ امر اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ سب لوگ ان کے فیوض و برکات کے محتاج ہیں لیکن یہ سب سے مستغنی و بے نیاز ہیں۔

(ثالثاً) حدیث شریف کے بعض طرق میں یہ تتمہ موجود ہے ''لا تعلموھم فانھم اعلم منکم'' (صواعق محرقہ بحوالہ طبرانی وغیرہ) اے لوگو! تم ان (آئمہ اہل بیت) کو تعلیم نہ دینا کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں یہ فقرہ شریفہ ہمارے مدعا پر نص صریح ہے اس سے بڑھ کر اور کیا صراحت وضاحت ہوسکتی ہے کہ پہلے آنحضرت نے سب لوگوں کو ان بزرگواروں سے علوم و معارف حاصل کرنے کا حکم دیا۔ پھر دوسرے لوگوں کو ان بزرگوروں کو تعلیم وتلقین دینے کی ممانعت فرمائی پھر اس ممانعت کی وجہ بھی بیان کردی کہ یہ حضرات تم سب سے زیادہ عالم ہیں اس میں مسلم قاعدہ ترجیح مرجوح براجح اور تقدیم مفضول بر فاضل کے قبح کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ شیخ الرئیس نے حضرت امیر علیہ السلام کے متعلق کیا خوب کہا ہے کہ **استغنائه عن الکل و احتیاج الکل الیه دلیل علی انه امام الکل** یعنی آنجناب کا سب لوگوں سے استغناء اور سب لوگوں کی آپ کی طرف احتیاج اس امر کی دلیل ہے کہ آپ سب لوگوں کے امام ہیں۔ بعینہ یہی دلیل دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں بھی جاری وساری ہے

لی انهم آئمة الکل '' افسوس مسلمانوں نے ان تمام حقائق کو پس پشت ڈال کر ان لوگوں
واپنا امام بنالیا اور ان سے معالم دین اور معارف کتاب مبین حاصل کرنے شروع کر دیے۔
خود اپنی رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت میں آئمہ اطہار کے محتاج تھے۔

''افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یهدی الا ان یهدی مالکم
یف تحکمون؟ جن سے تمسک و اعتصام کرنے، شریعت اسلام کے احکام حلال و حرام
ے اخذ و تعلم کا حکم دیا گیا تھا۔ ان کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا۔ شعرانی نے تو قیامت ہی
ردی اپنی کتاب المیزان الکبری میں شریعت مقدسہ اسلام کو ایک چشمہ کے ساتھ تشبیہ دیتے
ئے یہ ثابت کیا ہے کہ فقہاء اربع ابو حنیفہ و شافعی و مالک اور احمد بن حنبل وغیرہ جیسے محمد و
یوسف و داؤد اور مفسرین قرآن جیسے ابن مسعود و مجاہد و سدی و قتادہ وغیرہ سب اس سرچشمہ
، فیض سے فیض حاصل کر رہے ہیں لیکن ان میں آئمہ طاہرین میں سے کسی بزرگ کا نام
ک ذکر نہیں کیا۔ جو اپنے جد امجد کی شریعت سے استفادہ وہ استفاضہ کر رہا ہو۔

ع۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجمی است

ہے کہ ''انک لا تهدی من احببت و لکن الله یهدی من یشاء الی صراط
ستقیم'' ---۔ چنانچہ مسلمانوں کی اس بے راہ روی اور بے انصافی کا احساس اور اعتراف
ں منصف مزاج علماء اہل سنت نے بھی کیا ہے چنانچہ علامہ وحید الزمان اپنی کتاب انوار
لہ پارہ ص ۴۰ بذیل شرح حدیث ثقلین رقمطراز ہیں ''اور مقلدوں نے کیا کیا زبانی محبت
بیت کی ڈینگ مارتے ہیں لیکن عملاً ذرہ بھی اہل بیت کی طرف توجہ نہیں۔ جہاں دیکھو
نیفہ، شافعی اور ابو یوسف محمد بن حسن و زفر کے اقوال بھرے ہوئے ہیں میں نے آج تک
حنفی یا شافعی کو نہیں دیکھا کہ صادق یا امام باقر یا دوسرے اہل بیت کے اقوال تلاش کر کے

(مطلب ہفتم)

آئمہ اہل بیت کی عصمت وطہارت کا اثبات

قطع نظر باقی ادلہ و براہین کے یہی حدیث ثقلین آئمہ طاہرین کی عصمت وطہارت پر چند وجہ دلالت کرتی ہے۔۔

(۱) سابقاً مبین ومبرھن کیا جا چکا ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے تمام امت کو ضلالت وگمراہی سے بچنے اور جادہ ورشد وہدایت پر چلنے کے لئے قرآن وعترت کے ساتھ تمسک کرنے کو واجب ولازم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد تب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب عترت طاہرہ اپنے قرین وعدیل یعنی قرآن مجید کی طرح ہر قسم کی علمی وعملی خطاء ولغزش سے منزہ ومبرا اور درجہ عصمت پر فائز ہو ورنہ اس کی اتباع موجب رشد وہدایت نہیں ہو سکے گی۔

(۲) مخبر صادق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے کہ قرآن وعترت قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس عدم مفارقت کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ قرآن ہمیشہ عترت کے گلے میں لٹکا رہے گا۔ یا ان کے سینہ میں بند رہے گا۔ کیونکہ ایسے لوگ تو ہزاروں نہیں لاکھوں مل جائیں گے۔ جو قرآن کو بطور تعویز گلے میں باندھے ہوئے ہیں اور دل ودماغ میں حفظ کیے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یہ بزرگوار اپنے ہر قول وفعل میں قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ہر حال میں ان کے ساتھ ہوگا لہذا اگر عمداً یا سہواً ان ذوات مقدسہ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو پھر لازم آئے گا وہ قرآن سے جدا ہو جائیں حالانکہ یہ امر مستلزم تکذیب رسول ہے لہذ ماننا پڑے گا کہ یہ حضرات مہد سے لے کر لحد تک ہر حال میں ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے محفوظ ومصون ہیں اور کسی ہستی کے معصوم ہونے کے یہی معنی ہیں نہ کوئی اور؟

(۳) اس حدیث شریف کے بعض طرق و اسانید میں مروی ہے (کما تقدم) کہ آنحضرت نے فرمایا "انہم لن یدخلوکم باب ضلالہ ولن یخرجوکم من باب ھدی۔ کہ یہ بزرگوار تمہیں کبھی چاہ ضلالت میں نہیں گرائیں گے اور جادہ رشد و ہدایت سے کبھی خارج نہیں کریں گے۔" ظاہر ہے کہ جو ہستی کسی حال میں بھی اپنے پیروؤں کو جادۂ مستقیم سے نہ ہٹائے اور کبھی چاہ گمراہی میں نہ گرائے اس ہستی کو معصوم کہا جاتا ہے۔ و ھو المقصود و قد حصل بعون اللہ الودود۔

(مطلب ہشتم)

(مذہب وہی برحق ہے جو قرآن و عترت کے مطابق ہے)

یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ جو دین اسلام خدا نے بنایا جو مصطفیؐ نے پہنچایا جو ادیان باطلہ کو مٹا کر ساری کائنات کو ایک سیدھے راستہ پر چلانے کے لئے آیا۔ وہ خود اختلاف و انتشار کا شکار ہو گیا اور ایک اسلام کے بہتر ۷۲ اسلام بن گئے اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ آج ہر فرقہ اپنے آپ کو برحق اور دوسرے تمام فرقوں کو باطل قرار دے رہا ہے۔ عقل حیران اور ناطقہ سر بگریباں ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی ایک طویل الذیل داستان ہے۔ جس پر ہم نے فی الجملہ اثبات الامامت میں تبصرہ کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ سب کچھ خاندان رسالت کے دامن کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے کہ آنحضرت امت کو جس پلیٹ فارم پر چھوڑ کر گئے تھے امت نے وہ پلیٹ فارم چھوڑ دیا۔ جس خانوادہ کا تعارف کرا کے گئے تھے امت نے اس خاندان کو بھلا دیا اور آپ جو دروازہ امت کو دکھا کر گئے تھے امت نے وہ دروازہ جلا دیا اس کا قدرتی اور فطری نتیجہ یہ نکلا کہ

ف و تشعبت شعبا فکل جزیرۃ

فیھا امیرالمؤمنین و منبر

ب رہی یہ بات کہ ان میں برحق کون ہے اور ناجی کون؟ تو یہ عقدہ حدیث ثقلین نے حل کردیا۔ کیونکہ اس میں مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ وضاحت اور صراحت کردی ہے کہ حق وصدق تمسک بالقرآن والعترۃ میں ہے اور نجات اور اخروی فوز وفلاح کا راز اتباع ثقلین میں مضمر ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں اور فریقین کے دوسرے علماء محققین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مذہب وہ برحق ہے جو قرآن وعترت کے مطابق ہے۔۔۔

اب رہی اس بات کی تحقیق وتدقیق کہ تمام فرقہائے اسلام میں سے کون سا فرقہ متمسک بالثقلین ہے؟ دعوی تو سب کرتے ہیں کہ وہ متمسک بالثقلین ہیں لیکن خدالگی بات تو یہ ہے کہ اس معیار پر صرف شیعیان علی حیدر کرار ہی پورے اترتے ہیں۔ یہی وہ فرقہ ہے کہ جو پیغمبر اسلامؐ کے بعد اپنے دین ودنیا کا مرکز، رشد وہدایت کا معدن اور اپنے دین ودنیا کے رہنما وپیشوا عترت اہل بیت کو جانتا ہے اور انہی کو سب کچھ مانتا ہے اس کے نزدیک مفسر قرآن ہی تو اہل بیت محدث وحدیث دان ہیں تو اہل بیت، امام ہیں تو اہلِ بیت، خلیفہ و جانشین رسول ہیں تو اہل بیت اور دین ودنیا کے رہبر وراہنما ہیں تو اہل بیت شیعہ اتباع کرتے ہیں تو نبی کے بعد اہل بیت نبی کی اور اطاعت کرتے ہیں تو خدا اور مصطفیٰ کے بعد خانوادہ مصطفیٰ کی۔ وہ واجب الاتباع ومفترض الطاعہ جانتے ہیں تو خانوادہ مصطفیٰ کو اور دودمانِ مرتضیٰ کو وہ محبت کرتے ہیں تو عترتِ اہل بیت سے اور ان کے محبوں سے اور عداوت کرتے ہیں تو عترت اہل بیت کے دشمنوں سے اور ان کے دشمنوں کے دوستوں سے

تو اور حدیث دان ہیں تو اور ان کے مرشد و راہنما ہیں تو اور؟ زبانی طور پر تو وہ سب کچھ اہل بیت کو مانتے ہیں مگر عملی طور پر ان کو کچھ بھی نہیں جانتے وہ سب کچھ اوروں کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں۔

ع۔ اینہما ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

چنانچہ مولانا وحید الزمان اپنی کتاب الانوار پ ۱۸۸ص ۱۴ پر لکھتے ہیں ''حنفیوں اور شافعیوں اور خوارج وغیرہ نے قرآن کو لے لیا اور عترت کو چھوڑ دیا ان کی کتابوں میں جہاں دیکھو ابو حنیفہ اور شافعی کے اقوال بھرے پڑے ہیں''۔۔۔ اسی وجہ سے حضرت رسول خداؐ نے فرمایا تھا۔ ''یا علی انت و شیعتک هم الفائزون یوم القیامه'' الحمد اللہ علی وضوح الحق والحقیقه

ے کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو خودسر چڑھ بولے

☆☆☆☆☆

باب ششم

ثقلین کے ساتھ امت کی بدسلوکیاں

آہ آہ تاریخ اسلام کا یہ وہ خون چکاں اور جانگسل باب ہے جس کی تحریر سے قلم دو زبان عاجز و حیران ہے اور تقریر ناطقہ سر بگریبان ہے۔

من از تحریر ایں غم ناتوانم
کہ تصویرش زدہ آتش بجانم
مرا طاقت نباشد از شنیدن
شنیدن کے بود مانند دیدن

آیا پہلو میں حساس دل اور کاسہ سر میں بیدار مغز رکھنے والے کسی شخص کے دل و دماغ میں اس بات کا تصور بھی آسکتا تھا کہ وہ ذوات قدسی صفات جن کی تجلیل و تجمیل اور تعریف و توصیف میں پیغمبر اسلام کی ساری زندگی گذر گئی جن کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ رویہ و رفتار اختیار کرنے کی امت کو وصیتیں کرنے میں آپ کی عمر ختم ہوگئی جو خود تمام صفات کمالیہ اور فضائل نفسانیہ میں سر آمد روزگار اور آیات و حجج پروردگار میں سے تھے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا جس کی وجہ سے قدسیوں میں صف ماتم بچھ جائے گی۔ آسمان سے خون برسے گا، ہر حجر و مدر اور شجر سے لہو ٹپکے گا (صواعق محرقہ و سر الشہادتین وغیرہ) اور آنحضرتؐ لحد میں خاک ڈالے ہوئے نظر آئیں گے۔

مگر آہ جس امر کے تصور سے بھی اہل دل قاصر و عاجز تھے نام نہاد مسلمان وہ کام کر

ذات کو خبر نہ تھی۔ کیونکہ وہ محسن اعظم جو بار بار اپنی امت کو ان حضرات کے ساتھ حسن سلوک
کرنے کی تعلیم و تلقین کرتا رہتا تھا وہ باعلام ایزدی یہ جانتا تھا کہ آپ کے انتقال پر ملال کے
بعد اس کی امت جفا کار اس کی عترت کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟ اس لئے اتمام حجت کی
غرض سے آپ اس سلسلہ میں بہت تاکید و اہتمام فرمایا کرتے تھے اور وہ جناب بطور پیشن
گوئی ان مصائب و آلام کی خبر دے گئے تھے جو آپ کی عترت پر وارد ہونے والے تھے
چنانچہ ابو سعید خدری حضرت رسول خدا سے روایت کرتے ہیں فرمایا: انا اهل البيت اختار
الله لنا الاخرة على الدنيا و ان اهلبيتى سيلقون بعدى بلاءً و تطريداً و
تشريداً۔ ہم وہ خانوادہ ہیں جن کے لئے خداوند عالم نے دنیا کے عوض آخرت کو پسند فرمایا
ہے اور یقیناً میرے بعد میرے اہل بیت کو بہت مصائب کا سامنا ہوگا۔ ان کو بلا و مصیبت
میں گرفتار کیا جائے گا، جلا وطن کیا جائے گا اور انہیں متفرق کیا جائے گا (خصائص کبری سیوطی
ص ۱۱۹ باسناد حاکم و ابو نعیم و کنز العمال ج ۷ ص ۱۸۷ وغیرہ وغیرہ)

رسول اعظم نے امت کو خواب غفلت سے جگانے کیلئے یہاں تک جھنجھوڑا کہ "انكم
ستبلون في اهلبيتي من بعدي" میرے بعد میرے اهلبیت کے ذریعہ تمہارا سخت امتحان لیا
جائیگا (کنز العمال ج ۶ کتاب الفتن حدیث نمبر ۵۰۵) مگر اس جفا کار امت نے اس امتحان
کے پرچے کو کس طرح حل کیا؟ اسکی کیفیت سقیفہ بنی ساعدہ کے جلسے، جمل و صفین کے معرکے
اور کربلا کے خونین نقشے بتا رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کے سانحۂ ارتحال کے بعد اس خانوادۂ عصمت
و طہارت پر انواع و اقسام کے مصائب و آلام ڈھائے گئے، انہیں وطن مالوف سے دور کیا
گیا، شیرازہ اتحاد کو بکھیرا گیا۔ انہیں قید و بند میں مبتلا کیا گیا۔ اور بالآخر زہر جفا یا تلوار دغا سے
موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ آہ۔

قبور بكوفان و آخری بطيبة

وآخری بفخ نالها صلوات

قبور بجنب النهر من ارض کربلا

معرسهم فیها بشط فرات

توفوا عطا شا بالفرات فلیتنی

توفیّت فیهم قبل حین وفات

وقبر بطوس یا لها من مصیبته

الحّت علی الاحشاء بالزفرات

الی الحشر حتی یبعث الله قائماً

یفرج عنا الهمَ والکربات

(تائیہ دعبل خزاعیؒ)

یعنی

کوفے میں کربلا میں مشہد، کاظمین میں

بکھرے گل ریاض پیغمبر کہاں کہاں؟

بہرحال اگرچہ نہ دل میں تاب، نہ قلم میں بساط، نہ وقت میں وسعت نہ کتاب میں گنجائش اور نہ قارئین وسامعین میں قوت برداشت کہ ان مصائب وشدائد اور محن وآلام کے جملہ کوائف اور پورے تفصیلات سپرد قلم وقرطاس کیے جائیں۔

ع۔ سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

حقیقت الامر تو یہ ہے کہ جس طرح ان بزرگواروں کے تمام فضائل اور کمالات کا احاطہ ممکن نہیں ہے اسی طرح ان کے تمام مصائب ونوائب کا شمار کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔

الغرض یہ وہ مصائب وشدائد ہیں کہ ع

صبت علی الایام صرن لیا لیا

یعنی اگر یہ مصائب دنوں پر نازل ہوتے تو وہ راتوں کا روپ دھار لیتے لیکن بموجب ''المیسور لا یسقط بالمعسور'' تفصیل سے پہلوتہی کرتے ہوئے اجمال کے ساتھ چند فصول کے ضمن میں ان مصائب و آلام میں سے بعض شدائد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ شاید کہ کسی طالب حق و حقیقت کو اس سے بصیرت حاصل ہو جائے مگر افسوس کہ عبرت بین نگاہیں بہت کم ہیں۔ اگرچہ عبرتوں کی کوئی کمی نہیں ہے ''ولنعم ما قال امیر المومنینؑ و ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار'' عبرتیں تو بہت ہیں مگر عبرت حاصل کرنے والے بہت کم ہیں۔

(فصل اول صدیقہ کبریٰ حضرت فاطمہ الزہراؑ کے بعض مصائب و شدائد)

جناب سیدہ کے لئے ان کے پدر عالی قدر کی وفات حسرت آیات کا صدمہ جانکاہ ہی کافی تھا۔ اے کاش! مسلمان اس سلگتی ہوئی آتش غم والم پر اور مصائب و شدائد کا تیل نہ چھڑکتے لیکن افسوس صد افسوس کہ بی بی کے بابا کے کلمہ گوؤں نے جناب مخدومہ کونین پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ ڈھائے کہ مخدرہ عصمت و طہارت بے ساختہ پکار اٹھیں۔

صبت علی مصائب لو انها ☆ صبت علی الایام صرن لیاً لیاً

مجھ پر وہ مصائب و آلام ڈھائے گئے کہ اگر وہ دنوں پر ڈھائے جاتے تو وہ راتیں ہو جاتے۔'' کسی ایرانی شاعر نے اس شعر کے مضمون کو فارسی کا جامہ پہنا کر یوں بیان کیا ہے۔

بجانم ریختہ چنداں درد و مصیبتہا
اگر بروز ہا ریزد بگردد تیرہ چوں شبہا

(پہلی مصیبت)

وہ مصیبت ہے۔ جس کے تصور سے کلیجہ منہ کو آتا ہے "وہ بیت الشرف" جس کے دروازہ اقدس پر جا کر برابر چھ ٦ یا نو ۹ ماہ تک پیغمبر اسلامؐ ہر نماز کے وقت آیۂ تطہیر کی تلاوت کرتے تھے۔ (تفسیر در منثور وغیرہ) سب صحابہ رسولؐ یہ حال تعظیم وتکریم اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے تھے۔ جب اس محسن اعظم کا انتقال ہوجاتا ہے۔ تو بجائے اسکے کہ مسلمان جناب سیدہ عالم کو ان کے والد ماجد کا پرسہ دیکر ان کے غم والم میں کچھ تخفیف کرتے ہو اس کے برعکس کچھ مسلمان کچھ آگ ولکڑیاں ہاتھ میں لیے ہوئے رواں دواں خانہ سیدہ کی طرف جارہے ہیں۔ ادھر جناب سیدہ خیال فرماتی ہیں۔ کہ شاید اب مسلمانوں کی یہ جماعت مجھے پدر بزرگوار کا پرسہ دینے آرہی ہے۔ یکا یک خیالات کی دنیا میں انقلاب رونما ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ در اقدس پر پہنچتے ہی نہایت ہیبت ناک وخوفناک آواز سے پکار کر کہتے ہیں۔ "والذی نفسی بیده لتخرجن اولا حرقن علیکم الدار" مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جلدی گھر سے باہر نکلو (بیعت کے لئے) ورنہ میں گھر کو آگ لگادوں گا"۔ جناب زہرا علیہا السلام دروازہ کے اس طرف آجاتی ہیں۔ اور درد بھرے لہجہ میں ان سے یوں خطاب فرماتی ہیں۔ "یا ابا فلاں ان فیها فاطمه" اے فلاں کے باپ اس گھر میں تو فاطمہؑ موجود ہیں۔ (جس کے جلانے کی تم دھمکی دے رہے ہو) نہایت تند لہجہ میں جواب دیا جاتا ہے "وان" "بے شک ہوں"۔ ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں اس کے بعد سیدہ عالم کے گریہ وبکاء کی آواز بلند ہوجاتی ہے۔ اور اپنے والد گرامی حضرت رسولؐ خدا کو خطاب کر کے یوں داد فریاد کرنا شروع کردیتی ہے۔ "یا ابتاه یا رسول الله ماذا لقینا بعدک من

ابن فلاں و من ابن فلاں۔" اے ابا جان اے رسول خدا! ہمیں آپ کے بعد فلاں فلاں کی اولاد سے کن مصائب و آلام کا سامنا ہو رہا ہے۔ یہ المیہ تقریباً تمام کتب سیر و تواریخ میں باختلاف الفاظ موجود ہے۔ بلکہ بہت سے غیر مسلم مورخین نے بھی اسے اپنی کتب تواریخ میں درج کیا ہے۔ یہاں چند کتابوں کے نام لیئے جاتے ہیں۔ ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

الامامتہ والسیاستہ ص ۱۳۔ مطبوعہ مصر العقد الفرید ج ۲ ص ۲۰۵ طبع اولی مصر۔ تاریخ ابن جریر طبری ج ص ۱۹۸ طبع مصر اول۔ استیعاب ابن عبدالبرج اص ۳۳۴ طبع حیدر آباد دکن تاریخ ابوالفداء مترجم اردو ج اص ۳۷۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اص ۷۳ ایران۔ کتاب الملل و النحل شہرستانی طبع بولاق مصر ۲۰ وغیر ذلک من الکتب المعتمدہ عیسائی مورخین کی تواریخ میں یہ واقعہ ہائلہ دیکھنا ہو تو سکرز آف محمد واشنگٹن، اردنگ مطبوعہ لندن ص ۴۔ مسٹر گبن کی مشہور کتاب ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر (زوال سلطنت روما) مطبوعہ لندن ج ۳ ص ۵۱۹ اوکلی کی ہسٹری آف دی سیر اسنز (تاریخ اسلام) مطبوع لندن ص ۸۳ وغیرہ۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب اسی کشمکش میں حضرت علیؑ کے باہر نکلنے میں قدرے دیر ہوگئی تو بعض لوگوں نے چاہا کہ دروازہ توڑ کر اندر گھس جائیں۔ اس مذموم ارادہ سے دروازہ کو زور سے دھکا دیا چونکہ جناب سیدہ عالم سلام اللہ علیہا دروازہ کے اس طرف تشریف فرما تھیں آپ درو دیوار کے درمیان آگئیں۔ اور دروازہ گرنے سے آپ کے پہلوئے اطہر پر اس قدر زور سے ضربت لگی کہ آپ کے بطن اقدس میں جناب محسن شہید ہوگئے۔ (الملل والنحل شہرستانی ص ۲۰ قول نظام معتزلی)

جناب شبلی نعمانی جو ہر تاریخی واقعہ کو فلسفہ درایت کے پیش نظر صحیح استنتاج سے آشنا کرنے کے عادی ہیں وہ بھی اس واقعہ ہائلہ کی صحت کا باین الفاظ اقرار کرتے ہیں۔ "اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ کا

حال ہم کو نہیں معلوم ہوسکا۔ تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں حضرت۔۔۔ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت پر حضرت۔۔۔ نے نہایت تیزی اور گرمی کے ساتھ جو کاروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبادیا۔ بنی ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اس وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا''۔ (الفاروق ج ا ص ۳۴ مطبوعہ خواجہ پریس دہلی) شبلی صاحب نے اپنے آخر کلام میں بعض لوگوں کی اس ناشائستہ حرکت کی تاویل علیل کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ ''اگر بنی ہاشم کی سازش الخ'' یہ چشم بصیرت پر محبت اغیار کے غلبہ اور حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے۔ ورنہ بنی ہاشم نے کب کوئی ایسا تخریبی اقدام کیا تھا۔ جس سے جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھرنے کا خوف ہوتا بلکہ سردار بنی ہاشم حضرت علیؑ نے تو اس وقت مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو محفوظ و مصون رکھنے کے لئے اپنی خلافت غصب کرادی۔ اور سب مظالم برداشت کر لیئے لیکن تلوار نہ اٹھائی۔ بایں ہمہ ان کی مرنجان مرنج رفتار کو تخریبی کارروائی قرار دینا کس قدر ستم کیشی ہے؟ بہر حال یہ وہ حرکت ناشائستہ ہے جس کے سامنے شرافت ونجابت دم بخود نظر آتی ہے۔ شرف صحبت رسولؐ عرق انفعال سے تر دکھائی دیتا ہے۔ انسانیت منفعل ہو کر اور شرما کر رہ جاتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

ہیچ کافر نکند آنچہ مسلماں کردند

(دوسری مصیبت)

یہ ہے کہ آپ کے شوہر عالی قدر حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی خلافت و امامت غصب کی گئی۔ جس سے جناب سیدہ عالمؑ کو صدمہ پہنچا۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے کچھ مساعی

جمیلہ بھی سرانجام دیں لیکن نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکیں (ملاحظہ ہو الامامتہ والسیاتہ ص ۱۳ طبع مصر)

بلکہ مذکورہ بالا مصیبت بھی اسی غصب خلافت کے سلسلہ میں اس مخدرہ عصمت پروارد کی گئی۔ ایک طرف رسولؐ خدا ایسے رؤف رحیم پدر بزرگوار کی مفارقت کا صدمہ اور دوسری طرف حضرت علیؑ جیسے مشفق و مہربان شوہر کی حق تلفی و خانہ نشینی اس قلق و اضطراب کو کوئی جناب سیدہ کے قلب اقدس سے پوچھے یا حضرت امیر علیہ السلام کے کلمات حقیقت ترجمان میں تلاش کرے۔ جو آپ نے دفن سیدۃ کے وقت حضرت رسولؐ خدا کو خطاب کرتے ہوئے عرض کیئے تھے۔ ''یا رسول اللہ! آپ کی بیٹی عنقریب آپ کو بتائے گی کہ آپ کی امت نے ان پر کیا کوہ ظلم و جور ڈھائے''

(تیسری مصیبت)

کاش! کہ مسلمان انہی مذکورہ بالا مصائب و شدائد پر اکتفاء کرتے لیکن حیف صد حیف! کہ مسلمانوں نے یہ سب کچھ کرنے کے بعد اب چاہا کہ جناب سیدہ کے مخصوص مال و جائیداد پر ہاتھ صاف کریں تاکہ انہیں گھر بیٹھے جو نان جویں میسر ہو رہی ہے۔۔ اس سے بھی انہیں محروم کر دیا جائے اور انہیں مال و متاع دنیوی سے اس طرح تہی دست و نادار کر دیں کہ کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور سب دنیا پرست اور دین فروش لوگ ہر طرف سے کھینچ کر انہی لوگوں کے پاس جمع ہوں۔ اور اس طرح ان کی حکومت اور زیادہ مستحکم و مضبوط ہو جائے الغرض جب یہ لوگ مذکورہ بالا مصائب و شدائد سے فارغ ہوئے تو اب پہلی فرصت میں غصب ''فدک'' کے احکام جاری کر دیے۔ جب جناب سیدہ کو اس نئے ظلم و ستم کا علم ہوا تو مہاجرین و انصار کی چند عورتوں کو ہمراہ لیکر نہایت اہتمام اور پردہ کے انتظام کے ساتھ اپنی حق طلبی کے لئے دربار خلافت میں تشریف لے گئیں۔ اے فلک کج رفتار اور دہر

غدار کی حرکت ناہنجار کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے کہ کبھی تو وہ وقت تھا کہ جب کبھی سیدہ دربار رسالت میں تشریف لاتی تھیں تو سرور کائنات ان کی تعظیم کے لئے اٹھ کر کھڑے ہوتے تھے۔ (الادب المفرد بخاری) (ظاہر ہے کہ مجبوراً دوسرے حضرات بھی اٹھتے ہوں گے) لیکن جب آپ کے انتقال کے بعد وہی مخدومۂ عالم دربار خلافت میں حاضر ہوئیں تو اس کے متعلق العقد الفرید وغیرہ کتب میں ملتا ہے کہ "لم یقم لھا احد" آپ کی تعظیم و تکریم کے لئے کوئی ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہوا۔ بہر کیف آپ آئیں اور آکر اپنا مطالبہ پیش کیا۔ بخاری کے الفاظ ہیں۔ "و تسئله عن میراثها من رسول الله مما افاء الله علیه بالمدینه و فدک و مابقی من خمس خبیر" اپنے باپ کی میراث اور مدینہ والے مال فئے اور فدک اور خیبر کے باقی خمس کا مطالبہ کیا۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۳۵ طبع مصر) لیکن ارباب اقتدار نے ایک خود تراشیدہ روایت ("انا معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث" الخ پیش کر کے جناب سیدہ کے مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ بخاری و مسلم کے الفاظ یہ ہیں "فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمه شئیا" فاطمہ کو ذرہ بھر دینے سے انکار کر دیا۔ (بخاری ج ص ۱۱۶ مسلم ج ۲ ص ۹۲) عالمہ غیر معلمہ بی بی نے چند آیات قرآنیہ سے استدلال و احتجاج کیا جیسے "یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین ۔۔۔" مطلب یہ ہے کہ آیۂ وافی ہدایۃ تو مطلق ہے۔ خداوند عالم نے آنحضرت کا استثنا فرماتے ہوئے یہ تو نہیں کہا کہ الا بنت محمد فانها محجوبة عن ارثها) یا آیہ مبارکہ ورث سلیمان داوٗد" حضرت سلیمانؑ حضرت داوٗدؑ کے وارث بنے) (تفسیر در منثور میں ہے کہ "ورث نبوته و ملکه و علمه" کہ جناب سلیمانؑ داوٗدؑ کی نبوت کے ان کی سلطنت اور ان کے علم کے وارث ہوئے کیا حضرت سلیمانؑ نبی نہ تھے؟ آیہ مبارکہ "رب هب لی من لدنک ولیاً یرثنی و یرث آل یعقوب" حضرت زکریاؑ بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے ہیں۔ بار الہا۔ مجھے ایک ولی عطا کر جو میرے اور آل

یعقوبؑ کا وارث بنے" (ملاحظہ ہو بلاغات النساء مطبوعہ مصر ص ۱۶ و کتاب الشہر ا ص ۱۴۸/ ۱۴۹ بحوالہ کتاب سقیفہ جوہری از شرح نہج البلاغہ حدیدی) جب جناب سیدہ نے دیکھا کہ یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تو۔۔ پر غضبناک ہوگئیں۔ بخاری و مسلم کے الفاظ ہیں "فغضبت فاطمة بنت رسول اللهؐ و هجرت ابابکر (وزاد فی المسلم و لم تکلمه) فلم تنزل مهاجرتة حتی توفیت" جناب فاطمہ ناراض ہوگئیں۔ اور۔۔۔ سے بالکل قطع موالات اور ترک تکلم کرلیا۔ اور یہ سلسلہ آپ کی وفات تک باقی رہا۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۳۴۵ باب الخمس و صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱) جناب فاطمہ زہراؑ کی ناراضگی کوئی معمولی امر نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جاسکے بلکہ آپ کی ناراضگی پیغمبر اسلام کی ناراضگی کو مستلزم ہے اور پیغمبر اسلام کی ناراضگی خداوند عالم کی ناراضگی کا باعث ہے بخاری و مسلم وغیرہ کتب صحاح ستہ میں۔ آنحضرتؐ کی یہ حدیث شریف مذکور ہے کہ فرمایا "فاطمه بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی و فی روایة یریبنی ما ارابها و یؤ ذینی ما آذاها" یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جو شخص اسے غضبناک کرے وہ مجھے غضبناک کرتا ہے۔ دوسری روایت میں یہ وارد ہے۔ جو چیز ان کو رنج والم پہنچاتی ہے۔ وہ مجھے رنج والم پہنچاتی ہے۔ اور جو چیز ان کو اذیت دیتی ہے۔ وہ مجھے اذیت دیتی ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۳۲۹۰) مسلم ج ۲ ص ۲۹ خصائص نسائی ص ۷۸ وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں زید بن ارقم سے مرفوعا روایت ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے حضرت علی فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے حق میں فرمایا "انا حرب لمن حاربهم و سلم لمن سالمهم" جو شخص ان سے جنگ کرے میری بھی اس سے جنگ ہے۔ اور جو شخص ان سے صلح کرے میری بھی اس سے صلح ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ جناب سیدہ کو اذیت و تکلیف پہنچانا اور ان کو ناخوش و ناراض کرنا خود رسولؐ کی ایذا رسانی اور ناراضگی کے مترادف ہے۔ اب سب حضرات ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر خدا اور رسول کو اذیت پہنچانے والے

کے متعلق قرآنی فیصلہ بھی سماعت فرمالیں۔ ارشاد ہوتا ہے ''ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ و اعدلھم عذابا مھیناً'' جولوگ خدا اور رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ خداوند عالم نے دنیا و آخرت میں ان پر لعنت کی ہے۔ اور ان کے لئے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ صغری و کبریٰ کو ملا لیجئے شکل اول بن جائیگی۔ (جو بدیہی الانتاج ہے) اس کے بعد نتیجہ واضح ہے۔

اندکے غم دل با تو گفتم و بدل ترسیدم

کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(چوتھی مصیبت)

مشہور ہے کہ عداوت اور دشمنی زندگی تک رہتی ہے لیکن افسوس اہلبیتؑ کے ساتھ مسلمانوں کی عداوت کا سلسلہ ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد بھی جاری رہا خود یہ حضرات گرامی صفات بھی اس پہلو کی طرف متوجہ تھے وہ اپنی قبروں کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے غور کیجئے کہ ان کے دل پر کیا گذرتی ہوگی جب قبر بنا کر نشان قبر اپنے ہاتھ سے مٹادیا کرتے تھے جنۃ البقیع کے قبور منہدم کر کے اہلبیتؑ رسولؐ کے ساتھ جس دشمنی اور عداوت کا مظاہرہ کیا گیا ہے یقیناً ان لوگوں کو رسول خدا کی بارگاہ میں اس کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ اہل بیت کے عقیدتمندوں کے دل پر یہ وہ داغ ہے جو کبھی مندمل نہ ہوگا ''وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون''

واقعہ فدک پر بعض بزرگ علماء اہلسنت کا منصفانہ تبصرہ

(۱) مولانا صدرالدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفی مطبوعہ کانپور ص ۳۶/۳۷ پر لکھتے ہیں: ''بعد از وفات پیغمبرؐ واقعات بسیار گذشتہ مثل معاملہ فدک و سقط

شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خاب بنی ہاشم را کہ در خانہ زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہراء پیش انصار طولے دارد، و ذکر نکردن اولی تراست و وصیت نمودن حضرت زہراؑ کہ ہیچ کس بر جنازہ او حاضر نشود دلیل صریح است کہ حضرت زہراء آزردہ و ملول از دنیا رفت اکنون تاویل ہرچہ خواہند کنند و مرثیہ برائے پیغمبر انشاء نمودہ یك بیت از اول قصیدہ این است

صبت علی مصائب لوانہا
صبت علی الایامؑ صرن لیا لیا

(۲) شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اپنی کتاب روائے صادقہ ص ۱۹۹ طبع پنجم پر رقمطراز ہیں۔ ”جو شخص سب سے زیادہ پیغمبرؐ کی وفات سے متاثر ہوا وہ جناب فاطمہؑ تھیں والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبرؐ تھے اور باپ بھی کیسے باپ؟ دین و دنیا کے بادشاہ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم ہونا نمک بر جراحت ترکہ پدری باغ فدک کا دعوی کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا کسی دوسرے شخص کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر جاتا مگر انکے صبر وضبط ان کے ہی ساتھ تھے پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی مہینے کے اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنہوں نے رنج دیے تھے۔ نہ بولیں اور نہ بات کی یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازہ پر آنے کی مناہی کر دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون

مانا کہ ان کا غصہ کسی قدر بے جا بھی تھا تاہم انکے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے؟ جناب فاطمہؑ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کے لئے جناب علیؑ اگر وہ اہل نہ بھی تھے برائے نام خلافت دے دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیتا مگر باغ فدک دینے میں

آخر کونسی قباحت تھی؟ غاية ما فی الباب حدیث شریف نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناه صدقته کے خلاف ہوتا، اگر گناہ ہوتا تو جناب فاطمہؑ کو ہوتا۔ جو سیدانی ہو کر صدقہ کھاتیں سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیتؑ نبوی کو پیغمبرؐ صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیئے تھا اسمیں ضعف آگیا اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں"۔ اس بیان حقیقت ترجمان پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔ انا لله و انا الیه راجعون سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

﴿فصل دوم﴾

حضرت امیر المومنین علیہ السلام پر وارد شدہ بعض مصائب وشدائد کا بیان

اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے تحیر و تردد دامنگیر ہو جاتا ہے۔ کہ آنجنابؑ کے مصائب و آلام میں سے کس کس مصیبت عظمیٰ کا تذکرہ کیا جائے۔ ہر ایک مصیبت دوسری سے بڑھی ہوئی نظر آتی ہے۔

۔ مصائب کلھا کبار" بہر حال یہاں چند محن و آلام کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(پہلی مصیبت غصب خلافت)

کس قدر حیرت و استعجاب کا مقام ہے۔ کہ پیغمبر اسلامؐ زندگی بھر جس ذات کی خلافت و امامت پر نص فرماتے رہے اور آخری ایام حیات میں رسم دستار بندی ادا کر کے آپ کی خلافت و جانشینی پر مہر بھی ثبت کردی۔ اس نبی رحمتؐ کے انتقال پر ملال کے فوراً بعد

مسلمان حضرت علیؑ کو مع چند مخلص اصحاب کے آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول دیکھ کر جنازہ پیغمبرؐ کو گھر ہی میں پڑا چھوڑ کر موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوجاتے ہیں۔ اور آنجنابؑ کی خلافت کو غصب کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ بالآخر اس میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور اسی کشمکش میں پڑے رہتے ہیں۔ حتی کہ جنازہ رسولؐ میں شمولیت کے شرف کو بھی حاصل نہیں کرسکتے اور ان کی واپسی سے پہلے آنحضرتؐ دفن ہوجاتے ہیں'' (کنزالعمال ج ۳ ص ۱۴۰ طبع سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۱۹۸، ۲۰۱ وغیرہ وغیرہ)

حضرت امیرالمومنینؑ کیلئے یہ کوئی معمولی مصیبت نہ تھی۔ یہ آپ ہی کی بے پناہ شجاعت وشہامت تھی کہ آپ ایسے موقع پر محض اسلام اور مسلمانوں کی خیر سگالی کیلئے خانہ نشین ہوگئے اور تلوار نہ اٹھائی۔ لیکن اس مصیبت عظمیٰ سے آنجنابؑ کے قلب مبارک پر کیا اثر ہوا اس کی ترجمانی کے لئے خطبہ شقشقیہ کے یہ جملے کافی ہیں ''ارٰی تراثی نہباً فصبرت و فی الحلق شجی و فی العین قذی'' میں دیکھ رہا تھا۔ کہ میری میراث لوٹی جارہی ہے۔ لیکن میں نے صبر سے کام لیا۔ حالانکہ شدت غم و الم سے میری کیفیت یہ تھی جیسے گلے میں ہڈی پھنس جائے اور آنکھوں میں خس و خاشاک پڑ جائے۔'' (نہج البلاغہ)

(دوسری مصیبت)

مسلمانوں نے آپ کی خلافت حقہ کے غصب پر اکتفا نہ کی بلکہ اس مرحلہ سے فراغت حاصل کرتے ہی اس حقیقی حقدار خلافت کو اپنی بیعت پر مجبور کرنے لگے آپ کو مختلف ذہنی وجسمانی تکلیفیں واذیتیں پہنچائی گئیں۔

گھر میں آگ لگانے کی دھمکی دی۔ گلوئے اقدس میں رسی ڈال کر مسجد میں لایا (شرح نہج البلاغہ حدیدی وعقد الفرید وغیرہ) قتل کی تہدید کی گئی۔ (ملاحظہ ہوالامامۃ

والسیاستہ ص ۱۲ وغیرہ)

ان لوگوں کی ۔۔۔ اس شدت وحدت کا آنجنابؑ کو اسقدر صدمہ ہوا کہ بایں ہمہ تحمل وبردباری قبر رسولؐ کی طرف متوجہ ہو کر گریہ وزاری شروع کردی اور اس آیت کی تلاوت کی "یابن ام ۔۔ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی" (ایضاً ص ۱۳ وغیرہ)

(تیسری مصیبت)

جو تکلیف واذیت جناب سیدہؑ عالم پر وارد شدہ مصائب وآلام کی وجہ سے آنجنابؑ کو ہوئی۔ کون اس کا صحیح اندازہ کرسکتا ہے علیؑ ایسے غیور جواں مرد کی موجودگی میں جناب صدیقہ کبریٰؑ کی ہتک حرمت کی جائے۔ اور آنجنابؑ رسولؐ کی وصیت اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے پیش نظر صبر وضبط سے کام لیں۔ اسے حضرت علیؑ کی شجاعت ہی کا کرشمہ قرار دیا جاسکتا ہے اے کاش! کہ مسلمان فقط غصب خلافت پر اکتفا کرتے لیکن اس صابر وغیور امامؑ کو جناب سیدہؑ کے معاملہ میں روحانی صدمہ نہ پہنچاتے۔ آنجنابؑ کو اس سلسلہ میں جو صدمہ پہنچا اس کا اظہار آپ نے جناب سیدہؑ کے دفن کے وقت ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ "فلقد استرجعت الودیعۃ و اخذت الرھنۃ اما حزنی فسرمد اما لیلی فمسھد الی ان یختار اللہ لی دارک التی انت بھا مقیم و ستنبئک ابنتک بتظاھر امتک علی ھضمھا فاحفھا السؤال واستخبرھا الحال و لم یطل العھد ولم یخل منک الذکر" (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۰۸ طبع مصر) امانت واپس لے لی گئی۔ یا رسول اللہ! آپ کی بیٹی آپ کو بتائے گی کہ آپ کی امت نے اس پر ظلم کی بابت کیوں کر اتفاق کر لیا اپنی بیٹی سے اچھی طرح دریافت کیجئے گا حالانکہ آپ کی وفات کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور آپ کی یاد ہنوز محو نہیں ہونے پائی تھی"

(چوتھی مصیبت)

وہ مصائب و آلام جو کہ آپ کو ظاہری خلافت ملنے کے بعد آپ پر ڈھائے گئے۔
ں معصومؑ مگر مظلوم امامؑ کو ایک دن بھی راحت و اطمینان سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔ مسلمانوں نے
ں جنگ جمل کی صورت میں اور کبھی جنگ صفین کی شکل میں اور کبھی جنگ نہروان کی ہیئت
اپنے بغض و عداوت اور شقاوت و بغاوت کے وہ مظاہرے کئے کہ الامان والحفیظ حتی کہ
کی ظاہری مدت خلافت اسی فتنہ و فساد کے سد باب اور بگڑی امت کی اصلاح میں گذر
۔ ایک فتنہ کی سرکوبی سے فارغ نہیں ہو پاتے تھے کہ دوسرا فتنہ کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ
آنجنابؑ نظم و نسق حکومت میں اور بعض دیگر امور میں بہت سی خامیوں کی ضروری اصلاحات
سکے جو سابقہ حکومتوں کی بے اعتدالیوں سے اس میں پیدا کر دی گئی تھیں۔ آنجنابؑ کو ان
ب و آلام سے اس قدر روحانی کوفت و اذیت ہوئی کہ ہمیشہ تمنائے موت کرتے تھے۔ ”ما
اشقی الاولین و الاخرین“ اولین و آخرین کے سب سے بڑے شقی و بد بخت (قاتل)
امر مانع ہے وہ کیوں میرے خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگین نہیں کرتا۔ (نہج البلاغہ)

(پانچویں مصیبت)

آپ کے فضائل و محامد حسبی و نسبی کا انکار کر کے بھی آپ کو طرح طرح سے رنج
گیا۔ آپ کے سابق الاسلام ہونے کا انکار کیا گیا ”عصمت و طہارت کا انکار کیا گیا۔
رسولؐ کا انکار کیا گیا اور آپ کی افضلیت کا فقط انکار ہی نہیں بلکہ دوسروں کو آپ سے
رار دیا گیا۔ اسی پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ معاویہ نے ایسے لوگوں کو آپ کے بالمقابل کھڑا
۔ آنجنابؑ کو اس سے حد درجہ صدمہ پہنچا۔ جس کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں فرمایا۔

”انزلنی الدھر ثم انزلنی حتی قیل علی و معاویہ“

زمانے نے مجھے اتنا گرایا کہ اب لوگ علیؑ و معاویہ کہنے لگے۔

دوسرے مصائب جو آنجنابؑ پر وارد ہوئے آپ کے انتقال پر ملال کے بعد ان کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن یہ مصیبت پنجم اب تک موجود ہے۔ بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے اور اب تو نوبت بانیجا رسید کہ معاویہ کے ناخلف بیٹے یزید عنید کو نہ صرف علیؑ ولی کے مقابلہ میں لایا جارہا ہے۔ بلکہ معاویہ کو چوتھا اور یزید پلید کو پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کر کے علیؑ کی چوتھی خلافت کا بھی انکار کیا جارہا ہے۔ ''والی اللہ المشتکی''۔ (ملاحظہ ہو خلافت راشدہ از صدیقی جہلمی)

(چھٹی مصیبت)

وہ جس کا سلسلہ اس مطہر و معصوم نفس رسولؐ کے لیے اسی ۸۰ نوے سال تک جاری رہا وہ برسر مسجد و منبر آپ پر سب و شتم اور لعن و طعن ہے۔ تذکرۃ خواص الامۃ ص ۳۷ طبع ایران پر غزالی کا یہ قول موجود ہے۔ کہ ''ثم استفاض لعن علیؑ علی المنابر الف شھر و کان ذلک بامر معاویہ'' یعنی ہزار ماہ تک معاویہ کے حکم سے حضرت علیؑ پر لعن طعن کا سلسلہ جاری رہا۔

علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء ص ۱۶۶ پر لکھتے ہیں ''کان بنو امیہ یسبون علی ابن ابی طالبؑ فی الخطب فلما ولی عمر ابن عبدالعزیز لبطلہ'' بنی امیہ خطبوں میں حضرت علی علیہ السلام پر شب و ستم کیا کرتے تھے جب عمر ابن عبدالعزیز والی مقرر ہو تو اس نے اس کو بند کروایا'' (۱)

افسوس کہ یہ بندش کچھ زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوسکی اڑھائی سال کے بعد عمر ابن عبدالعزیز کی زندگی کا ساغر چھلک گیا۔ پھر اس سنت معاویہ کو بدستور سابق جاری و ساری

کردیا گیا ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' فاضل شبلی نعمانی اپنی مشہور کتاب سیرۃ النبی ج ۱ ص ۴۹
قطیع کلاں پر لکھتے ہیں ''حدیثوں کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ میں ہوئی جنھوں نے پورے
۹ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہؑ کی توہین
ں اور جمعہ میں حضرت علیؑ پر لعن وطعن کہلوایا سینکڑوں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل
ں بنوائیں۔''

(ساتویں مصیبت)

کاش مسلمان مذکور بالا مصائب وشدائد پر قناعت کرتے لیکن آپ کا وجود بھی ان
آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔ مسلمان آپ کی شمع حیات کوگل کرنے کی مختلف تدبیریں سوچنے
ے۔ بالآخر انیس ماہ صیام کو مسجد کوفہ کے اندر عین حالت نماز میں اس امام الاولین والآخرین
شمع حیات کو خاموش کردیا گیا۔ اور اکیسویں ۲۱ تاریخ کو یہ معصوم مگر مظلوم امامؑ یہ کہتا ہوا کہ
زت برب الکعبۃ'' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہوگیا۔

''انا للہ و انا الیہ راجعون و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون''

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

فصل سوم

(حضرت امام حسن علیہ السلام کے بعض مصائب وآلام کا بیان)

جب حضرت امیر علیہ السلام گوناگوں مصائب وآلام جھیلنے کے بعد فردوس بریں کی
منتقل ہوگئے تو آپ کے فرزند ارجمند امام ممتحن حضرت امام حسنؑ مسند خلافت پر جلوہ

افروز ہوئے باالفاظ دیگر اب آپ کے مصائب و آلام جھیلنے کی نوبت آگئی۔ راحت قلب مصطفیؐ سرور جان مرتضیٰؑ اور لخت جگر زہراؑ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ پر جور ظلم وستم ڈھائے گئے وہ کسی طرح بھی انکے والد گرامی کے اوپر وارد کردہ ظلم وستم سے کم نہ تھے۔ اجمالاً چند مظالم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ظلم اول

جونہی آنجنابؑ جلوہ افروز مسند خلافت ہوئے معاویہ ابن ابی سفیان پرانی شرارت پر تل گیا۔ اور ایک لشکر جرار اپنے ہمراہ لیکر آنجنابؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے شام سے نکل پڑا جب آنجنابؑ کو اس کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کی قیس ابن سعد ابن عبادہ کو بارہ ہزار کے مقدمۃ الجیش پر امیر مقرر کیا۔ جب یہ لشکر مدائن پہنچا تو کسی داخلی دشمن نے یہ خبر وحشت اثر پھیلا دی کہ قیس قتل ہو گیا ہے۔ تم بھاگ جاؤ اس اثنا میں بعض ملاعین آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کا سب مال و متاع لوٹ لیا حتی کے آپ کے نیچے جو فرش تھا۔ وہ بھی آپ کے نیچے سے کھینچ لیا اور آپ کے بطن اقدس پر ایک خنجر بھی مارا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۶ ص ۹۲ طبع مصر قدیم۔ روضۃ الصفاج ۳ ص ۵ تاریخ کامل ابن تیرج ۳ ص ۱۶۳ طبع قدیم مصر الاصیابۃ ج ۲ ص ۱۳ وغیرہ)۔

ظلم دوم

ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ قیس ابن سعد والے قضیہ میں آپ کا سامان لوٹ لیا گیا اور آپ کے بطن اطہر پر خنجر مارا گیا۔ علاوہ بریں صواعق محرقہ ۸۳ پر ہے"۔ "اخرج البزاز وغیرہ لما استخلف (الحسنؑ) فبین ھو یصلی از وثب علیہ رجل و طعنہ

کم وضیفا نکم و نحن اهل البیت الذین قال اللہ فیھم انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الآیہ' بزاز وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام خلیفہ ہوئے تو آنجنابؑ نماز میں مشغول تھے۔ جب سجدہ میں تشریف لے گئے۔ تو ایک آدمی نے خنجر سے آپ کو زخمی کر دیا۔ اس کے بعد آنجنابؑ نے خطبہ پڑھا۔ جس میں عراقیوں کو عتاب کرتے ہوئے فرمایا اے اہل عراق! ہمارے بارے میں خدا سے ڈرو کیونکہ ہم تمہارے امیر اور تمہارے مہمان ہیں۔ ہم وہ اہل بیتؑ ہیں۔ جن کے متعلق خداوند عالم نے آئیت تطہیر نازل فرمائی ہے۔"

ظلم سوم

مروج الذہب طبع قدیم مصر ج ۲ ص ۵۳ پر قیس بن سعد کا واقعہ اور دیگر اصحاب حسنی کی غداری کے واقعات کے بعد اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ "کہ جب امام حسنؑ کو اپنے مراہیوں کی مخالفت کا علم ہوا تو مجبوراً صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے"۔ آپ کے اصحاب کی بے وفائی و غداری کا فقط یہی ایک مظاہرہ نہ تھا۔ جو قیس ابن سعد کے واقعہ میں کیا گیا۔ بلکہ ان کی طرف سے اس کے متعدد مظاہرے ہوئے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ نے لشکر معاویہ کے مقابلہ میں بھیجا لیکن رئیس لشکر معاویہ سے مل گیا۔ (منتہی الآمال وغیرہ) اس کے متعلق علامہ وحید الزمان انوار اللغت پ ۱۶ ص ۹ پر لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ اس بات کا گواہ ہے کہ ہمارے امامؑ و شہزادے نے اپنی خوشی سے یہ خلافت معاویہ کو نہیں دی بلکہ مجبوری سے آپ نے دیکھا کہ میرے ساتھ لوگ در پردہ معاویہ سے سازش رکھتے ہیں۔ اور معاویہ جنگ پر تلا ہوا ہے۔ یہی بزرگ اس کتاب کے پ ۱۵ ص ۱۷ پر لکھتے ہیں "ہمارے شہزادے امام حسن علیہ السلام" آنحضرتؐ کی طبیعت پر تھے نہایت دانشمند اور انجام بین وقت اور موقع

محل دیکھ کر کام کرنے والے جیسے آنحضرتؐ نے حدیبیہ میں کافروں سے دب کر مصلحتاً صلح کرلی تھی ویسے ہی حسنؑ نے بھی دیکھا کہ میری فوج والوں کا کوئی اعتبار نہیں اور ان کے دلوں میں خیانت بھری ہوئی ہے اسلام تباہ ہوا چاہتا ہے۔ تو لاچار آپ نے دفع الوقتی کر کے معاویہ سے صلح کرلی"۔ بعض بے وفا ہمراہیوں نے تو معاویہ کی تحریک و تحریص پر آپ کو یہاں تک وعید و تہدید کی کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ ورنہ ہم آپ کو معاویہ کے سپرد کردینگے سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامتہ ص ۱۸۳ پر اس کے متعلق رقمطراز ہیں۔ سدی کہتا ہے "امام حسنؑ نے معاویہ سے جو صلح کی یہ رغبت دنیا سے نہیں تھی۔ بلکہ محض اس واسطے کی کہ جب آپ کو اہل عراق کا عذر و مکر معلوم ہوا۔ تو آپ کو یہ خوف ہوا کہ اگر یہ لوگ انہیں معاویہ کے سپرد کردیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں"۔ یہ تھے صلح امام حسنؑ کے حقیقی علل و اسباب انہی وجوہ کی بنا پر آپ اپنے ظاہری حق اقتدار سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوگئے۔ (ورنہ حقیقی منصب امامت تو نقل و انتقال کے قابل نہیں) اور مصلحت امت کے پیش نظر معاویہ جیسے باغی سے مصالحت کرلی۔ اس کے متعلق علامہ وحید الزمان انوار اللغت پ ۱۴ ص ۵۵ پر رقمطراز ہیں "بعضے کم علم لوگ معاویہ کیخلافت کی حقیقت اسی سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ امام حسنؑ نے خلافت کو چھوڑ کر ان سے صلح کرلی۔ اور خلافت ان کے حوالے کردی۔ حالانکہ امام عالی مقام نے خوشی کے ساتھ یہ امر نہیں کیا۔ بلکہ مجبوری سے جب انہوں نے آپ کو زخمی کیا۔ اور آپ کا خیمہ لوٹ لیا۔ تو اپنے نانا کی امت کی تباہی آپ نے منظور نہیں کی۔ اور مجبوراً خلافت سے دست بردار ہوگئے۔" اس کے متعلق خود حضرت امام حسن علیہ السلام کا ایک حقیقت افروز بیان تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۳ طبع قدیم مصر پر مذکور ہے "کتب الی معاویة لو آثرت ان اقاتل احداً من اهل القبلة لبدأت بقتالک فانی ترکتک لصلاح الامته و حقن و دمائها" امام حسنؑ نے معاویہ کو

لکھا کہ اگر میں مسلمانوں میں سے کسی سے جنگ اختیار کرتا تو سب سے پہلے تم سے کرتا۔ لیکن میں نے تمہیں اپنے نانا کی امت کی اصلاح اور ان کے خون کی حفاظت کی خاطر چھوڑ رکھا ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ اعتقاد معاویہ کے ساتھ جنگ کرنا واجب سمجھتے تھے۔ ہاں البتہ اس امت کی صلاح و فلاح اور دیگر مصالح کی خاطر یہ مصالحت اختیار فرمائی لہذا اس سے معاویہ کی خلافت کی حقیقت پر ہرگز استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ مزید اطمینان کے لئے انوار اللغت پ ۱۶ ص ۹ ملاحظہ کیجئے صاف لکھا ہے۔ "آپ معاویہ کو ظالم اور غاصب جانتے تھے۔ اور ہرگز خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے"۔

ظلم چہارم

مذکورہ بالا مصالحت چند شرائط پر مبنی تھی منجملہ ان شرائط کے تین شرطیں یہ بھی تھیں کہ (۱) معاویہ حضرت علی پر سب وشتم نہیں کرے گا (۲) اور نہ آپ کے شیعوں سے تعرض کریگا۔ (۳) اور نہ اپنے بعد کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کریگا۔ (صواعق محرقہ ص طبع مصر وغیرہ) لیکن معاویہ نے کسی ایک شرط کو بھی پورا نہ کیا۔ کتاب روضۃ المناظر لابن شحنہ مطبوع بر حاشیہ مروج الذہب ص ۲۲۴/۲۲۵ و بر حاشیہ کامل ج ۶ ۱۳۲/۱۳۳ پر مذکور ہے۔ "ثم بعد ستۃ اشہر صالح (الحسن) معاویۃ وترک الخلافۃ علی ان لا یسب علیا (الی ان قال) ولم یف معاویۃ بشئی مما عاہدہ علیہ" چھ ماہ کے بعد امام حسن نے معاویہ سے صلح کرلی۔ اور آپنے خلافت کو اس شرط پر ترک کر دیا کہ معاویہ حضرت علی پر سب وشتم نہیں کرے گا۔ (دیگر چند شرائط ذکر کرنے کے بعد مولف لکھتے ہیں) لیکن معاویہ نے ان شرائط میں سے کسی ایک شرط کو بھی پورا نہ کیا۔ جن پر معاہدہ ہوا تھا۔ معاویہ کی مخالفت شرائط کے شواہد کتب سیر و تواریخ میں بکثرت موجود ہیں۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ص ۱۶ پر مذکور ہے۔ کہ معاویہ نے کوفہ میں خطبہ پڑھا۔ جس میں

حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام بھی شریک تھے۔ معاویہ نے پہلے حضرت علیؑ پر سب وشتم کیا۔ اور پھر حضرت امام حسنؑ پر اسی طرح معاویہ کے اہل کار برابر اس خباثت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

تاریخ الخلفاء میں اس پر اتنا اضافہ کیا ہے ''والحسنؑ یسمع فلا یرد شیئاً'' امام حسن علیہ السلام سب کچھ سنتے تھے مگر کوئی جواب نہیں دیتے تھے (حالات کی ستم ظریفی سے دے سکتے نہیں تھے) تذکرۃ الخواص ص ۱۲۰ پر لکھا ہے ''کان مروان یشتم علیاً یوم الجمعة علی المنبر و کان الحسنؑ یقعد فی حجرة رسولؐ الله الخ'' راوی کا بیان ہے کہ مروان ہمارے اوپر حاکم مقرر تھا۔ اور وہ ہر جمعہ کے دن حضرت علیؑ پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔ باوجودیکہ امام حسن علیہ السلام پیغمبر اسلامؐ کے حجرہ میں تشریف فرما ہوتے تھے اور یہ سب کچھ سنتے تھے'' آہ اس سے بڑا انقلاب کیا ہوگا کہ جس منبر پر رسولؐ حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرتے تھے آج اس منبر پر حضرت علیؑ پر سب وشتم کیا جاتا ہے۔ مگر نبیؐ کا نواسہ اور علیؑ کے دل کا دلاسہ مجبور ہے کہ یہ سب کچھ حجرہ رسولؐ میں بیٹھ کر سنتا ہے مگر جواب نہیں دے سکتا۔ صواعق محرقہ ص پر مروی ہے کہ مروان نے ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے کہا ''انکم اهل بیت ملعونون'' (معاذ اللہ) تم ملعون خانوادہ ہو۔۔۔ افسوس صد افسوس کے جن اہل بیتؑ کے متعلق پیغمبر اسلامؐ فرمایا کرتے تھے کہ ''انا اہل بیت مطہرون'' انہیں کے متعلق آج وہ کلمات نازیبا استعمال کیے جارہے ہیں۔ جنہیں سن کر اسلام تو کیا انسانیت کے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔

ع۔ اے فلک آن ابتداء این انتہائے اہلبیتؑ

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ظلم پنجم

ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ منجملہ شرائط صلح کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ معاویہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کرے گا۔ لیکن چونکہ معاویہ عام شرائط صلح کی خلاف ورزی پر تلا ہوا تھا۔ جس طرح باقی شرائط کی مخالفت کر چکا تھا۔ اب چاہتا تھا کہ اس آخری شرط کو بھی پامال کر کے اپنے ناخلف بیٹے یزید پلید کو اپنا ولیعہد مقرر کر دے مگر وہ جانتا تھا کہ جب تک حضرت امام حسنؑ زندہ ہیں۔ وہ اس ارادہ مشئومہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا لہذا اسے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ پہلے حضرت امام حسن علیہ السلام کی شمع حیات کو گل کیا جائے بالآخر مختلف لطائف الحیل سے شام سے زہر ہلاہل بھیج کر آنجنابؑ کی زندگی کا خاتمہ کرا دیا۔ نصائح کافیہ ص ۶۰ پر مرقوم ہے ''قال ابو الفرج ابن الجوزی مات الحسنؑ شهيداً مسموماً دس معاويته اليه و الى سعد ابن ابى وقاص حين اراد ان لیعهد الى يزيد ابنه بالا مرسماً فما تا فى ايام متقاربته'' ابوالفرج ابن جوزی کا بیان ہے کہ امام حسنؑ زہر سے شہید کیے گئے۔ جو معاویہ نے شام سے ان کے اور سعد بن ابی وقاص کے خاتمہ کیلئے بھیجا تھا اسوقت جبکہ اس نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد بنانا چاہا چنانچہ امام حسنؑ اور سعد دونوں کی وفات اسی زہر سے ہوئی''

اس روایت میں زہر دلانے کی پوری کیفیت درج نہیں اس کے لئے مروج الذہب طبع قدیم مصر ج ۲ ص ۵۰ تذکرۃ الخواص الامتہ ص ۲۱ طبع ایران وغیرہ کتب ملاحظہ ہوں ان میں لکھا ہے۔ کہ ''معاویہ نے جعدہ بنت اشعث (زوجہ امام حسن علیہ السلام جو کہ منافقہ تھی) کو یہ خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر تو حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کر دے تو تجھے ایک لاکھ درہم بھی دوں گا۔ اور تیری شادی اپنے بیٹے یزید سے کروں گا۔ جب یہ

بدنہاد شمع امامت گوگل کر چکی تو معاویہ نے ایک لاکھ درہم تو اسے دلوا دیے لیکن یزید کے ساتھ اس کی شادی نہ کی۔ یہ کہہ کر کہ مجھے یزید بہت عزیز ہے۔ (یعنی خوف ہے کہ تو کہیں اسے بھی زہر نہ دیدے) ورنہ ہم تزویج والی شرط کو بھی پورا کرتے اس طرح یہ منافقہ بموجب ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

خسرت الدنیا والآخرۃ وذالک ھو الخسران المبین

خائب و خاسر ہوئی۔

بہر حال معاویہ کا حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوانا ایک ایسی تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کا کوئی باخبر و اطلاع انسان انکار نہیں کرسکتا۔ خواجہ حسن نظامی یزید نامہ ص ۸۳ پر رقمطراز ہیں۔ ''پہلا خون حضرت امام حسنؑ کا ہے۔ جو تاریخ کی روایت سے قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے۔ اور کوئی قدیم یا جدید محاکمہ تاریخی و قانونی ان کی بریت اس سے نہیں کرسکتا'' مزید اطمینان کے لیے ان کتب کو ملاحظہ کیا جائے۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ص ۱۱۸ تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص ۴۳ طبع سعادہ مصر تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۲۲۶ تاریخ دول الاسلام ج ۱ ص ۵۴ طبع مصر وغیرہ قطع نظر دیگر تاریخی شواہد و دلائل کے خود معاویہ کا وفات حضرت امام حسن علیہ السلام پر اظہار مسرت و شادمانی کرنا اس امر کی بین دلیل ہے۔ چنانچہ حیات الحیوان و میری ج ۱ ص ۵۴ پر مذکور ہے۔ ''فلما بلغ معاویتہ موتہ سمع تکبیرۃ من الخضراء الخ'' یعنی معاویہ کو حضرت امام حسنؑ کی موت کی اطلاع ملی تو اس کے قصر خضراء سے تکبیر مسرت کی آواز سنی گئی۔ استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت امام حسنؑ کی وفات تکبیر کہنے کا باعث ہوئی ہے''۔ فاختہ۔۔ زوجہ معاویہ نے اس پر اعتراض کیا کہ ''اے معاویہ تو فرزند فاطمہؑ کی وفات پر اظہار مسرت کرتا ہے؟ تو معاویہ نے جواب دیا ''استراح قلبی'' میرے قلب کو اس سے راحت پہنچی ہے'' علامہ وحید الزمان نے انوار اللغت ص

پر لکھا ہے کہ جب معاویہ کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کی اطلاع ملی تو۔۔۔

ظلم ششم

تاریخ ابوالفداء ج اص ۱۹۳ پر مرقوم ہے ''کان الحسن قد اوصی ان یدفن عند جدہ رسول اللہؐ وکاد یقع بین بنی امیہ وبین بنی ہاشم فتنتہ فقالت عائشۃ البیت بیتی ولا اذن ان یدفع فیہ'' حضرت امام حسنؑ نے یہ وصیت کی تھی کہ انہیں ان کے جد امجد حضرت رسولؐ خدا کے پاس دفن کیا جائے۔ (لیکن جب حضرت امام حسینؑ نے دفن کرنا چاہا تو جناب عائشہ ومروان وغیرہ نے مزاحمت کی) اور قریب تھا کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان فتنہ وفساد برپا ہو جائے جناب عائشہ نے یہ کہہ کر دفن نہ ہونے دیا کہ گھر میرا گھر ہے اور میں اس امر کی اجازت نہیں دیتی۔ کہ انہیں اس میں دفن کیا جائے'' چنانچہ اسی کشمکش میں کچھ تیر بھی مزاحمین کی طرف سے جنازہ اقدس پر برسائے گئے۔ خواجہ حسن نظامی محرم نامہ میں رقمطراز ہیں۔

''اور ان کے ساتھیوں نے حضرت امام حسنؑ کے جنازہ پر تیر برسائے جن سے جنازہ چھلنی ہو گیا۔ اور مجبور ہو کر حضرت حسنؑ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا'' جناب عائشہ اور مروان اور ان کے ہوا خواہوں کی اس مزاحمت اور دفن نہ ہونے دینے کی اصلی وجہ تذکرہ خواص الامتہ ص ۱۲۲ پر مروان کے خط بنام معاویہ ابن ابی سفیان سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے ''حضرت عثمان بقیع میں دفن ہوں اور حسنؑ روضہ رسولؐ میں یہ امر ہرگز ہمیں گوارہ نہ تھا۔ لہٰذا ہم نے انہیں وہاں دفن نہ ہونے دیا''۔ معاویہ نے اس خط کا جواب لکھا ہے اس میں ان کے اس فعل کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں ''فکتب الیہ معاویتہ یشکرہٗ'' لا حول ولا قوۃ الا باللہ (ھذا ملخص ما افادہ صاحب فلک النجاۃ)

ظلم ہفتم

اگر بنی امیہ اور بنی عباس سے اس مظلوم امام پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھانے میں کچھ کمی رہ گئی تھی تو وہ امامؑ موصوف کے جد امجد کے دیس کی موجودہ حکومت نے اس امام مظلومؑ و مسموم کی قبر اقدس کو منہدم کر کے پوری کر دی ہے آج وہ قبر اس حالت میں امت کے ظلم اور اس کی زیادتیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس پر نہ روضہ ہے نہ قبہ نہ شمع ہے نہ چراغ حتی کہ کوئی کتبہ بھی نہیں ہے "انا للہ وانا الیہ راجعون"

فصل چہارم

حضرت سید الشہداءؑ کے بعض مصائب وشدائد کا بیان

دنیا میں بڑی بڑی جنگیں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ جن میں ظلم و جور اور خون ریزیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ مظالم یہ بے رحمیاں اور یہ ناانصافیاں جس حد تک واقعہ کربلا میں ہوئیں۔ انکا عشر عشیر بھی کبھی کسی معرکہ میں نہیں ہوئیں یہ ہوتا رہا ہے کہ آدمی زیادہ مارے گئے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ خون زیادہ بہا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں دیکھا سنا گیا ہے کہ دل اور روح کے پاک وعزیز ترین جذبات و احساسات کے ساتھ ایسی بے رحمی ہوئی ہو جیسی کربلا میں واقع ہوئی ہٹ دھرمی بے انصافی، ظلم و جور اور ہر طرح کی سختی جو اس میدان میں مظلوموں کیساتھ برتی گئی۔ اس کی دوسری مثال کہیں نہیں ملتی۔ غرض کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر جو مظالم و مصائب کربلا میں ڈھائے گئے انکی مثال تاریخ عالم میں ناپید ہے۔ یوں تو اکثر انبیاء ومقربین خدا ابنائے زمانہ کے ہاتھوں مظالم کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ بہت سے بے گناہ افراد مقتول ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا مال واسباب تاراج ہوا ہے۔ بہت سے

لوگ قید ہوئے ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی وہ تمام مصائب جو فرداً بہت سے اشخاص پر تقسیم تھے۔ وہ حضرت امام حسینؑ کی ذات میں اکٹھے ہو گئے۔ اور ان کے اجتماع سے آپ کی ذات مظلومیت میں اپنی مثال آپ بن گئی۔

خلاصہ یہ کہ وہ کون سا ظلم و جور تھا۔ جو امت نے ثقلین کے ساتھ روا نہیں رکھا۔ اگر قرآن کو نظر آتش کیا گیا۔ (بخاری شریف) تو اہل بیتؑ نبوت کے بیوت مقدسہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اگر جناب سیدہؑ کے گھر کو آگ نہیں لگائی تھی۔ تو کربلا میں خیام حسینؑ سے آگ کے شرارے اٹھتے تو سب نے دیکھ لئے۔ قرآن کو تیروں کا نشانہ بنایا گیا۔ (تاریخ الخلفاء وغیرہ) تو اہل بیتؑ پر بھی تیروں کی بارش برسائی گئی حضرت امام حسنؑ کے جنازہ پر تیر برسائے جانا بھی اوپر لکھا جا چکا ہے۔ لیکن میدان کربلا میں تو حد ہو گئی۔ بزرگوں کا ذکر کیا یہاں تو شش ماہے بچے بھی نذر تیر کر دیئے گئے۔ ''وہ شیر خوار بچہ جو اپنی ماں کی گود میں سسکیاں لے رہا تھا۔ امام حسینؑ نے اس کی حالت دیکھی اور اپنے ہاتھوں پر بلند کیا یہ تھا حسینؑ کا سب سے آخری فدیہ۔ انسانیت کے ہاتھ پیروں میں لرزہ پڑ گیا۔ اور رحم و کرم کی دنیا پر اندھیرا چھا گیا۔ جب دشمن فوج کے ایک سپاہی نے تیر چلہ کمان میں جوڑا اور بچہ کی گردن کو نشانہ بنایا۔ حسینؑ کا یہ آخری فدیہ بھی قبول ہو گیا۔ اب کیا تھا۔ حسینؑ کو حق کی حمایت میں جہاد کا فرض انجام دینا تھا۔ اور اپنی جان کی قربانی پیش کرنا تھی۔ آپ نے شکستگی اور بے کسی کے عالم میں تلوار نیام سے نکالی اور جتنی کسی انسان میں طاقت ہو سکتی ہے۔ اس حد تک نہایت شدید مقابلہ کیا۔ وہ مقابلہ جو تاریخ عالم میں یادگار ہے، مگر کہاں ایک جسم انسانی اور کہاں فولادی تلواروں کا سیلاب جسم زخموں سے چور ہو گیا۔ گھوڑے سے زمین پر گرے۔

اور وہ مرحلہ تو آپ کے لئے پہلے ہی آسان تھا اب آسان تر ہو گیا۔ آپ کا سر قلم کیا گیا۔ اور نیزے پر بلند کیا گیا۔ شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے پامال کی گئیں۔ مال و

اسباب لوٹ لیا گیا۔ پردہ نشین عورتوں کے سروں سے چادریں تک اتارلی گئیں۔ مال و

اسباب لوٹ لیا گیا۔ پردہ نشین عورتوں کے سروں سے چادریں تک اتارلی گئیں۔ خیموں میں آگ لگادی گئی۔ مردوں میں ایک فرزند حسین زین العابدینؑ زندہ بچے تھے۔ جو بیماری کے عالم میں تھے۔ انہیں طوق و زنجیر پہنایا گیا۔ اور عرب کے شریف ترین خاندان کی غیرت مند بیبیاں رسیوں میں باندھ کر قیدی بنائی گئیں۔ اور انہیں دربدر پھرایا گیا۔ (از شہید انسانیت)

غرض کہ امت نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح قرآن و عترت میں تفریق کردیں۔ لیکن حضرت رسول خداؐ کی زبان وحی ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ ''انهما لن يفترقا حتى يردا على الحوض'' کو کون جھٹلا سکتا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے بعد از شہادت نوک سنان پر قرآن کی تلاوت کر کے اپنے جد امجد کی حدیث پر مہر تصدیق کردی۔ (بحار الانوار)

اور اپنے اس عمل سے یہ ثابت کردیا کہ ہم قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ہمارے ساتھ ہے اس ظاہری مفارقت سے ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔ ہمارے درمیان جدائی ڈالنے کا خیال ایک ایسا خواب ہے۔ جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

ع۔ ایں خیال است و محال است و جنون

بہر کیف امت نے جو سلوک ثقلین کے ساتھ کیا اس کا فیصلہ داور محشر کے حضور حشر کے دن ہوگا۔ جب کہ ثقلین مدعی اور مسلمان مدعٰی علیہ ہوں گے۔ قرآن کہے گا ''رب انهم حرقوني و مذقوني'' یا اللہ مسلمانوں نے مجھ میں تحریف کردی اور مجھے پارہ پارہ کرڈالا۔

اور عترت رسولؐ کہے گی ''یارب انهم قتلونا وشردونا وظلمونا''

بارالہا! مسلمانوں نے ہمیں قتل کیا۔ ہمیں متفرق کیا اور ہم پر ظلم وستم کیا۔ ''ولنعم الحكم الله وهو خيرا الحاكمين و سيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون''

اے کاش عترت رسولؐ پر یہ مصائب شدائد ڈھانے کے بعد امت کو ہوش آجاتا

لیکن افسوس کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی امت خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئی۔ عوام
الناس نے اس واقعہ ھائلہ سے کچھ عبرت حاصل کی ہو یا نہ؟ ہمیں اس سے کچھ سروکار نہیں
لیکن دین خدا کے ٹھیکدار یعنی ملاہائے مفسدین نے تو ہرگز اس سے کوئی درس عبرت حاصل
نہیں کیا بلکہ یہ لوگ ہمیشہ۔۔۔ ان مظالم میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بجائے
اس کے کہ یہ حضرات لوگوں کو ظالموں سے نفرت اور مظلوموں کی حمایت کی ترغیب وتحریص
دلاتے الٹا انہوں نے مظلوموں سے نفرت اور ظالموں کی حمایت کا درس دینے کے لئے کمر
بستہ ہو گئے۔ اور سید الشہداء اور ان کی مجالس عزا کے متعلق وہ فتاویٰ صادر کئے جنہیں دیکھ کر
پہلو میں حساس دل رکھنے والا انسان دم بخود ہو جاتا ہے۔ خود سید الشہداء کے متعلق یہ فتویٰ
صادر کیا۔ "قتل الحسینؑ بسیف جدہ" حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے شہید ہوئے۔ (العواصم من
القواصم ابن عربی) اور آپ کے ذکر خیر کے متعلق یہ فتویٰ جاری کیا "وحرام علی الواعظ ذکر مقتل
الحسنؑ والحسینؑ" واعظ کے اوپر حضرت امام حسنؑ وحسینؑ کی شہادت کا ذکر کرنا حرام ہے۔
(صواعق محرقہ ص طبع جدید) بنی امیہ کے اتباع کی آج بھی کچھ کمی نہیں ہے۔ جو ان مجالس و
محافل عزا اور مراسم عزاداری کو کفر و شرک اور بدعت قرار دیتے ہوئے شب و روز ان کے
خاتمہ کی سرتوڑ نافرجام کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ چونکہ
حضرت امام حسینؑ کی شہادت خالصتاً بوجہ اللہ اور اس کے دین مبین کی حفاظت وحراست کے
لیے عمل میں آئی تھی اس لیے اب خداوند عالم اس کے بقاء وتحفظ کا ذمہ دار ہے۔ واللہ متم نورہ
ولو کرہ المشرکون۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

جب ہم بہت قلیل التعداد تھے۔ تو اس وقت بنی امیہ و بنی عباس کی بے پناہ باطل

طاقتیں ہمیں کچل نہ سکیں اور نہ ہمارے مراسم عزا کو مٹا سکیں۔ تو اب جبکہ ہم بحمد اللہ وہ تعداد میں بھی کسی سے کم نہیں ہیں تو ہمیں کون کچل سکتا ہے؟ یا ہمارے مراسم عزاداری حسینؑ کو کون مٹا سکتا ہے؟

ے کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے کبھی اپنی قوت و طاقت پر بھروسہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمارا ہمیشہ خدائے قہار و جبار کی قدرت و طاقت اور اس کے وعدوں پر اعتماد رہا ہے۔ ارشاد قدت ہے۔ ''ان اللہ یدافع عن الذین آمنو الآیتہ'' خداوند عالم خود ایمان والوں کی طرف سے مدافعت کرتا رہتا ہے۔ ایک اور مقام پہ فرماتا ہے ''و حقاً علینا نصر المومنین'' ہمارے اوپر مومنین کی مدد و نصرت کرنا لازم ہے۔

اے کاش! کہ مفسد عناصر اس سلسلہ میں بنی امیہ و بنی عباس کی مذموم کوششوں اور پھر ان کی ناکامیوں کا کتب سیر و تواریخ میں مطالعہ کر کے اپنی ان مذموم کوششوں سے باز آجاتے اور امن و آشتی کے ساتھ جیتے او دوسروں کو جینے دیتے کیونکہ اسلام امن و آشتی کا دین ہے اور اس میں جبر و اکراہ نہیں ہے وہ عقیدت و عمل میں آزادی کا علمبردار ہے ''لا اکراہ فی الدین' اس کا اعلان ہے۔ ع

موسیٰ بدین خود و عیسیٰ بدین خود

بہر حال وہ اپنے خبث باطنی و سوئے سریرہ کا اظہار کرتے رہیں۔ ہم اپنے وظیفہ ایمانی کو سرانجام دیتے رہیں گے۔ ہماری ان محافل و مساعی جمیلہ کے برکات سے وہ دن دور نہیں کہ جب تمام اقوام عالم پر حسینؑ کی صداقت اور ان کے مشن کی حقانیت واضح و روشن ہو جائیگی۔ اور اس کے نتیجہ میں ع

ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

حسینؑ پر کسی قوم وملت کی اجارہ داری نہیں ہے وہ نہ صرف شیعوں کے ہیں نہ صرف سنیوں کے بلکہ وہ پورے عالم انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہیں حسینؑ کا خدارب العالمین، حسینؑ کا نا رحمۃ للعالمین حسینؑ کا بابا ھدی للعالمین۔ اور حسینؑ کی اماں سیدۃ نساء العالمین ہیں۔ اس لئے خود حسینؑ بھی محسن عالمین ہیں۔ آیئے مل کر یاد حسینؑ منائیں تاکہ ثابت ہو کہ

حسینؑ اس کا حسینؑ اس کا حسینؑ تیرا حسینؑ میرا

حسینؑ رب کا حسینؑ سب کا

فصل پنجم

دیگر آئمہ کے مصائب وشدائد کا اجمالی بیان

جب فصول سابقہ میں پنجتن پاک علیہم السلام کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک معلوم ہو گیا تو اس سے دوسرے اہل بیتؑ کے ساتھ بھی ان کے سیر وسلوک کا حال خسران مآل بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ جو خصوصیات پنجتن پاک کو حاصل تھیں وہ بظاہر دوسرے آئمہ معصومینؑ کو حاصل نہ تھیں مثلاً خمسہ نجباء۔۔۔ عہد رسالت میں موجود تھے۔ مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کی زبان اقدس سے ان کی تعریف وتوصیف اپنے کانوں سے سنی اور ان حضرات کی تعظیم وتکریم آنکھوں سے دیکھی تھی۔ آنحضرت ہمیشہ ان بزرگواروں کے نام لے لیکر مسلمانوں کو ان کے ساتھ حسن وسلوک کی وصیت ونصیحت کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب ان کے حقوق کو پامال کیا گیا۔ ذرہ بھر ان کی نگہداشت نہ کی گئی۔ اور ان پر وہ ظلم وستم ڈھائے گئے جو نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی آنکھ نے دیکھے۔ تو ان مسلمانوں کو دوسرے آئمہ اطہار علیہم السلام کے اوپر ظلم وستم کرنے سے کیا چیز مانع تھی؟ آخر ایسے امور شنیعہ کے ارتکاب سے حیاء وایمان ہی تو

انسان کو روکتے ہیں۔ لیکن جب انسان پردۂ حیا کو چاک کر ڈالے اور دائرہ ایمان سے نکل جائے۔ تو پھر اسے ارتکاب محرمات وہتک حرمات میں کونسی چیز حائل ہو سکتی ہے؟" ولنعم ما قیل اذا القیت جلباب الحیاء فاصنع ما شئت" یعنی بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن۔ اس پر طرہ یہ کہ اب لوگ زمانہ رسالت سے بعید العہد ہو چکے تھے اکثر دنیا داروں میں زمانہ جاہلیت کے صفات رزیلہ پوری طرح عود کر آئے تھے۔ اور تعلیمات اسلامیہ کے نقوش بالکل دھندلے ہو چکے تھے۔ بلکہ مٹ چکے تھے۔ اس لیے خلفاء جور بنی امیہ بنی عباس نے آئمہ اہل بیت پر انواع واقسام کے ظلم وجور ڈھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر ہمارے جد امجدؐ نے امت کو ہمارے ساتھ حسن سلوک کی وصیتیں فرمائی تھیں۔ اگر اس کے برعکس ہمارے ساتھ بدسلوکی اور ہم پر ظلم اور جور کرنے کی انہیں وصیتیں کرتے تو مسلمان ان مصائب وآلام سے بڑھ کر ہم پر ظلم وستم نہیں کرسکتے تھے۔ جتنے اب کیے ہیں۔ (عاشر بحار وغیرہ) عہد بنی امیہ میں مسلمانوں کے ذہنی وایمانی انقلاب کا یہ عالم ہو چکا تھا۔ کہ آئمہ اہلبیتؑ پر سب وشتم کرنا اور ان سے کھلم کھلا اظہار نفرت وبرأت اور ان کے دشمنوں کی محبت ومودت کا دم بھرنا اور آئمہ پر مصائب وشدائد ڈھانے میں شرکت کرنا مناقب وفضائل میں شمار ہوتا تھا۔ مروج الذہب طبع جدید مصر ج ۳ ص ۸۴ پر مذکور ہے۔ کہ سلطنت بنی امیہ میں حضرت علی اور آپ کی اولاد امجاد سے عداوت کا اظہار کرنا سلاطین زمانہ کے تقرب کا باعث سمجھا جاتا تھا اور اسے ایک فضیلت شمار کیا جاتا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص عبداللہ یمنی نے حجاج ابن یوسف ثقفی کے پاس اپنے مناقب ومحامد بیان کرنے شروع کیے جن کی بناء پر وہ ان سے عزت واحترام کا مستحق قرار پاتا تھا منجملہ اپنے دیگر مناقب کے جو اس نے شمار کیے چند منقبتیں یہ بھی تھیں۔

کہ ہمارے قبیلہ کے ستر آدمی جنگ صفین میں معاویہ کے ساتھ تھے اور ہمارا صرف ایک آدمی ابوتراب کے ہمراہ تھا۔ جو اس سے پہلے برا آدمی خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ حجاج نے سن کر کہا بخدا یہ ایک منقبت ہے پھر یمنی نے کہا ہم میں سے کوئی شخص بھی ابوتراب سے دوستی نہیں رکھتا۔ حجاج نے کہا بخدا واقعاً یہ بھی ایک منقبت ہے پھر کہا کہ ہمارے قبیلہ کی کوئی عورت ایسی باقی نہیں رہی تھی جس نے یہ نذر نہ مانی ہو کہ اگر حسینؑ قتل ہو گئے تو وہ دس اونٹ کی قربانی کریگی۔ چنانچہ قتل حسین کے بعد انہوں نے اپنی اس نذر کو پورا کیا۔ حجاج نے کہا خدا یہ بھی ایک منقبت ہے۔ پھر کہا ہم میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہے۔ جس نے اپنے باپ دادا سے ابوتراب کو گالیاں دینے کی تعلیم حاصل کر کے اس پر عمل درآمد نہ کیا ہو۔ (اس شقی ازلی نے بطور فخر و مباہات) کہا کہ میں تو فقط علی ہی کو گالی دینے پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے دونوں بیٹوں حسن و حسین اور ان کی ماں کو بھی ان کیساتھ گالیاں دیتا ہوں۔ حجاج نے کہا خدا کی قسم یہ بھی واقعاً ایک فضیلت ہے۔ "لا حول ولا قوة الا بالله" (بحوالہ فلک النجاۃ) مقدمہ کتاب میں بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ اس منحوس عہد میں حضرت علیؑ کے نام پر نام رکھنا موجب جرم سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے عہد میں بنی امیہ کے قصر حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں۔ جو حضرت امام جعفر صادقؑ کے عہد میں بالکل منہدم ہو گیا۔ اور اس وقت بنی عباس اپنی حکومت کی داغ بیل ڈال رہے تھے اور چونکہ انہوں نے نام خون حسینؑ لینے کے بہانے اپنی حکومت بنائی تھی۔ اس لئے اوائل اوائل میں انہوں نے اہلبیتؑ سے محبت و اخلاص ظاہر کیا اور امامینؑ کو اپنے جد نامدار کی شریعت کے حقائق و معارف کی نشر و اشاعت کا موقع مل گیا۔

مگر افسوس کہ یہ خلوص کا اظہار کچھ زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوا۔ جوں ہی ان کے پاؤں جم گئے تو سب سے پہلے اپنے تیر و تفنگ کا نشانہ ائمہ اہلبیتؑ کو ہی بنایا۔ اور اس

خانوادہ عصمت وطہارت پر وہ کوہائے ظلم و جور ڈھائے کہ جن کی نظیر بنی امیہ کے دور میں بھی نظر نہیں آتی انہی حقائق کے پیش نظر شعراء نے کہا ہے۔

والله مافعلت امیه فیهم
معشار ما فعلت بنو عباس

ابو فراس ہمدانی حکام بنی عباس کو خطاب کر کے کہتا ہے

مانال منهم بنو حرب و ان عظمت
تلک الجرائم الا دون نیلکم

بنی عباس کے مظالم وشدائد سے کتب تواریخ کے صفحات چھلک رہے ہیں ان کی جابر سلطنت کے دور میں آئمہ طاہرینؑ گوں ناگوں مصائب ونوائب میں مبتلا رہے۔ ان کی مقدس زندگیاں خلفاء جور کی قید و بند میں گذریں اور آخر کار کسی کو زہر سے شہید کیا گیا۔ اور کسی کو تلوار جفا سے ذبح کیا گیا۔ چنانچہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ کو ولید ابن عبدالملک اموی نے زہر سے شہید کرایا اور جنت البقیع میں اپنے عم بزرگوار امام حسن علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حضرت امام باقرؑ کو ہشام بن عبدالملک نے سم جفا سے شہید کرایا اور اپنے والد بزرگوار کے جوار میں دفن ہوئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو منصور دوانقی عباسی نے زہر جفا سے شہید کرایا اور وہ اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم کو ہارون عباسی نے زندان بغداد میں زہر جور سے شہید کیا جو بغداد کے ہی ایک محلہ میں جو اب کاظمین کہلاتا ہے دفن ہوئے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کو مامون عباسی نے وطن سے دور طوس میں زہر ستم سے شہید کیا جو وہیں دفن ہوئے۔ امام محمد تقی کو معتصم عباسی نے زہر دے کر شہید کرایا اور اپنے جد امجد امام موسیٰ کاظم کے روضہ میں دفن ہوئے حضرت امام علی نقی کو معتز باللہ عباسی نے زہر سے شہید کرایا اور سامرہ

میں دفن ہوئے۔ امام حسن عسکری کو معتمد باللہ عباسی نے زہر سے شہید کرایا اور اپنے والد ماجد کے پاس سامرہ میں دفن ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ع۔ بکھرے گل ریاض پیمبر کہاں کہاں

یہ ہے امت رسول کے آل رسول پر ظلم وستم کی داستان خونچکاں کا مختصر اور اجمالی بیان حق ترجمان ورنہ

ع سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

اور یہ ہے امت کے اجر رسالت ادا کرنے کی مختصر کیفیت

ع۔ حکایت بود طولانی بہ خاموشی ادا کردم

کسی شاعر نے حدیث ثقلین اور مسلمانوں کا تذکرہ ان اشعار ابدار میں یوں کیا ہے۔

کہا تھا احمد مرسل نے لوگو تم میں دو چیزیں
میں چھوڑے جاتا ہوں ایک اہلبیت اور ایک قرآن ہے
ہیں دونوں ثقل میں نہیں ہرگز جدا ہوں گے
کہے گی آل میری پس وہی جو حکم یزداں ہے
تمہیں جب تک کہ ان دونوں سے اے لوگو تمسک ہے
تمہارا تب تلک بیشک سلامت دین و ایمان ہے
جو برگشتہ ہوا ان سے پھرا وہ حکم داور سے
پھرا جو حکم داور سے وہ خود نار یزداں ہے
مگر افسوس امت نے نہ کی کچھ قدر دونوں کی
کیا جو کچھ وصیت پر عمل سب پر نمایاں ہے

”ولیکن هذا آخر ما اردنا ایراده فی شرح حدیث الثقلین علی سبیل الا ستعجال مع تشتت البال و تفرع الاهوال فانا احمد الله علی حسن توفیقه و تائیده مصلیاً علی سید المرسلین و عترته الطیبین المعصومین و ایاه اسئل مستشفعا به و بهم صلوات الله علیه و علیهم اجمعین ان یجعل کتابی هذا و سائر اعمالی لوجهه الکریم و ذخراً لیوم الدین یوم لا ینفع مالٌ ولا بنون الّا من اتی الله بقلب سلیم ان ینفع بهذا الکتاب طالبی الصراط المستقیم انه خیر موفق و معین و کان الفراغ من تسویده لیلة الجمعة المبارکة لثلاثه ایام مضین من شہر ربیع الاول من شهور ۱۳۷۸ ھ الهجریة علی مهجرها الاف التحیة والسلام فی البلدة المبارکة النجف الاشرف العراق صانها الله من الآفات علی مشرفها آلاف التحیات والصلوات۔

☆☆☆☆☆
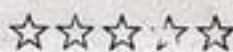
ضمیمہ کتاب تحقیقات الفریقین
فی حدیث ثقلین

یعنی رسالہ حدیث الثقلین کا علمی محاسبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لاهله و الصلوة علی اهلها.

آج سے تقریباً تیس ۳۰ سال قبل ۱۳۷۸ھ بمطابق ۱۹۵۸ء میں نجف اشرف کے دوران قیام پاکستان کے بعض متعصب مولوی صاحبان کے بعض معاندانہ مضامین سے متاثر ہو کر میں نے ''حدیث الثقلین،، کے موضوع پر ایک محققانہ کتاب بنام ''تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین،، سپرد قلم کی تھی۔ جس پر عراق کے مراجع عظام کی بڑی وقیع تقاریظ موجود ہیں۔ مگر سوئے اتفاق سے وہ علمی کتاب آج تک منظر عام پر نہ آسکی۔ جبکہ ۱۹۶۰ء میں نجف اشرف سے وطن واپس آنے کے بعد لکھے جانے والی متعدد کتابیں کئی کئی بار طبع ہو کر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہیں سچ ہے۔ "الامور مرهونة باوقاتها" شائد اس میں یہ مصلحت ایزدی کارفرما تھی کہ رسالہ ''حدیث الثقلین،، کا جواب اس میں شامل ہو جائے اور اس طرح یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے۔ ہوا یوں کہ آج سے چند سال قبل جامعہ محمدی ضلع جھنگ کے مدرس جناب مولوی محمد نافع صاحب کے قلم سے ایک رسالہ بنام ''حدیث ثقلین،، شائع ہوا۔ جس میں موصوف نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے مشہور بلکہ متواتر ''حدیث ثقلین،، (جس میں کتاب اللہ وعترتی،، کے الفاظ وارد ہیں کی تضعیف کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی

ہے کہ اصل صحیح حدیث ثقلین وہ ہے۔ جس میں "کتاب اللہ وسنتی" کے الفاظ وارد ہیں اور موصوف نے اس مختصر رسالہ میں بزعم خود حجۃ الخاصہ علی العامہ سرکار علامہ میر سید حامد حسین صاحب موسوی نیشاپوری ثم لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کی مشہور محققانہ کتاب مستطاب عبقات الانوار کی حدیث ثقلین کے متعلق ان دو ضخیم جلدوں کا جواب دینے کی بلکہ منہ چڑانے کی کوشش کی ہے۔ بالفاظ دیگر اتنی بڑی عظیم کتاب اور اتنے بڑے عظیم مصنف کے خلاف قلم اٹھا کر اور خریداران یوسف میں اپنا نام درج کرا کر اپنے ابناء مذہب میں سستی شہرت حاصل کرنے کی ناتمام کاوش کی ہے۔ سرکار موصوف نے سینکڑوں علماء محققین اور سینکڑوں ناقابل رد دلائل و براہین کی روشنی میں اس حدیث کی نہ صرف صحت بلکہ تواتر اور اس کا آئمہ اہلبیتؑ کے امام مفترض الطاعہ ہونے کی نص صریح اور مذہب حق شیعہ خیر البریہ کی صداقت وحقانیت کی وہ ناقابل رد دلیل فصیح ہونا ثابت فرمایا ہے۔

جس کا علمی جواب صبح قیامت کے طلوع ہونے تک تمام علماء اہلسنت مل کر بھی نہیں دے سکتے چہ جائیکہ صرف بیچارہ مولوی محمد نافع صاحب۔

بت کریں دعوئی خدائی کا
شان ہے تیری کبریائی کی

اس رسالہ کی اشاعت کے بعد میں نے تحقیقات الفریقین کی طباعت اس وقت تک روک دی۔ جب تک اس میں اس کا جواب الجواب شامل نہ کر لیا جائے۔ اس طرح کئی سال گذر گئے مگر مجھے اپنی روایتی عدیم الفرصتی کی بنا پر ادھر توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی اور نہ ہی رسالہ کے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ کئی سالوں سے میرا معمول یہ ہے کہ لکھائی پڑھائی کا کام زیادہ تر رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں کیا کرتا ہوں۔ اس سال اس رسالہ کا جواب دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ملکوال ضلع گجرات کے بعض عزیزوں سے وہ رسالہ حاصل کیا اور کل ختم کیا اور

تمام رسالہ پر ایک جامع نظر نہ فرمالیں۔۔۔اظہار خیال کرنے میں جلدی اور تعجیل سے کام نہ لیں۔'' اور دانشمندی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ خصوصاً اس شخص کے لئے جس نے جواب لکھنا ہو۔اس لیے پہلے بنظر غائر تمام رسالہ کا مطالعہ کیا گیا۔قابل مواخذہ مقامات کے نوٹس لیے گئے اس کے تمام مندرجات پر غور وخوض کیا گیا اور اس کے سب مالہ وماعلیہ پر تامل وتدبر کیا گیا بعد ازاں اس کا یہ مختصر مگر محققانہ ومنصفانہ جواب سپرد قلم وقرطاس کیا جارہا ہے۔

ع۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

وانا الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ

سیٹلائیٹ ٹاؤن سرگودہا

۷ ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

بمطابق اپریل ۱۹۸۹ء بروز جمعۃ المبارک ساڑھے بارہ بجے دن

سیالکوٹی کے مقدمہ پر تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخفی نہ رہے کہ ہمارے پیش نظر رسالہ ''حدیث ثقلین'' کی دوسری اشاعت جنوری ۱۹۸۴ء مطبوعہ لاہور ہے۔ جو ۲۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں ایک مفصل مقدمہ اور دو تقریظیں بھی درج ہیں اور یہ مقدمہ جناب مولوی خالد محمود صاحب سیالکوٹی کے خامہ ناصبیت شمامہ کا اثر ہے۔ جس میں موصوف نے ''بموجب کذ یہ از آتش گرم تر است'' مشہور بلکہ متواتر حدیث ثقلین (بالفاظ قرآن وعترت) کو شیعوں کی ''خانہ ساز'' وضع کردہ اور ''من گھڑت'' قرار دیتے ہوئے یہ شیخی بھی بگھاری ہے کہ وہ ہم کو اس بات کی اجازت کبھی نہیں دے سکتے۔ کہ اپنی اس من گھڑت روایت کو ہمارے ذمہ لگائیں اور اس روایت ثقلین کو یہ حضرات اہل سنت کی طرف نسبت کریں۔'' (ص ۲۶) کبرت کلمة تخرج من افواھهم۔

حالانکہ مولف رسالہ مولوی محمد نافع صاحب نے اپنے پورے رسالہ میں کہیں بھی اس حدیث شریف کو ''موضوع'' ''خانہ ساز'' یا ''من گھڑت'' نہیں کہا بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کے بعض طرق واسانید پر ضعف کا ایراد کیا ہے اور بعض اسانید کو صحیح بھی تسلیم کیا ہے۔ مثلاً مسند احمد کی روایت ہشتم اور مسند دارمی کی روایت وصحیح مسلم کی روایت وغیرہ وغیرہ کی صحت اسناد کو درست کہا ہے اور صرف ان کے متن سے بحث کی ہے بنابریں مولف رسالہ ہذا کے حق میں یہ کہنا غلط ہوگا۔ کہ ''اس نے روایت ثقلین کے تمام اسانید پر جرح کر کے انہیں رد کر دیا ہے'' ۔ اسے کہتے ہیں۔ کہ ''من چہ سرایم وطنبورہ ام چہ سراید'' میں کیا کہتا ہوں اور میرا طنبورہ کیا کہتا ہے۔؟ سیالکوٹی صاحب اسے شیعوں کی ''من گھڑت'' اور ''خانہ ساز'' قرار دے رہے ہیں۔ ''اگر چہ قرن اول سے لے کر آج پندرھویں صدی تک اہلسنت کی ہزاروں کتب تفسیر وحدیث اور تاریخ وغیرہ اس

سے چھلک رہی ہیں) اور جھنگوی صاحب اس کو اس کے بعض اسانید کے اعتبار سے صحیح حدیث تسلیم کر رہے ہیں۔

ع۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟

لہٰذا سیالکوٹی کی تقریر سراپا تغریر کے ابطال کے لیے ہمیں کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود جناب مولوی محمد نافع صاحب جھنگوی کی تحریر ہی کافی ووافی ہے۔ ''یخربون بیوتھم بایدیھم''۔ ہاں البتہ بعد ازیں ہم جھنگوی صاحب کی پیش کردہ روایت بالفاظ قرآن و سنت'' کی تردید و تضعیف اور حدیث ثقلین بالفاظ مشہور ''قرآن وعترت'' کے احقاق و اثبات میں جو کچھ دلائل و براہین پیش کریں گے۔ اس سے سیالکوٹی کی مزید تردید ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

سر دست سیالکوٹی صاحب کی صرف ایک غلط بیانی کا پردہ چاک کرنا مقصود ہے۔ جو انہوں نے پرویزیوں کی اصطلاح ''مرکز ملت'' پر برتتے ہوئے اسے شیعوں کے عقیدہ امامت کا تانا بانا نبوت سے ملاتے ہوئے اس ''اقرار امامت'' کو ''ختم رسالت'' کا انکار قرار دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ع۔ ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے؟

یہ درست ہے کہ شیعیان علی نبیؐ کے بعد امام کو مرکز اسلام و مسلمین مانتے ہیں مگر اس عقیدہ کا سنگ بنیاد رسالت کے انکار پر نہیں بلکہ توحید و رسالت کے اعتراف و اقرار پر ہے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اولاً و بالذات اطاعت علی الاطلاق و بالاستقلال صرف ذات پروردگار کی ہی واجب و لازم ہے۔ اور سنت نبویؐ کی اطاعت بھی ثانیاً و بالتبع واجب و لازم ہے۔ تو صرف اس بنا پر کہ وہ کتاب اللہ کے مضامین و مطالب کی بیان و شرح کنندہ ہے۔ بعینہ سی طرح اگر ائمہ کی اتباع و اطاعت ثالثاً و بالعرض واجب و لازم ہے۔ تو صرف اس بنا پر کہ وہ رآن وسنت کے حقیقی عالم'' اس پر حقیقی عامل اور اس کے حقیقی اجراء و نافذ کرنے والے ہوتے یں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں دس جگہ صیغہ امر (اطیعو) کے ساتھ خدا کے ساتھ رسول کی

اطاعت بھی واجب قرار دی گئی ہے۔ جیسے ''یا ایھا الذین امنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول ولا تبطلوا اعمالکم'' (پ ۲۶ س محمد ع ۸) اور ایک جگہ صرف رسول کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے۔ جیسے و اطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (پ ۱۸ س نور ع ۱۳) اور ایک جگہ خدا اور رسول کے ساتھ (اولی الامر۔ یعنی امام) کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ جیسے ''اطیعو اللہ و اطیعو االرسول و اولی الامر منکم'' (پ ۵ س نساء ع ۸) اس سلسلہ میں سیالکوٹی نے کتر و بیونت کر کے بعض احادیث و اقوال کے جو چند ٹکڑے پیش کر کے یہ غلط تاثر دینے کی مذموم کوشش کی ہے کہ شیعوں کے نزدیک عہدہ نبوت اور منصب امامت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات سراسر غلط اور سراسر دھوکہ دہی وابلہ فریبی ہے۔ انبیاء و رسل کو وحی شریعت ہوتی ہے جبکہ آئمہ کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھنے کو ہمارے علماء اعلام نے کفر قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو اوائل المقالات شیخ مفید ص ۸۷ طبع ایران)، وہ نبی و رسول ہوتے ہیں۔ مگر آئمہ کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھنے کو ہمارے فقہا و علماء نے ''غلو'' قرار دیا ہے جو کفر کے مترادف ہے۔ (ملاحظہ ہو بحار الانوار ج ۷ ص ۳۶۵ طبع ایران قدیم) جو چند اقوال اور اخبار و آثار موصوف نے پیش کیے ہیں۔ خود ان میں آئمہ کے بارے میں مرتبہ نبوت اور اس کے خصائص کی نفی موجود ہے مگر اس کے دیکھنے اور سمجھنے کے لئے دیدۂ بینا درکار ہے۔ ''و من لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور'' نبی اور وصی میں صرف بعض صفات جلیلہ کے اشتراک سے کہ جس طرح نبی میں عصمت ضروری ہے اسی طرح امام میں بھی عصمت لازمی ہے۔ یا جس طرح نبی کے لئے نص ضروری ہے اسی طرح امام کے لئے بھی منصوص ہونا ضروری ہے۔ اس سے یہ کب اور کس طرح لازم آتا ہے کہ نبی و امام میں کوئی فرق نہیں ہے؟ اے معاذ اللہ! آخر نائب و منیب اور خلیفہ و مستخلف میں کچھ مماثلت و مشابہت تو ضرور ہونی چاہیئے۔ بصورت دیگر تو معیار خلافت و امامت ہی ختم ہو جائے گا اور پھر ہر شخص خلافت و امامت کا دعویٰ کرنے لگے گا۔

بڑے دعویدار قرآن وسنت سے اس کی کوئی سند وحجت پیش کر سکتے ہیں؟ اور اگر امامت وخلافت نصی نہیں ہوتی تو حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ تک کسی نبی کا کوئی ایک ایسا خلیفہ پیش کر سکتے ہیں۔ جو منصوص نہ ہو؟ بلکہ اجماعی وشورائی ہو۔ یا قہر وغلبہ کی پیداوار ہو؟ **قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين!**

گوئے ایمان و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد؟

کچھ آگے چل کر سیالکوٹی صاحب یہ لکھنے کے بعد کہ ’’عقائد میں دلائل یقینیہ کا اعتبار کیا جاتا ہے‘‘ کہ علمائے امامیہ کے پاس ایسی صرف دو دلیلیں ہیں (۱) ایک حدیث ولائت (**من كنت مولاه فعلي مولاه**) اور دوسری حدیث ثقلین (قرآن وعترت) پھر پہلی حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ ’’اس کے متواتر ہونے کا طلسم تو مدتوں سے ٹوٹ چکا ہے یہ روایت طریق تواتر سے نقل ہونا تو درکنار خبر واحد کے طور پر بھی کسی صحیح سند سے ثابت نہ ہو سکی‘‘۔ اور پھر دوسری کو شیعوں کی خانہ ساز قرار دے کر دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ (نقل بالمعنی)

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کہ جو متعصب اس حدیث کی تضعیف کرتے تھے۔ مدت ہوئی کہ ان کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ جبکہ

(۱) علامہ ابن حجر مکی نے کہا ’’**انه حديث صحيح لا مرية فيه و طرقه كثيرة جداً و كثير اسانيد ها صحاح او حسان**‘‘ یعنی بے شک یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس کے اکثر طرق صحیح یا حسن ہیں۔ (صواعق محرقہ ۴۲ ـ ۱۲۲)

(۲) جبکہ علامہ ذہبی نے حاکم کے ترجمہ میں خطیب بغدادی کے عندیہ کی رد کرتے ہوئے لکھا ’’**اما حديث من كنت مولاه فله طرق جيدة و افردت ذلك ايضاً**‘‘ کہ حدیث من کنت مولاہ کے بہت سے جید طرق ہیں۔ اور میں نے اس پر مستقل کتاب لکھی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳۱)

(۳) جبکہ علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں بذیل آیت مبارک یا ایھا الرسول بلغ لکھا ہے۔ "کذا رواہ النسائی باسناد "جید" "قوی" رجالہ ثقات و قال الذھبی انہ صحیح عن زید بن ارقم و عن الذھبی ان (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) متواتر۔

یعنی اسے نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند جید وقوی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ذہبی نے کہا ہے۔ کہ یہ روایت زید بن ارقم سے صحیح طریقہ سے پہنچی ہے۔ نیز علامہ ذہبی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث ولایت یقیناً متواتر ہے"

(۴) جبکہ علامہ عجلونی نے لکھا "رواہ الطبرانی و احمد والضیاء فی المختارہ عن زید بن ارقم و علیؑ و ثلاثین من الصحابۃ باللفظ اللھم و ال من والاہ و عاد من عاداہ فالحدیث متواتر او مشھور "یعنی اسے طبرانی واحمد اور ضیاء نے کتاب مختارہ میں زید بن ارقم حضرت علی اور دوسرے تیس صحابہ سے نقل کیا ہے۔ پس یہ حدیث متواتر یا مشہور ہے۔ (کشف الخفا ومزیل الالباس ج ۲ ص ۲۷۴) (۵) جبکہ ملا علی قاری نے لکھا ہے (ص ۹) "انہ حدیث صحیح لا مریۃ فیہ بل بعض الحفاظ عدہ متواتراً" یعنی یہ حدیث بے شک وشبہ صحیح ہے بلکہ بعض حفاظ نے اسے متواتر کہا ہے۔ (۶) جبکہ محدث شیخ عبدالحق نے لکھا ہے۔ "ایں حدیث صحیح است و بے شک روایت کردہ آں را شانزدہ صحابہ و بسیار اسانید آں صحاح و حسان است" (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۴۰) (۷) جبکہ علامہ مناوی نے فیض القدیر میں لکھا ہے "رجالہ رجال الصحیح و قال المصنف حدیث متواتر" (ج ۶ ص ۲۱۸) (۸) جبکہ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں بذیل آیت بلغ لکھا "قد بلغ ھذا الحدیث مبلغ المتواتر رواہ جمع من المحدثین و الصحاح و السنن والمسانید بروایۃ

الانوار کی مکمل دو جلدیں اس حدیث شریف کے لئے مختص فرما کر اسے اس طرح سنداً متواتر اور دلالۃً نص خلافت علیؑ ثابت فرمایا ہے۔ کہ مخالفین کے قلم توڑ دیئے ہیں اور ہر قسم کے قیل وقال کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ لیکن۔ ''من لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور''۔ سچ ہے۔ ع

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

''قد بینا الایات لقوم یوقنون'' اور جہاں تک حدیث شریف ثقلین کے تواتر اور نص خلافت آئمہ اہلبیت ہونے کا تعلق ہے تو دوسرے علماء اعلام کے علاوہ ہم خود اپنی کتاب تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین میں بفضل تعالیٰ بطریق احسن اس چیز سے ناقابل رد دلائل عقلیہ وسمعیہ کی روشنی میں عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ اور جناب مولوی محمد نافع صاحب کے رسالہ کے جواب میں اس پر مزید گفتگو کریں گے۔ جس سے یہ چیز روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو جائے گی کہ یہ حدیث شریف سنداً نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ متواتر ہے اور دلالۃً امامت آئمہ اہلبیت کی نص صریح ودلیل فصیح ہے۔ ولا مریۃ فیہ۔ نیز مخفی نہ رہے کہ یہ کہنا کذب صریح ہے۔ کہ شیعوں کے پاس امامت آئمہ کی یہی دو دلیلیں ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان کے پاس قرآن مجید کی بیسیوں آیات اور پیغمبر اسلام کی سینکڑوں روایات ہیں۔ جن میں سے یہ دو حدیثیں بھی ہیں اور سینکڑوں عقلی دلائل ان کے علاوہ ہیں۔ ''کما لا یخفی علی اولی العلم والانصاف''

ع اِلّا علی اکمہ لا یبصر القمرا

بطور نمونہ مشتے از خروارے ہماری کتاب اثبات الامامت کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

اصل کتاب کا خلاصہ

مخفی نہ رہے کہ جناب مولوی موصوف محمد نافع صاحب جھنگوی نے اپنے رسالہ حدیث الثقلین کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ کے مواد کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ وجوب

تمسک میں اہلبیت وعترت نبی کو کتاب اللہ کی مانند جانتے ہیں انکے دلائل کا اصل الاصول اور اساس و بنیاد حدیث ثقلین کو قرار دیا ہے۔ پھر یہ لکھا ہے کہ روایت ثقلین کے حوالہ جات کا حال جس قدر وہ فراہم کرسکتے ہیں وہ تقریباً چھیاسٹھ ۶۶ عدد ہیں اور اڑتیس ۳۸ عدد کتب سے ان کو جمع کیا گیا ہے۔ (ص ۴۲) پھر ایک ایک کرکے ان کے اسانید پر تنقید کی ہے۔ صرف تین اسانید کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ البتہ ان کی دلالت اور متن میں خدشہ کیا ہے۔ دوسرے حصہ کے مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں بارہ عدد وہ روایات درج کی ہیں۔ جن میں کتاب اللہ کے ساتھ "سنتی" وارد ہے اور اس کو تیرہ ۱۳ عدد علماء کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ مگر ان کے اسانید پر تنقید کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور دبے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ان میں ایک روایت بھی صحیح السند نہیں ہے۔ (ص ۲۴۱، ۲۴۸)

مگر ان احادیث کے تذکرہ سے پیشتر گیارہ عدد وہ آیات درج کی ہیں جن میں خدا اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ بارہویں نمبر پر وہ آیت مبارکہ بھی درج کی ہے۔ جس میں خدا اور رسولؐ کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ مگر یہاں اولی الامر میں بحث کی ہے۔ بعد ازاں قرآن وسنت والی بارہ ۱۲ عدد روایات نقل کی ہیں۔ جو اصل سات ہیں جن میں صرف کتاب اللہ کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور سب کے آخر میں کتب امامیہ کے بارہ ۱۲ عدد وہ روایات درج کیے ہیں۔ جن میں سنت رسول پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ تنبیہات اور کچھ تائیدات ہیں بس اللہ اللہ خیر سلا۔ (ص ۱۲)

اصل کتاب پر تبصرہ

جہاں تک مولف کے اس الزام کا تعلق ہے کہ جو لوگ قرآن کی طرح اہلبیت نبوت کے ساتھ تمسک کو واجب ولازم جانتے ہیں انہوں نے اس مسئلہ کی بنیاد روایت ثقلین پر رکھی ہے اور وہی ان کی اصل الاصول اور اساس و بنیاد ہے۔ (ص ۳۷) اس میں رائی کے دانہ کے برابر

بھی کوئی صداقت نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرات شیعہ خیر البریہ کے اس نظریہ کی حقانیت کا اصل الاصول واساس وبنیاد کلام رب العباد یعنی قرآن مجید وفرقان حمید ہے اور اس کے بعد سرکار خاتم الانبیاء کا فرمان واجب الاذعان ہے جس میں سرفہرست یہی حدیث ثقلین ہے کیونکہ

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ درجان مسلم داشتن

مخفی نہ رہے کہ قرآن مجید میں صیغہ امر اطیعوا کے ساتھ دس مقامات پر خدا کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی واجب قرار دی گئی ہے جیسا یا ایھا الذین امنو اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول و لا تبطلوا اعمالکم (پ ۲۶ س محمد ع ۸) اور ایک جگہ صرف رسول کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے جیسے و اطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (پ ا ع ۱۳) اور ایک جگہ خدا ورسول کے ساتھ اولی الامر (آئمۃ برحق) کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے جیسے یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (پ ۵ س نساء ع ۸) اب ارباب عقل وفکر کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ آیا خدا اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت میں باہمی اختلاف وتضاد پایا جاتا ہے یا نہ؟ پس اگر ان اطاعتوں کو باہم متخالف ومتضاد تسلیم کیا جائے تو پھر قرآن میں اختلاف وتضاد تسلیم کرنا پڑے گا۔ حالانکہ قرآن نے اپنے کلام اللہ ہونے کا معیار ہی یہی قرار دیا ہے۔ کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔ "و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً" لہٰذا لامحالہ ماننا پڑے گا کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہے اور جب نہیں ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ خدا اور رسول اور آئمہ ھدیٰ کی اطاعت میں بھی کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ہی سلسلہ جلیلہ کی مختلف کڑیاں ہیں اور یہاں لف ونشر کا کلیہ کارفرما ہے۔ یعنی اولاً وبالذات وبالاستقلال صرف خداوند عالم کی ذات مستجمع جمیع صفات کی اطاعت واجب ہے۔ جو کہ خالق الخلق اور مالک الملک ہے پھر اس کے نبی ورسول ہونے کے ناطے

سے جناب رسول خداؐ کی اطاعت مطلقہ واجب ہے۔ و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اور پھر ان کے بعد بالتبع و بالعرض خلافت الٰہیہ و نیابت نبویہ کے اعتبار سے خلیفہ و امام کی اطاعت مطلقہ واجب و لازم ہے۔ اور یہ بات بھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اطاعت خدا کا مفہوم اطاعت قرآن ہے اور اطاعت رسول کے معنی نبی آخر الزمان کی سنت (ان کے فعل و قول و تقریر) کی اطاعت ہے اور اطاعت اولی الامر کا مطلب امام برحق کے قول و فعل اور تقریر کی اطاعت ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں جب مولف رسالہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "اسلام میں مستقل اطاعت صرف اللہ جل مجدہ کی ہے اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع ہے۔ (ص ۲۲۹)۔ تو پھر آئمہ اہلبیتؑ کی اطاعت کے وجوب کا کیوں انکار کرتے ہیں اور کیوں کہتے ہیں کہ "کہیں ایک جگہ بھی اہلبیتؑ و عترتؑ کی اطاعت کا ذکر نہیں ملتا"۔ (ایضاً)

حالانکہ وہ خود یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ "کہ اولوالامر کی اطاعت کا حکم موجود ہے"۔ (ایضاً)

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

مخفی نہ رہے کہ مولف رسالہ نے عترت نبویہ کی دشمنی کے جوش میں اولی الامر کی تعیین و تشخیص کے بارے میں ادھر ادھر بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ کہیں لکھا ہے کہ اس سے مراد "مسلمان حکام و امراء ہیں؟ اور کہیں لکھا ہے کہ اس سے مراد علماء دین ہیں۔ بہر حال وہ یہ سب کچھ تسلیم کر سکتے ہیں۔ مگر اس سے اہلبیت مراد لینا کسی صورت میں بھی انہیں گوارہ نہیں ہے کیونکہ انہیں اس معنی کے مراد لینے سے بخیال خویش چار امر مانع ہیں۔

(۱) شیعوں کے عقیدہ کے مطابق ہر زمانہ میں ایک امام واجب الاطاعت ہوتا ہے۔ پہلے حضرت علیؑ، ان کے بعد امام حسنؑ وھکذا۔ جبکہ اولی الامر جمع کا صیغہ ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ "حمل الجمع علی الفرد خلاف الظاہر" حالانکہ وہ خود بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ

ہو تو پھر ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی اور یہاں خارجی قرینہ صارفہ موجود ہے کہ اولی الامر کے لیے عصمت ضروری ہے۔ (جیسا کہ ابھی واضح کیا جائیگا) اور یہ کہ ایک وقت میں امام ناطق ایک ہی ہوتا ہے۔ اور اگر دوسرا موجود ہو تو وہ صامت ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے اولی الامر ہر زمانہ میں ایک ہی تھے اور ایک ہی ہیں۔

(۲) ''اگر اولی الامر سے امام مفترض الطاعہ مراد لیا جائے تو چاہیئے تھا کہ کسی معاملہ میں تنازعہ کے وقت امام کی طرف لوٹانے کا بھی حکم ہوتا۔ حالانکہ آیت میں صرف خدا اور رسول کی طرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ بموجب ''ان القرآن یفسر بعضہ بعضاً'' (قرآن اپنے بعض حصوں کی دوسرے بعض حصوں سے تفسیر کرتا ہے) دوسری جگہ اولی الامر کی طرف متنازعہ فیہ معاملہ میں رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ ''ولو ردوہ الی الرسول و اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم'' (پ ۵ س نساء ع ۱۱) اور اگر اس سے بھی قطع نظر کی جائے۔ تو اس آیت میں اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ دینے کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ''فان تنازعتم فی شئی'' اگر کسی بھی شئی میں تنازعہ ہو جائے۔ حتی کہ اس بات میں تنازعہ ہو جائے۔ کہ اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں؟ تو اپنے خیالات و قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑاؤ بلکہ خدا اور رسول سے فیصلہ کراؤ۔ اس حکم ایزدی کے مطابق جب ہم خدا اور رسول کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو آئمہ اہلبیتؑ ہی اس کے مصداق نظر آتے ہیں۔ فانتظر و قلیلاً۔

(۳) ''حضور نبی کریمؐ کے زمانہ اقدس میں اولی الامر کی تابعداری کیلئے لوگ مامور تھے اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان ایام میں حضرت علیؑ امام نہیں تھے۔'' حالانکہ یہ اشکال مقام و مرتبہ امامت سے جہالت و ناواقفی کی پیداوار ہے۔ یہ کہنا کس قدر بعید از حقیقت ہے۔ کہ ''ان ایام میں حضرت علیؑ امام نہیں تھے'' مولف اور ان کے ہمنواؤں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ''الامام امام و لو کان صبیاً'' امام اس وقت بھی امام ہے ...

میں آرام کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ چالیس برس تک خاتم الانبیاء کو نبی نہیں جانتے وہ بھلا بچپن میں امام کو امام کس طرح جان سکتے ہیں؟ بہر حال کسی عہدہ پر بالفعل متمکن ہونا اور ہے اور اس کی اہلیت رکھنا اور، اگر حیات النبی میں حضرت امیر علیہ السلام میں فعلیت نہ ہو تو اہلیت تو ضرور تھی۔

(۴) ''یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اولوالامر معصوم نہیں ہونگے۔ کیونکہ کسی معصوم شخصیت کا خلاف کرنا روا نہیں۔ لیکن یہاں ارشاد ہے۔ اولی الامر اور تمہارا کسی بات میں تنازعہ ہو جائے تو کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔''

حالانکہ یہ مفہوم قرآن کے سیاق وسباق اور نظم آیت کے سراسر خلاف ہے۔ آیت مبارکہ میں اولی الامر سے تنازعہ کرنے کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ بھلا جن کی اطاعت کا خدا حکم دے رہا ہے۔ ان سے تنازعہ کرنے کی وہ کس طرح اجازت دے سکتا ہے؟ ''ان ھذا الا اختلاق'' یہ تو ان لوگوں سے خطاب ہے۔ جن کو خدا اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ اگر تمہارا آپس میں کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو یوں کرو۔ نہ یہ کہ اگر تمہارا اولی الامر سے اختلاف ہو جائے۔ تو یوں کرو۔ وشتان ما بینھما؟

؎ سماع و عظ کجا نغمۂ رباب کجا
بہ بین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

مگر کیا کیا جائے۔

؎ سخن شناس نہ دلبرا خطا ایجا است

مقام عبرت۔ مولف کو یہ سب کچھ تو یاد رہا۔ مگر یہ یاد نہ رہا۔ یا اس طرف توجہ نہ فرمائی۔ کہ خداوند حکیم نے اس آیت مبارکہ میں تین ہستیوں کی اطاعت واجب قرار دی ہے۔

(۱) خدا کی (۲) مصطفیٰؐ کی (۳) اولی الامر کی مگر صیغہ ''اطیعو'' دو مرتبہ استعمال

کیا ہے۔ اپنی ذات کے لئے الگ اور رسولؐ اور اولی الامر کے لئے الگ یعنی رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کو ایک ہی صیغہ اطیعوا کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔ جس سے محقق علماء فریقین نے یہ استنباط کیا ہے۔ کہ خدا کی اطاعت کی نوعیت و کیفیت اور ہے۔ (کیونکہ وہ خدا ہے) مگر رسول اور اولی الامر کی اطاعت کی نوعیت ایک جیسی ہے اور ظاہر ہے کہ رسول کی اطاعت مطلقہ فرض ہے۔ یعنی ہر امر میں ہر نہی میں ہر شخص پر ہر زمان اور ہر مکان میں اور ہر حال میں، رسول کی اطاعت مطلقہ واجب ہے۔ تو بعینہ اسی طرح ہر امر میں ہر نہی میں اور ہر زمان و مکان میں اطاعت اولی الامر بھی واجب و متحتم ہے۔ لہذا علاوہ دوسرے دلائل کے خود یہی آیت اولی الامر کی عصمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ واضح ہے کہ سوائے معصوم کے اور کسی بھی ہستی کی اطاعت مطلقہ واجب تو درکنار جائز ہی نہیں ہے۔ والدین ہوں یا اساتذہ، علماء دین ہوں یا مفتیان شرع متین سب کی اطاعت واتباع اس شرط سے مشروط ہے۔ کہ وہ اطاعت شریعت مقدسہ کے قانون و آئین کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ ''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق'' (نہج البلاغہ) مگر یہاں اولی الامر کی اطاعت میں کسی قسم کی قید و شرط کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام فخر الدین رازی جیسے امام المشککین نے بھی یہ حقیقت تسلیم کی ہے۔ کہ یہ آیت اولی الامر کی عصمت پر دلالت کرتی ہے (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۷ طبع مصر)

یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے ایک رکیک عذر پیش کر کے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد چونکہ کوئی معصوم نہیں ہے۔ اس لیے ''اجماع'' مراد لیا ہے۔ اور یہ تک نہیں سوچا کہ آپ کے نزدیک جب تمام افراد امت خطا کار ہیں۔ تو پھر خطا کاروں کا مجموعہ کس طرح ''عصمت شعار'' ہو گا۔۔؟؟

قسمت کی بد نصیبی کہ ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

مصداق اولی الامر کی تعیین، فرمان رسول کی روشنی میں

ذیل میں اپنے مذکورہ بالا بیان کی تائید مزید جناب رسول خداؐ کے فرمان واجب الاذعان سے کی جاتی ہے۔ تا کہ کوئی کوتاہ اندیش ہمیں تفسیر بالرائے کا طعنہ نہ دے۔ کتاب فرائد السمطین فاضل حموینی میں مذکور ہے کہ ایک بار شیخین نے جناب رسول خداؐ سے دریافت کیا کہ یہ آیت مبارکہ کن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے؟

فرمایا ''فی اوصیائی الی یوم القیامة'' قیامت تک میرے ہونے والے اوصیاء کے حق میں۔ عرض کیا کہ وہ کون ہیں؟

فرمایا ''علی اخی و وزیری و وارثی و خلیفتی فی امتی و ولی کل مومن بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم تسعة من ولد الحسین واحد بعد واحد''

(۲) نیز کتاب کفایۃ الاثر، ینابیع المودہ وغیرہ کتب فریقین میں مروی ہے۔ کہ جب یہ آیت (اولی الامر) نازل ہوئی۔ تو جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

''یا رسول اللہ عرفنا اللہ و رسولہ فمن اولو الامر الذین قرن اللہ طاعتھم بطاعتک؟ یارسول اللہ! ہم نے خدا اور رسول کو تو پہچان لیا ہے۔ یہ فرمائیں یہ اولوالامر کون ہیں۔ جنکی اطاعت کو خدا نے آپ کی اطاعت کے ساتھ مقرون فرمایا ہے؟'' فرمایا ''ھم خلفائی یا جابر و آئمة المسلمین بعدی اولھم علی بن ابیطالب ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی المعروف فی التوارة بالباقر و ستدرکہ یا جابر فاذالقیتہ، فاقراہ منی السلام ثم الصادق جعفر بن محمد ثم موسی بن جعفر ثم علی بن موسی ثم محمد بن علی ثم علی بن محمد ثم الحسن بن علی ثم سمی و کنی حجة اللہ فی ارضہ و بقیتہٗ فی عبادہ ابن الحسن بن علی ذالک الذی یفتح اللہ عزوجل ذکرہ علی یدیہ مشارق الارض و مغاربھا الخ۔۔

دونوں حدیثوں کا مطلب واضح ہے کہ آنحضرت نے دوازدہ گانہ آئمہ اہلبیت کا نام لے
روضاحت کردی ہے کہ یہ ہیں اولی الامر ھذا ھو الحق و ماذا بعد الحق الا الضلال۔

جمع بین الروایات

اس بیان حقیقت ترجمان کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جس طرح قرآن مجید میں اطاعت
ے سلسلہ کی آیات تین قسم کی موجود ہیں اور ان کے درمیان ہرگز کسی قسم کا کوئی اختلاف و تضاد
جود نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اس سلسلہ میں روایات بھی تین قسم کی پائی جاتی ہیں۔ اور در
ل ان کے درمیان بھی کسی قسم کا کوئی تعارض و تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔

پہلی قسم کی روایات وہ ہیں۔ جن میں کتاب اللہ کی اطاعت اور اس پر عملدر آمد کا ذکر
ا گیا ہے۔ جیسے ''انی تارک فیکم کتاب الله، ھو حبل الله من اتبعه کان علی
ھدیٰ و من ترکه کان علی الضلالة'' (کنز العمال ج ۱ ص ۴۷ بحوالہ ابن ابی شیبہ عن
بن ارقم) میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جو اللہ کی رسی ہے۔ جو اس کی اتباع
ے گا۔ وہ ہدایت یافتہ ہوگا۔ اور جو اسے چھوڑے گا وہ گمراہ ہوگا۔ اس قسم کی بارہ عدد روایات
وی محمد نافع صاحب نے اپنے رسالہ کے ص ۲۴۴ سے لے کر ص ۲۴۷ تک ذکر کی ہیں۔ سب
ضمون بالکل یہی ہے جو اوپر مذکور ہے۔ (۲) دوسری قسم کی روایات وہ ہیں۔ جن میں
کتاب و سنت کی اطاعت و تابعداری کا مفہوم بالتصریح موجود ہے۔'' جیسے موطا مالک متوفی
اھ کی یہ روایت ''قال مالک انه بلغه ان رسول اللہؐ قال ترکت فیکم امرین لن
ملوا ما تمسکتم بھما کتاب الله و سنة نبینه'' (موطاء ص ۳۶۳ طبع دہلی) اس قسم کی
روایات (جو کہ دراصل سات ہیں۔ کیونکہ پانچ حدیثیں مکرر ہیں۔ جیسا کہ عنقریب واضح کیا
ے گا)۔ یہ روایات مولف رسالہ نے اپنے رسالہ کے ص ۲۳۵ سے لے کر ص ۲۴۲ تک درج
ہیں۔ مفہوم و مطلب سب کا یہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے کہ'' مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے اندر (۲) دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک ان دونوں کو پکڑے رکھو گے۔ ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری اس کے نبی کی سنت" ص ۲۳۵ انتہی بالفاظہ)

(۳) تیسری قسم کی روایات وہ ہیں۔ جن میں قرآن وعترت اہلبیتؑ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے یہ روایت "عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی الخ۔۔۔ میں دنیا سے جا رہا ہوں اور تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اہلبیتؑ؟ (مسند امام احمد ج ۳ ص طبع مصر ۲۶)

اس قسم کی متعدد روایات (تقریباً چھیاسٹھ عدد) خود مولف رسالہ "حدیث ثقلین" جناب مولوی محمد نافع صاحب نے اپنے رسالہ کے ص ۴۵ سے لے کر ص ۲۰۶ تک درج کی

ہیں۔ اور جن کتابوں سے لی ہیں ان میں (۱) صحیفۃ الرضاؑ (۲) طبقات ابن سعد (۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۴) مسند اسحاق بن راہویہ (۵) مسند امام احمد بن حنبل شیبانی (جس میں یہ حدیث آٹھ مقامات پر مذکور ہے) (۶) مسند عبد بن حمید (۷) سنن دارمی (۸) نوادر الاصول حکیم ترمذی (۹) مسلم شریف (۱۰) ترمذی شریف (۱۱) مسند بزاز (۱۲) خصائص نسائی (۱۳) مسند ابی یعلی (۱۴) ابن جریر طبری (۱۵) مسند ابن عوانہ (۱۶) مشکل الآثار طحاوی (۱۷) فرائد السمطین حموینی (۱۸) کتاب الموالاۃ ابن عقدہ (۱۹) معجم کبیر طبرانی (۲۰) مستدرک حاکم نیشاپوری (۲۱) تفسیر ثعلبی (۲۲) حلیۃ الاولیاء حافظ ابونعیم اصفہانی (۲۳) تاریخ بغداد خطیب بغدادی (۲۴) سنن بیہقی (۲۵) مناقب ابن مغازلی (۲۶) جمع بین الصحیحین حمیدی (۲۷) فردوس الاخبار دیلمی (۲۸) تفسیر معالم التنزیل بغوی (۲۹) شفاء قاضی عیاض (۳۰) زین الفتی عاصمی (۳۱) مناقب اخطب خوارزم (۳۲) تاریخ ابن عساکر (۳۳) اسد الغابہ ابن اثیر جزری

بن یوسف کنجی (۳۷) ینابیع المودۃ (۳۸) کنز العمال ملا علی متقی (۳۹) کتاب الاستجلاء سخاوی (۴۰) معجم صغیر طبرانی وغیرہا (رسالہ حدیث الثقلین مولفہ مولوی محمد نافع صاحب) دل چاہتا ہے کہ مولوی خالد محمود صاحب سیالکوٹی (رسالہ حدیث ثقلین کے مقدمہ نگار) جنہوں نے حدیث ثقلین بالفاظ قرآن وعترت کو شیعوں کی ''خانہ ساز'' اور ''من گھڑت'' روایت قرار دیا ہے۔ (ص ۲۶ رسالہ مذکورہ) سے دریافت کیا جائے کہ آیا یہ تمام کتابیں (جن سے مولوی محمد نافع صاحب نے حدیث ثقلین نقل کی ہے) شیعوں کی کتابیں ہیں؟ اور کیا ان کے مصنفین ومولفین شیعہ ہیں؟ اور کیا ان کے راوی شیعہ ہیں؟ اور اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو اہل سنت کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا انکی یہ تمام کتب تفسیر وحدیث وتاریخ وغیرہ دریا برد کر دینے کے لائق نہیں ہیں؟ جب صحاح ستہ ہوں یا دوسری کتب ان سب میں یہی شیعہ راوی گھسے ہوئے ہیں۔ تو کیا بعد ازاں وہ قابل اعتماد رہ جاتی ہیں۔؟ اور اگر موصوف ایسا کرنے پر رضامند ہیں تو وہ ہی بتائیں کہ فائدہ میں کون رہے گا اور نقصان میں کون؟

میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
بہت ہی تیز ہیں یورپ کے رندے

اس مطلب کی تائید مزید

ہم نے بموجب ''الجمع مہما امکن اولی من الطرح'' یعنی دو روایتوں میں جہاں تک ممکن ہو جمع کرنا ایک کو بالکل نظر انداز کر دینے سے بہتر ہے۔ ان تین قسم کی روایات میں جو جمع تبرعی ہم نے کی ہے۔ بعینہ اسی طرح اہل سنت کے نامور علامہ ابن حجر مکی نے بھی صواعق محرقہ میں جمع کی ہے۔ چنانچہ موصوف مشہور حدیث ثقلین کو چند طرق واسانید سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔'' و فی روایۃ کتاب اللہ و سنتی و ھی المراد من الاحادیث المقتصرۃ علی الکتاب لان السنۃ مبینۃ لہ فاغنی ذکرہ من ذکرھا و الحاصل ان الحث واقع علی التمسک بالکتاب والسنۃ وبالعلماء بھما من اھل البیت و یستفاد من مجموع

ذلک بقاء الامور الثلاثه الی قیام الساعة'' (صواعق محرقہ ص ۱۴۸ طبع جدید) ایک روایت میں کتاب اللہ وسنتی وارد ہے۔ (یہاں ایک روایت کا لفظ ملحوظ رہے) اور یہی ان حدیثوں سے مراد ہے جن میں صرف کتاب اللہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کیونکہ سنت مبین و مفسر قرآن ہے۔ اس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے) اس لیے قرآن کے ذکر نے اس سے بے نیاز کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث میں تین چیزوں کے ساتھ تمسک کرنے کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے۔ ایک کتاب اللہ دوسری سنت رسول اللہ اور تیسری اہلبیتؑ میں سے ان دونوں کے واقف کار علماء کبار، اور ان سب سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ صبح قیامت تک ان تینوں چیزوں کا باقی رہنا ضروری ہے۔ (تاکہ ان سے تمسک کیا جا سکے) حقیقت یہ ہے کہ جب تک آئمہ اہلبیتؑ سے تمسک نہ کیا جائے اس وقت تک دراصل قرآن وسنت سے تمسک ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہی حقیقی وارثان قرآن وسنت ہیں اور وہی حقیقی شارحان و مفسران قرآن وسنت نبی آخر الزمان ہیں۔ ''لان اهل البیت ابصر بما فی البیت و هذا اوضح من ان یخفی''۔

''قد جائکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسه و من عمیٰ فعلیها و ما انا علیکم بحفیظ''

مولف رسالہ کی تنقید پر تنقید

اور اگر مذکورہ بالا منصفانہ و عادلانہ حقائق سے قطع نظر کر لی جائے۔ جن کے تحت کتاب سنت والی بے اساس و بے بنیاد روایت کو بھی اس کی مناسب تاویل کر کے تسلیم کر لیا گیا ہے اور اگر کسی کو مولوی اللہ یار چکڑالوی، مولوی محمد نافع جھنگوی اور مولوی خالد محمود سیالکوٹی اور ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ حضرات کی روش کے مطابق اصرار ہو کہ ان دو روایتوں (قرآن و عترت والی حدیث ثقلین اور قرآن وسنت والی روایت) میں چونکہ تعارض و تضاد ہے۔ لہٰذا قانون درایۃ الحدیث کے مطابق ایک کو صحیح و قابل قبول اور دوسری کو ضعیف بلکہ مجہول اور ناقابل قبول تسلیم کرنا پڑے گا تو ہم ان لوگوں کی تحقیق کے برعکس بانگ دہل بلاخوف تردید یہ اعلان کرنے

میں روحانی مسرت وشادمانی محسوس کرتے ہیں۔ کہ حدیث ثقلین وہی معتبر، مستند، مسلم، مشہور بلکہ متواتر حدیث ہے جس میں قرآن وعترت وارد ہے۔ اور دوسری روایت نہ صرف یہ کہ ضعیف بلکہ ناقابل قبول ہے بلکہ حدیث ثقلین ہے ہی وہ جس میں قرآن وعترت کے الفاظ وارد ہیں۔ دوسری روایت باوجودیکہ مولوی محمد نافع صاحب نے بزعم خود بارہ طرق سے نقل کی ہے۔ مگر اس کے کسی ایک طریق میں بھی لفظ "ثقلین" مذکور نہیں ہے۔ بلکہ اس میں لفظ "امرین" یا "شیئین" وغیرہ مذکور ہے۔ اس طرح اسے کسی طرح بھی حدیث ثقلین نہیں کہا جاسکتا اور یہ حق کی زندہ کرامت ہے۔ فتدبر وتشکر

لہٰذا وہی مقدم ومرجح ہے۔ جس میں لفظ ثقلین موجود ہے۔ وھذا اوضح من ان یخفی۔
ہمارے اس دعوے کے ناقابل رد دلائل وبراہین تو اصل کتاب (تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین میں مذکور ہیں جس کا ضمیمہ یہ ہے۔ ہم یہاں ان کا اعادہ وتکرار کر کے کتاب کا حجم نہیں بڑھانا چاہتے۔ ورنہ طباعت کی مالی دشواریوں کے علاوہ ہمارے (۱) عزیز دوست مولوی محمد نافع صاحب کو یہ ایراد کرنے کا موقع ملے گا۔ کہ کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے دلائل ومسائل کی تکرار

۱؎ یں نے موصوف کے نام کے ساتھ اور ہمارے عزیز دوست کا لاحقہ اس لئے استعمال کیا ہے کہ موصوف میری دارالعلوم محمدیہ سرگودھا کی پرنسپلی کے دور میں کئی بار ہمارے دوست مولانا احمد شاہ چوکیروی مرحوم کے ہمراہ میرے پاس تشریف لاتے تھے اور مجھے ادنیٰ خدمت کا موقع فراہم فرماتے تھے اور جب مولانا چوکیروی سے کبھی کبھار علمی نوک جھوک ہوتی تھی تو اس سے لطف اندوز ہوتے تھے اور خود اکثر وبیشتر علمی مسائل میں خاموش ہی رہتے تھے۔ آہ!

ع۔ آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

اب موصوف کی بعض تالیفات دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ تو تعصب وعناد میں اپنے استاد چوکیروی صاحب سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔

ع۔ مارا ازیں گیاہ ضعیف ایں گمان نبود

(منہ عفی عنہ)

کی گئی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے بڑی بے رحمی سے بلکہ جارحانہ انداز میں عبقات الانوار کے لائق صد احترام مصنف علام پر کئی بار عائد کیا ہے (۱)

حدیث ثقلین پر مولف رسالہ کی جرح وتنقید کا علمی جائزہ

ہم یہاں پہلے بڑے اختصار کے ساتھ مولوی محمد نافع صاحب کی جرح وتنقید کا جائزہ لیں گے۔ جوانہوں نے اپنے رسالہ کے پہلے حصہ میں مشہور ومتواتر حدیث ثقلین بالفاظ قرآن عترت پر ناصبیانہ انداز میں کی ہے اور اس کے بعد ان کے پیش کردہ روایت قرآن وسنت کا آپریشن کر کے ثابت کریں گے کہ۔

ے بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نکلا

تفصیل کا انتظار فرماویں۔ فانتظر و انی معکم من المنتظرین۔

ا۔ مثلاً اپنی کتاب کے ص ۱۱۶ پر سنجری کی حدیث کی اسناد پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ صاحب عبقات الانوار نے ص ۱۷۸ جلد اول اس کو مندرج کیا تھا۔ مگر یہ چیز تو ناظرین پر واضح ہونی چاہیے کہ جب درج علیع سنجری کی سند اور حاکم کی سند سیوم ایک ہی چیز ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ من وعن وہی رواۃ اور وہی روایت ہے۔ اس کو الگ الگ اسناد قائم کر کے جدا جدا دو روایات بنا کر پیش کرنا صریح جعل اور دھوکہ ہے۔ یا فریق مخالف پر کثرت حوالہ جات کا رعب قائم کرنے کے لئے اور کتاب کو ضخیم بنانے کے لیے یہ تمام کارروائی کی جارہی ہے۔ اسی طرح ص ۴۹ پر تنبیہ دوم" کے زیر عنوان لکھتے ہیں "معلوم رہے کہ بیہقی کا شیخ ابو عبداللہ حاکم ہے فلہذا یہی سند حاکم کی ہے۔ کوئی الگ روایت بیہقی نے نہیں پیش کی۔ یہ روایت حاکم والی ہی ہے۔ پھر ایک روایت کو الگ الگ کر کے صاحب عبقات نے دو روائتیں دو سندوں کے ساتھ کر ڈالی ہیں تا کہ ناظرین کرام سے تکثیر حوالہ جات کی داد حاصل کی جائے اس قسم کی چالاکیاں کر کے اس کتاب کو ضخیم بنایا گیا ہے۔ حتی کے ایک حدیث ثقلین پر دو ضخیم جلد مرتب کر ڈالے"

اس پر جناب مولوی صاحب کی خدمت میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ

ے دیکھا ہے تو نے تنکا چشم حریف میں
اپنی بھی آنکھ کا ذرا شہتیر دیکھ لے

قارئین کرام پر مخفی نہ رہے کہ مولف رسالہ "حدیث ثقلین" نے بزعم خویش اور اپنے مداحوں کے نقطہ نظر سے حدیث ثقلین کے مختلف طرق اسانید پر مفصل و مفسر جرح کی ہے اور اس کی داد بھی وصول کی ہے مگر جہاں تک ہم نے ان کی تنقید کا تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیا ہے۔

بقول آپ کے صاحب عبقات نے دو مختلف کتابوں سے دو روائتیں نقل کی ہیں۔ مگر ان کی سند ایک تھی۔ انہوں نے "دجل کیا" اور "دھوکہ دیا" "تکثیر حوالہ جات کیوجہ سے ناظرین سے داد حاصل کرنا چاہی اور اس قسم کی چالاکیوں سے کتاب کا حجم بڑھایا ہے۔ تو آپ نے اپنی کتاب کے ص ۲۳۵ سے لے کر ص ۲۴۲ تک بارہ کا عدد پورا کرنے کے لئے بزعم خود کتاب وسنت والی بارہ روایات پیش کی ہیں۔

کیا ان میں روایت پنجم دار قطنی والی، روایت ہشتم کنز العمال والی بحوالہ سنجری روایت دہم بیہقی والی اور روایت دوازدہم مستدرک والی کیا یہ چاروں روایات جو ابو ہریرہ سے مروی ہیں۔ ایک سند سے اور ایک ہی روایت نہیں ہیں؟ نیز اس سلسلہ کی روایت ششم مستدرک حاکم والی اور بروایت نہم بیہقی والی جو ابن عباس سے منقول ہے دراصل دونوں ایک روایت اور ایک ہی سند کے ساتھ مروی نہیں ہیں۔؟ اور کیا روایت دوم سیرت ابن ہشام والی اور روایت سیوم ابن ابی الدنیا والی جو صواعق محرقہ کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔ جو ابی سعید خدری سے مروی ہے ایک روایت نہیں ہے؟ اس طرح اگر مکررات کو ختم کیا جائے تو باقی صرف سات عدد روایات رہ جاتی ہیں (جن پر ہم مناسب مقام پر جرح و قدح کریں گے انشاء۔۔) تو کیا مولوی صاحب آپ نے سات کی بجائے بارہ عدد ظاہر کر کے اور مختلف کتابوں کے حوالے دیکر دجل و دھوکہ دہی کا ارتکاب نہیں کیا؟ اور تکثیر حوالہ جات کا تاثر دے کر ناظرین کرام سے داد حاصل کرنا تو نہیں چاہی؟ اور اس طرح چالاکی کر کے کتاب کی ضخامت تو نہیں بڑھائی

آپ ہی اپنی جفاؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

صاحب عبقات چونکہ صرف محقق ہی نہیں بلکہ مدقق بھی ہیں۔ وہ دلیل کو بھی دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ جن کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہ ان کے مصنفین کی توثیق بھی کتب اہل السنت سے کردیتے ہیں۔ مگر ان کا یہ ہنر چشم عداوت کو عیب نظر آتا ہے۔ علامہ موصوف نے چونکہ حمیدی (صاحب جمع بین الصحیحین) اور قاضی عیاض (صاحب کتاب شفاء) کی بھی توثیق کی تھی۔ جس پر مولوی

ہمیں تو ان کی تمام تنقیدات میں اس کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ کہ اس سلسلہ میں فلاں راوی موجود ہے۔ اور وہ شیعہ ہے اور شیعہ کس طرح ہے؟ اس لیے کہ وہ حضرت علیؑ یا امام باقرؑ یا امام جعفر صادقؑ یا کسی اور امام کا صحابی ہے یا اہلبیتؑ سے محبت کرتا ہے یا امام زمانہؑ کے وجود کا قائل ہے۔

آیئے آپ کو اس اجمال کی تفصیل بتاتے ہوئے ان کے گلشن تنقید کی اجمالی سیر کرائیں تا کہ ہمارے بیان کی صداقت روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہو جائے۔

(۱) چنانچہ موصوف اس سلسلہ کی دوسری روایت از طبقات ابن سعد کے رجال پر تنقید کرتے ہوئے ''عطیہ عوفی'' کو کتب رجال سے شیعہ ثابت کرنے کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں ''معلوم ہوا کہ عطیہ عوفی فریقین کے ہاں مسلم و پختہ شیعہ ہیں۔ فلہٰذا ان کی روایت متنازع فیہ مسائل میں قابل اعتناء اور حجت نہ ہوگی۔ (ص ۵۲) حالانکہ عطیہ اگرچہ رجال اہلسنت کے نقطہ نظر سے ضعیف ضرور ہے مگر متروک نہیں ہے۔ چنانچہ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰۱ جہاں سے موصوف نے اسکی تضعیف نقل کی ہے۔ وہیں ابو حاتم کا یہ قول لکھا کہ ''یکتب حدیثہ ضعیف) گو

محمد نافع صاحب چیں بجبیں ہو کر لکھتے ہیں۔ ''حمیدی کی توثیق و توصیف پر اتنا زور لگایا گیا ہے اور پورے دس صفحات کلاں پر کر ڈالے حالانکہ ہمارے ہاں تو یہ فاضل پہلے ہی مسلم و معتمد محدث ہیں'' (ص ۱۵۹) اور ص ۱۶۶ پر قاضی عیاض کی توثیق پر اصرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''قاضی عیاض اہل السنت میں بڑے پایہ کے عالم دین ہیں۔ ہمارے ہاں مسلم ثقہ آدمی ہیں صاحب عبقات نے پورے چودہ ۱۴ صفحات کلاں اپنی کتاب کے ان کی تعریف و توثیق کرنے میں پر کر ڈالے ہیں اس بے کار تطویل کا آخر کیا حاصل ہے ان کا حاصل تو بظاہر یہی تھا کہ

شائد کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

جو مع الاسف پھر بھی نہ اتر سکی ہم مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی کتاب ص ۲۴۴ سے لے کر ص ۲۴۷ تک ضرورت سنت پر زور دیتے ہوئے چار صفحے سیاہ کر ڈالے۔ یہاں منکر سنت کون تھا؟ اور اس بے کار تطویل کا آخر حاصل کیا تھا؟

ع۔ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ (منہ عفی عنہ)

طیہ ضعیف ہے مگر اسکی حدیث لکھنے کے قابل ہے)'' اسی طرح ابن معین نے اسے صالح کہا
ہے اور کشف الاستار ص ۴۷ پر اسے صدوق لکھا ہے''

(۲) اس سلسلہ کی تیسری روایت از مصنف ابن ابی شیبہ کے رجال سند میں سے شریک
راوی پر تنقید کی ہے کہ ''عبداللہ بن ادریس نے کہا ہے کہ شریک تو شیعی بزرگ ہے'' (ص ۵۳)
ذرا آگے چل کر شیخ عباس کی کتاب تحفۃ الاحباب کے حوالہ سے لکھا ہے۔ شیخ عباس قمی نے اس کا
تذکرہ چلایا ہے۔ (کذا) آخر میں امام جعفر صادقؑ کی ایک دعا اس کے حق میں نقل کی ہے۔ جو
اس کے ''مخلص مومن'' ہونے کا درخشندہ نشان ہے (۵۴)

اور یہی چیز مولوی صاحب کی نظر میں سب سے بڑا عیب ہے۔ سچ ہے۔

ہنر بنظرِ عداوت بزرگتر عیب است

(۳) مسند امام احمد کی بعض روایات کے رجال پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں ''ان ہر چہار
روایات میں عطیہ عوفی بزرگ جلوہ افروز ہیں۔'' (ص ۵۹) یعنی وہ شیعہ ہیں۔ لہٰذا روایت
ناقابل قبول ہے۔

(۴) مسند عبد بن حمید کی روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اس اسناد میں۔۔۔
ب یحی بن عبدالحمید ہے اور یہ شخص سخت بغض رکھنے والا شیعہ ہے۔'' (ص ۶۲)

(۵) نوادر الاصول حکیم ترمذی کی پہلی روایت کے اسناد پر بحث کرتے ہوئے اس میں زید
بن الحسن انماطی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''وہ امام جعفر صادقؑ اور معروف بن خربوز مکی
سے روایت کرتا تھا۔'' آخر میں بطور نتیجہ رقمطراز ہیں۔ ''جو بزرگ ہمارے رجال میں ضعیف
ہیں۔۔۔ ائمہ کے خصوصی اصحاب میں شمار ہوتے ہوں۔۔۔ ایسے لوگوں کی روایت چشم پوشی
کرتے ہوئے کیسے قبول کر لی جائے۔'' ص ۶۶ '' نہیں ہرگز نہیں قبول کرنی چاہیے۔ بھلا آئمہ
اہلبیت کا صحابی ہونا بھی کوئی قابل عفو جرم ہے؟ انا للہ و انا الیہ راجعون'' حالانکہ یہ
زید بن الحسن، رجال اہل سنت کے نقطۂ نظر سے ضعف ضرور ہے مگر متروک نہیں ہے چنانچہ میزان

لاعتدال ج ا ص ۳۶۲ پر جہاں ابو حاتم نے اس کو منکر الحدیث قرار دیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ
واہ ابن حبان کہ ابن حبان نے اسے قوی قرار دیا ہے نیز خود ذہبی نے اعتراف کیا ہے کہ
لمدروی عنه غیر واحد من اهل العلم کہ اس سے بہت سے اہل علم نے روایت لی ہے
ھر اس روایت کے دوسرے راوی معروف ابن خربوز پر تنقید کرتے ہوئے کتب رجال سے
ابت کیا ہے کہ ''وہ اصحاب امام باقرؑ و جعفر صادقؑ سے تھا''

(۶) ترمذی شریف میں یہ حدیث ثقلین دو جگہ مذکور ہے ہر دو اسناد پر تنقید کرتے ہوئے
ہلی روایت کے اسناد میں زید بن الحسن مذکور پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' یہ سب کچھ ان کی
کرم فرمائی کا نتیجہ ہے پھر ان کے بزرگ معروف پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ امامی
مذہب تھے اور چھٹے امام جعفر صادق کے خصوصی اصحاب میں اس کا شمار ہوتا ہے ان تفصیلات
ے منقح ہونے کے بعد روایت ھذا اہل السنہ کے قواعد کی رو سے قبول نہیں کی جاسکتی'' (ص ۸۱)
یونکہ یہاں تو بقول بعضے صحیح اہل السنہ ہونے کے لئے انڈے کے برابر بغض علی ہونا ضروری ہے۔

(۷) ترمذی شریف سے دوسری روایت نقل کر کے اس کے اسناد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے
ں۔

''اس اسناد کی تحقیق و تفتیش کی گئی ہے'' اس میں تین بزرگ ایسے برآمد ہوئے ہیں۔
فلص شیعہ ہیں علی بن منذر عوفی اور محمد بن فضیل۔۔ تیسرے صاحب عوفی پھر علی بن منذر کے
علق میزان الاعتدال کے حوالہ سے لکھا ہے ''نسائی اور مسلمہ بن قاسم نے بھی ان کو شیعہ محض
کھا ہے''۔ اور محمد بن فضیل کے متعلق لکھا ہے۔ احمد کہتے ہیں۔ حسن الحدیث ہے لیکن شیعہ
ہے۔ (ص ۸۳، ۸۴) اسی صفحہ پر ان کا اصحاب صادقؑ سے ہونا بھی تسلیم کیا ہے فراجع بے شک
ادی شریف ہو، حسن الحدیث ہو، راست گو ہو اور امین ہو۔ مگر چونکہ شیعہ ہے، لہذا اس کی کوئی
مائی بھی اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ واہ رے تعصب تیرا بیڑا غرق!

حالانکہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری کے راوی ہیں کتاب الجمع ص ۴۴۷ ملاحظہ ہو۔

بخاری میں اس کی متعدد روایات موجود ہیں اسی طرح علی بن منذر پر تنقید کرنے میں خیانت کی ہے چنانچہ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۹ جہاں نسائی کا قول نقل کیا ہے وہیں اسکے ساتھ "ثقہ" بھی لکھا ہے یعنی "یہ شخص شیعہ ہونے کے باوجود قابل وثوق ہے" جسے مولوی صاحب نے نظر انداز کردیا۔ نیز وہیں ابو حاتم کا قول بھی لکھا ہے "صدوق وثقہ" یہ راوی بڑا سچا اور قابل اعتماد ہے۔ جس شخص کے دل میں ذرا سا بھی خوف خدا ہو کیا وہ اسطرح کی خیانت مجرمانہ کرسکتا ہے؟ لہٰذا اسکی حدیث کو حسن کے درجہ میں داخل کرنا پڑے گا۔

علاوہ بریں مولوی صاحب نے دین و دیانت کے خلاف بڑی چابکدستی سے ایک مخفی چال چلی ہے اور وہ یہ حقیقت بھول گئے ہیں کہ

ع۔ تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

ترمذی کی ہی روایت اعمش نے دو صحابیوں سے روایت کی ہے ایک ابوسعید خدری سے اس میں عطیہ موجود ہے دوسری زید ابن ارقم سے اس میں عطیہ موجود ہی نہیں ہے بلکہ وہ یوں ہے اعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن زید ابن ارقم ۔۔۔ لہٰذا اس سند پر ہرگز کوئی جرح و قدح وارد نہیں ہوتی اور اسے صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ فافہم واستقم ۔۔۔ وتدبر وتشکر۔۔

(۸) مسند بزاز سے حدیث ثقلین کے رجال پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مسند بزاز کی اس دوسری روایت میں تین چار بزرگ شیعہ حضرات تشریف فرما ہیں۔ علی بن ثابت، سعاد بن سلیمان اور الحارث الاعور پھر علی بن ثابت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے، علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں "کہ صدوق تو ہے لیکن معروف شیعہ ہے" ص ۸۷ پھر سعاد بن سلیمان پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ شخص شیعہ کے سرداروں میں سے ہے اور باب حدیث میں قوی نہیں ہے" (ص ۸۸) پھر حارث اعور پر تنقید کرتے ہوئے سنی کتب رجال سے لکھا ہے۔ حارث اعور حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ اس کے ثقہ ہونے اور متقی ہونے میں شبہ کرنا مناسب ہی نہیں ہے (ص ۸۹) مگر مولوی محمد نافع صاحب کی نظر میں [illegible]

وہ حضرت علیؑ کا شیعہ اور صحابی تھا۔

ع۔ تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

(۹) محدث نسائی کے سلسلہ سند سے دو روایتیں درج کی ہیں۔ ایک خصائص علی سے اور دوسری سنن کبریٰ نسائی سے اور پھر ان پر پھسپھسی سی تنقید کی ہے۔ کہ ”علامہ نسائی نے خصائص ھذا میں صحت روایات کا بالکل التزام نہیں کیا۔ بہت سی ضعیف روایات بھی اس میں آگئی ہیں۔ اور متہم بالوضع اور متہم بالتشیع اور کئی قسم کے مجروح رواۃ سے اس کی روایات مدون ہیں“ (ص ۹۲) اگرچہ محدث نسائی صحاح ستہ میں سے ایک صحیح کتاب کے مولف ہیں۔ جلیل القدر مولف ہیں۔ بڑے محقق ہیں۔ مگر جب خصائص علی لکھنے بیٹھے ہیں۔ تو بقول مولوی محمد نافع صاحب صحیح و سقیم، اور غث وثمین اور راست گو اور دروغ گو راویوں میں تمیز کرنے کی طاقت کھو بیٹھے ہیں۔ چلو ہم بموجب فرضِ محال محال نباشد۔ مان لیتے ہیں۔ کہ ایسا ہی ہے۔ مگر مولوی صاحب موصوف سے یہ دریافت کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ نسائی نے خصائص میں اور سنن نسائی میں جس سلسلہ سند کے ساتھ حدیث ثقلین بالفاظ مشہور قرآن و عترت درج کی ہے۔ اصول حدیث کے قواعد و ضوابط کے مطابق ان میں سقم کیا ہے؟

یا ان میں وہ کون ایسا راوی موجود ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہوگئی ہے؟؟

بینوا توجروا؟ یہی وجہ ہے کہ ان میں چونکہ کوئی روائتی و درایتی سقم نہیں ہے موصوف دبے لفظوں میں اسے صحیح مسلم اور دارمی اور مسند کی روایت ہشتم کے بعد دوسرا درجہ دینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ”البتہ ان کو ہم ہر سہ روایات کے بعد دوسرا درجہ دے سکتے ہیں“ (ص ۹۴) ہاں البتہ انکے مفہوم و معنی میں کج بحثی فرمائی ہے جس پر ہم اس بحث کے بعد بحث کریں گے انشاء اللہ۔

(۱۰) مسند ابویعلی والی حدیث الثقلین کے اسناد پر بھی یہی جرح کی ہے۔ کہ اس میں عطیہ

(۱۱) (۱۲) محمد بن جریر طبری بحوالہ کنز العمال اور مسند ابوعوانہ کی سندوں کے دستیاب نہ ہوسکنے کی وجہ سے سوائے آئیں بائیں کرنے کے اور کوئی ایراد نہیں کرسکے۔ بلکہ تدلیس سے کام لیتے ہوئے یہ کارروائی کی ہے۔ کہ مسند ابوعوانہ کی روایت کو من وعن سنن کبریٰ نسائی کی روایت قرار دیا ہے۔ (ص۱۰۲) حالانکہ ان دونوں روایتوں میں واضح فرق موجود ہے کہ مسند ابوعوانہ کی روایت ابوعوانہ سے اور سنن کبریٰ کی روایت ابو معاویہ سے مروی ہے۔ خصائص علی کی روایت کا راوی ابوعوانہ ہے۔ جس پر موصوف کوئی جرح نہیں کرسکے لہٰذا مسند ابوعوانہ نیز خصائص والی روایت کو صحیح تسلیم کرنا پڑیگا۔ اور جہاں تک سنن کبریٰ کی روایت میں ابو معاویہ کے ہونے اور اس پر میزان الاعتدال ذہبی کے حوالہ سے غلو فی التشیع کے الزام کا تعلق ہے۔ اس میں بھی علمی خیانت مجرمانہ کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ ہم مولوی صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ نے میزان الاعتدال کی جس جلد اور جس صفحہ پر اس پر ''غلو فی التشیع'' کا الزام پڑھا اور عائد کیا ہے۔ کیا وہاں یہ نہیں پڑھا کہ ''احد الائمہ الاعلام الثقات'' (میزان ج ۳ صفحہ ۳۸۳) اور کیا علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ص ۲۷۱ پر ان کے متعلق یہ عنوان قائم نہیں کیا؟ ''ابو معاویہ الحافظ الثبت محدث الکوفۃ'' اور کیا ابو معاویہ صحیحین (بخاری و مسلم) کا راوی نہیں ہے۔؟

صرف بخاری شریف میں انکی متعدد روایات موجود ہیں۔ تو پھر صحیح بخاری کی ان راویات کے متعلق آپ کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے؟

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

(۱۳) اسناد بغوی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اس کی سند میں عطیہ بن سعد کوفی تشریف فرما ہے۔۔۔ مشہور شیعہ ہے۔۔۔ اور شیعوں کے ہاں یہ شخص اصحاب محمد باقر میں شمار کیا جاتا ہے۔ (ص ۱۰۵ احدیث الثقلین)

(۱۴) حدیث ثقلین کے ہشت گانہ اسانید از ابن عقدہ ذکر کرکے آخر میں تنقید یہ کی ہے کہ

''یہ حضرت زید و جارودی'' شیعہ ہیں۔ اہلبیت ؑ کے فضائل اور بنی ہاشم کے مناقب میں تین لاکھ روایات (علی قول) یا ایک لاکھ بیس ہزار روایات باسانید اس بزرگ نے روایت کی ہیں۔ ان میں حدیث ثقلین بھی ہے۔ جو متعدد طرق سے اس نے روایت کر ڈالی ہے''۔ (ص ۱۱۲) ''اگر چہ اہلسنت کے مصنفین واہل تراجم نے اس کی بڑی بڑی توثیق بھی درج کی ہے۔ (ص ۱۱۵)۔ ''سخاوی اور سمہودی وغیرھم جیسے بڑے بڑے'' اکابر علماء نے اس سے روایات لی ہیں۔ اور اس کے مسلک پر کوئی اعتراض نہیں کیا'' (ص ۱۱۴) مگر ہمارے مولوی محمد نافع صاحب کی نظر میں اس کا محب اہل بیت ہونا اور ان کے مناقب میں روایات کا نقل کرنا وہ ناقابل معافی جرم ہیں کہ اس کی بیان کردہ روایات پر بالکل اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ''فلہذا یہ متروک ہیں'' (ص ۱۱۰) کیا تحقیق اسی کا نام ہے کہ من قال، پر نظر کی جائے اور ''ما قال'' پر نگاہ نہ کی جائے۔ ع

و هذا لعمری من الصنيع بديع

(۱۵) اسناد روایت از معاجم طبرانی مولف نے اقرار کیا ہے۔ کہ حدیث ثقلین معجم صغیر سے دو معجم اوسط سے ایک روایت اور معجم کبیر سے دو روایات دستیاب ہوئی ہیں۔ (ص ۱۱۹) پھر ان پر اس طرح تنقید کی ہے کہ کسی روایت میں عباد بن یعقوب ہے۔ اور وہ شیعہ ہے۔ رافضی ہے، (ص ۱۲۰) کسی میں کثیر النواء ہے۔ اور وہ ''تشیع میں غالی قسم کا ہے۔ (ص ۱۲۲) کسی سند میں یونس بن ارقم ہیں اور'' ابن حبان کہتے ہیں کہ'' یہ شیعہ بزرگ تھا۔' (ص ۱۲۳) کسی میں ھارون بن سعد ہے۔ اور شیخ طوسی نے اپنے رجال میں اسے امام جعفر صادق ؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ (ص ۱۲۴) اور کسی سند میں سلمہ بن حضرمی کوفی ہے۔ اور'' سلمہ باوجود ثقاہت کے شیعہ بزرگ ہیں۔ (۱۳۱) اور شیعہ ہونا مولف کی نظر میں وہ بزرگ عیب ہے جو کسی راوی کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دینے کے لیے کافی ہے۔

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد

حالانکہ یہ سلمہ بن بخاری و مسلم کا راوی ہے (دیکھو کتاب الجمع بین رجال الصحیحین ص ۱۹۰)

(۱۶) اسناد از مستدرک حاکم نیشاپوری اس حدیث میں تین چار جگہ مروی ہے۔ ہر ہر اسناد میں یہی کیڑے نکالے ہیں کہ پہلی روایت میں جریری موجود ہے اور یہ "جریر ضبی شیعہ صاحب ہیں اور شیعہ بھی سخت قسم کے ہیں (حدیث الثقلین ص ۱۳۴) دوسری روایت میں خلف بن سالم مخرمی موجود ہے اور خلف مخرمی مہلبی حافظ تو ہے۔ لیکن اس پر شیعہ ہونے کا عیب چسپاں ہے۔ (ص ۱۳۷) حالانکہ کتب رجال میں خلف بن سالم کی بڑی توثیق کی گئی ہے۔ مثلاً تذکرۃ الحفاظ ج' ص ۹۵ پر لکھا ہے "خلف بن سالم الحافظ السعود ابو محمد اسندی الخ بقول احمد بن حنبل لا یشک فی صدق خلف وقال یعقوب بن شیبة کان ثقة ثبتاً قال ابن حیان کان من الحذاق المتقین یعنی خلف کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے وہ بڑا قابل وثوق تھا اور بڑا ماہر اور متقی وپرہیزگار تھا۔

علاوہ بریں اس دوسری روایت کے متعلق مولف نے انتہائی عیاری ومکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جرح کی ہے وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ "مستدرک کا یہ اسناد متعدد تحویلوں کی وجہ سے کافی طویل ہے" (ص ۱۳۶) اور پھر انہوں نے دو زاویوں پر جرح کی ہے۔ عبدالملک الرقاشی ورخلف بن سالم مخرمی حالانکہ دونوں (قطع نظر ان کی جرح کی صحت وسقم کے) یحیٰی بن حماد سے نیچے تین طرق ہیں دو سلسلوں میں یہ راوی واقع ہیں۔ لیکن تیسرے طریق پر کسی قسم کی کوئی جرح ہیں ہوسکتی اس کے باوجود پوری روایت کو غیر صحیح قرار دینا کتنی بڑی خیانت مجرمانہ ہے۔ جس کا رتکاب کبھی وہ شخص نہیں کرسکتا جس کے دل میں ذرا سا بھی خوف خدا ہو۔

اور تیسری روایت میں محمد بن سلمہ بن موجود ہے۔ اور یہ بزرگ خیر سے شیعیان کوفہ ں شمار ہوتے ہیں" (ص ۱۳۹)

(۱۷) اسناد ثقلین از مشہور مفسر ثعلبی اس پر یہ جرح کی ہے کہ اس میں عطیہ عوفی موجود ہے جو یعہ ہے (ص ۱۴۴)

(۱۸) اسناد از حلیۃ الاولیاء ابُو نعیم اصفہانی۔ اس کے اسناد میں تین راویوں پر جرح کرتے ہیں۔ زید اغاطی، معروف مکی (ان کا تذکرہ گزر چکا ہے) اور محمد بن احمد بن حمدان اور اس پر جرح کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ''توثیق کے باوجود یہ حضرت شیعہ مسلک رکھتے ہیں اور یہ قاعدہ تو مسلم ہی ہے۔ کہ دوستوں کی روایت ان کے مسلک کی تائید کے سلسلہ میں قبول نہیں کی جاسکتی لہٰذا اہلسنت پر اس قسم کی روایات پیش کرنا بلاکل بے جا اور ناروا طریقہ ہے۔ (۱۴۵)

(۱۹) اس طرح اسناد از تاریخ بغداد الخطیب بغدادی پر جرح کرتے ہوئے زید بن حسن اغاطی اور معروف مکی کا تزکرہ کیا ہے اور لکھا ہے ضعفاء وشیعہ لوگوں کی روایات غیر مسلم ہوا کرتی ہیں'' (۱۴۶)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بقول مولوی نافع صاحب اس راوی کی روایت اہلسنت کے قواعد کے مطابق قابل قبول ہوگی۔ جس کا راوی پکا دشمن اہلبیت ہو۔ اگر یہی تسنن ہے تو پھر ''خارجیت'' و ''ناصبیت'' کیا ہے؟ اگر کسی راوی کی صداقت وثقاہت جانچے بغیر صرف اسکے عقیدہ پر اس کی روایت کے ردوقبول کا دارومدار قرار دیا جائے تو جو محب اہل بیت ہوگا۔ وہ آپکے ہاں مردود اور جو دشمن اہلبیت ہوگا وہ ہمارے ہاں مطرد ٹھہرے گا۔ ظاہر ہے کہ راوی دو ہی قسم کے ہیں۔ لہٰذا

ع۔ یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہوگئے

پھر پورے دفتر حدیث کو بے معنی سمجھ کر مے ناب میں غرق کردینا چاہیے کیونکہ

ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

(۲۰) اسناد ابوبکر البیھقی پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ ''اس سند میں خلف بن سالم مخزمی جلوافروز ہے۔ یہ خلف محدثین کے نزدیک شیعہ ہے۔ فلہٰذا اس اسناد کے غیر معقول ہونے کے لئے صرف اس بزرگ کا تشیع ہی کافی ہے (ص ۱۴۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بعض اوقات بعض راویوں کے نام کے ساتھ منکر الحدیث، ضعف، غالی فی التشیع، کان یکذب،

بس تقوی، کے لاحقے لگائے جاتے ہیں تو وہ محض بطور وزن بیت ہوتے ہیں۔ ورنہ ان مظلوم راویوں کا اصل جرم یہی ہے کہ وہ محبان آل محمد ہیں۔ محبت علی اور مطلق تشیع کو رفض قرار دے کر ٹھکرانے والوں نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ اس کی زد میں کون کون آتے ہیں

من علی را دوست دارم خلق گوید رافضی

بس خدا و مصطفیٰ جبریل باشد رافضی

(۲۱) ابن معازی کے اسانید۔ ابن معازی نے پانچ عدد اسانید سے حدیث ثقلین اپنی کتاب مناقب میں درج کی ہے۔ ان پر بھی مولف نے یہی جرح کی ہے۔ کہ فلاں سند میں فلاں شیعہ ہے اور فلاں میں فلاں شیعہ ہے۔ مثلاً پہلی اور دوسری سند میں عطیہ عوفی موجود ہے۔ اور پانچویں سند میں نوح بن قیس موجود ہے۔ اور یہ شخص نوح بن قیس جزامی شیعہ مذہب کی طرف منسوب ہے۔" (ص ۱۵۹)

(۲۲) روایت ابوالمظفر السمعانی۔ اس پر یہ جرح کی ہے کہ اسمیں عطیہ عوفی موجود ہے (ص ۱۶۰)

(۲۳) روایت ابی محمد احمد بن العاصمی۔ اس کے اسناد پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس سند میں عبدالرحمان صالح ہے اور یہ خالص شیعہ ہے اب گرچہ اس کی توثیق بھی ہماری کتب میں پائی گئی ہے تاہم اس کے تشیع کے ثابت ہوجانے کے بعد اس کی مرویات پر مختلف فیہ مسائل میں اعتماد نہ ہوگا۔ (ص ۱۶۷)

اس پر ہم بعد میں بحث کریں گے کہ مولف نے یہ خانہ ساز اصول کہاں سے لیا ہے کہ اگرچہ علماء رجال نے توثیق بھی کردی ہو مگر مطلق تشیع قبول روایت میں قادح ہے؟ حالانکہ آئمہ کی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں۔ کہ اگر راوی ثقہ ہو تو اس کا تشیع قبول روایت سے مانع نہیں ہے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی وغیرہ کتب درایۃ الحدیث)

(۲۴) اسناد اخطب خوارزم۔ اس کی روایت کو اس لئے بے کار قرار دیا ہے کہ ان پر تشیع کا

الزام لگاتے ہوئے لکھا ہے ''یہ بزرگ زیدی شیعہ ہیں اور پختہ حاذق ماہر شیعہ ہیں'' (ص ۱۷۶)

(۲۵) اسناد از تاریخ ابن عساکر۔ اس پر یہ جرح کی ہے کہ ''یہ روایت معروف مکی نے ابوالطفیل عامر بن واثلہ سے نقل کی ہے اور یہ بزرگ ضعیف عندالمحدثین ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ بزرگ ہے'' (ص ۱۷۴)۔

(۲۶) روایت ثقلین اسد الغابہ فی احوال الصحابہ لابن اثیر جزری اس پر یہ جرح کی ہے کہ ''اس میں متعدد شیعہ بزرگ رواۃ ہیں۔علی بن المنذر الکوفی،عطیہ العوفی وغیرہما'' (ص ۱۷۷)

(۲۷) روایت ثقلین از کتاب المختارۃ المقدسی۔ اس پر یہ جرح کی ہے کہ اس میں مسلمہ بن کھیل موجود ہے اور ''یہ شیعہ بزرگ ہے'' لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں انکی روایات کیسے قبول ہوسکتی ہے (ص ۱۷۹) کبرت کلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا''

(۲۸) اسناد از کتاب تذکرۃ الخواص سبط ابن الجوزی۔ اس پر یہ جرح کی ہے کہ (شیعہ بزرگوں سے یہ اسناد مملو ہے'' (ص ۱۸۲) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود سبط ابن الجوزی کے متعلق لکھتے ہیں ''یہ بزرگ اندرون قلب تشیع کا روگ رکھتے ہیں ان کی تصانیف اور مرویات ہم پر حجت نہیں (۱۸۲) جب بندہ علیم بذات الصدور ہونے کا دعویدار بن کر اور لوگوں کے اندر جھانک کر اندرون قلب تشیع کا روگ تاکنے لگ جائے تو قفل باللہ کیف اعتذر؟

(۲۹) روایت ثقلین از کتاب کفایۃ الطالب شیخ گنجی، اس امر پر یہ جرح کی جاتی ہے۔ کہ ''یہ بزرگ گنجی صاحب مسلک اہلسنت کے برخلاف اپنے مزعومات اور نظریات رکھتے ہیں۔ رافضیوں کے مذہب کے دل دادہ ہیں ان کی روایات ہم پر کیسے حجت ہوسکتی ہیں؟ (ص ۱۹۰)۔

مؤلف نے اس کا ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے کتاب ''البیان'' لکھی ہے جسمیں امام زمانہ کو غیبت کے بعد اب تک زندہ تسلیم کیا ہے۔ (ص ۱۸۸،۱۸۹) اگر یہ جرم ہے تو اس جرم کے مجرم تو بڑے بڑے اکابر اہلسنت نظر آتے ہیں۔

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

(۳۰) اسانید ینابیع المودۃ الشیخ سلیمان القندوزی۔ اس پر تنقید یہ کی جاتی ہے کہ ''صاحب کتاب کا مسلک شیعی ہے۔ اور خالص شیعہ نظریات کے حامل ہیں'' (ص ۱۹۳) اس بات کا ثبوت کہ وہ شیعہ ہیں چار چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ ۱۔ فضائل و مناقب کی کتاب مرتب کی ہے اور اس سلسلہ میں شیعہ و سنی ہر دو مسلک سے مواد حاصل کیا ہے۔ ۲۔ نبی کریمؐ کے بعد ۱۲ عدد وصی مفرض الطاعۃ کے قائل ہیں۔ ۳۔ حضرت امام مہدیؑ کو امام حسن عسکری کا بلا واسطہ بیٹا مانتے ہیں۔ ۴۔ حضرت مہدی پیدا ہوئے اور پھر اپنی زندگی میں غائب ہو گئے اور غیبت کے بعد بھی بعض خواص لوگوں سے انکی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ (ص ۱۹۳، ۱۹۲)

لیجئے ہم نے اپنے قارئین کرام کے سامنے جو دعویٰ کیا تھا۔ ''مولوی نافع صاحب کی تمام تنقیدات ایک ہی مرکز کے گرد گھومتی ہیں'' کہ فلاں راوی شیعہ ہے۔ فلاں مصنف شیعہ ہے کس طرح شیعہ ہے؟ اس لئے کہ آئمہ اہلبیت میں سے فلاں امام کا صحابی ہے، مناقب آل محمد میں کتاب لکھی ہے۔ آل محمد کے بارہ اماموں کا تذکرہ کیا ہے اور یہ کہ امام زمانہ سرکار حجۃ بن الحسنؑ کے زندہ موجود ہونے کا اقرار کیا ہے اور اس جرم کی سزا ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی روایت ضعیف، اس کی کتاب غیر معتبر، اور وہ خود ناقابل قبول اور ناپسندیدہ شخصیت ہے۔ **ان فی ذلک لآیات لقوم یسمعون۔**

ناصبی کے معنی کی تحقیق

ناصبی کے معنی ہمارے عام فقہاء نے فقہی کتابوں میں یہ لکھتے ہیں ''من نصب العداوہ لا ھل البیت'' کہ جو اہل بیت سے دشمنی رکھے مگر مستطرفات سرائر ابن ادریس حلی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول دو روایتیں اس مضمون کی ملی ہیں کہ من نصب لکم العداوۃ لا نکم تحبوننا اھل البیت یعنی ناصبی وہ ہے جو تم شیعوں سے صرف اس لئے دشمنی کرے کہ تم ہم اہلبیت سے محبت کرتے ہو'' ان حدیثوں کے حقیقی مفہوم و مطلب کی صحیح سمجھ

جناب مولوی نافع صاحب کی کتاب "حدیث الثقلین" کی تنقید میں پڑھ کر ہوئی ہے مصرعہ این
کار از تو اید و مرداں چنین کنند ساری کتاب میں مرغے کی ایک ہی ٹانگ پکڑے ہوئے ایک ہی
بات کی رٹ لگائے جارہے ہیں۔ اور اسی کی تکرار کئے جارہے ہیں یہ راوی شیعہ ہے وہ راوی
شیعہ ہے گویاں وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں:

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

اے کاش کہ مؤلف حدیث ثقلین اس طرح تنقید کے نشتر چلاتے چلاتے اپنی صحاح ستہ
کا بھی اپریشن کر ڈالیں تو پھر میدان بالکل صاف ہو جائے گا۔ اور نہ رہے گا بانس نہ بجے گی
بانسری۔ یعنی پھر کوئی شیعہ ان کتابوں سے اہلسنت کے خلاف کوئی حوالہ نہیں پیش کر سکے گا۔ لیکن
پھر مولوی محمد نافع اور انکے حواریوں کو سوچنا پڑے گا کہ اگر انہوں نے پوری امت کو ضلالت میں
ڈالکر، محدثین و مفسرین کو بے وقار بنا کر اور حدیث اور کتب حدیث کو بے اعتبار بنا کر شیعہ کی تردید
کی تو پھر کھویا کیا اور پایا کیا؟ کیا اس حالت میں شیعوں سے زیادہ نقصان اہلسنت کا نہیں ہوگا۔؟

ع۔ ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

مولف کی غیر منصفانہ تنقیدات پر ہماری چند مخلصانہ گذارشات

پہلی گذارش یہ ہے کہ مولف کا یہ شور و شر اور واویلا و غوغا خود اپنے ہم مسلک علماء اعلام
ور نقادان فن کے کلام و بیان کے خلاف ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جن
علماء اہلسنت نے جرح و تعدیل کے قواعد و ضوابط مرتب کئے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی مکمل
ضاحت و صراحت کی ہے کہ راوی میں مطلق تشیع کا پایا جانا اسکی روایت کے قبول کرنے سے
انع نہیں ہوتا ہے۔ جب تک رفض (سبّ صحابہ) تک نہ پہنچ جائے نیز یہ بھی وضاحت کی ہے
کہ اس قسم کا تشیع قدیم زمانہ میں اکثر لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ اگر اس قسم کے تشیع کو

قبول روایت میں قادح سمجھا جائے تو اکثر روایات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ آیئے ان باتوں کے شواہد کا مطالعہ کریں۔

ا۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تدریب الراوی ص ۱۲۹ پر لکھتے ہیں و قد صرح بذلک لذهبی فی میزان الاعتدال فقال البدعة علی ضربین صغری کالتشیع بلا غلو و بغلو کمن تکلم فی حق من حارب علیاً فهذٰ کثیر فی التابعین و تابعهم مع الدین والورع و الصدق فلو رد هولاء لذهب جملة من الآثار و کبری کالرفض الکامل و الغلو فیه فهذا النحو لا یحتج بهم وهذا لا یحل لاحدٍ ان یعتقد خلافه۔

یعنی ذہبی نے میزان الاعتدال میں صراحت کی ہے۔ کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک صغری (چھوٹی) جیسے بلا غلو تشیع یا با غلو تشیع جیسے حضرت امیرؑ کے خلاف لڑنے والوں کے خلاف جرح وقدح کرنا اس قسم کی بدعت تابعین اور تبع تابعین میں بہت پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ وہ دیندار، راست گفتار اور پرہیزگار ہیں اگر ان کی روایات رد کردی جائیں تو بہت سے اخبار و آثار ضائع و برباد ہو جائینگے دوسری قسم کبری (بڑی) ہے۔ جیسے کامل رفض ایسے لوگوں کی روایات سے استدلال واحتجاج نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب ہدایۃ السائل ص ۴۹۶ پر تشیع کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

ا۔ مطلق تشیع ۲۔ تشیع باغلو ۳۔ تشیع بارفض

اور پھر پہلی دو قسموں کے متعلق لکھا ہے "اتفاق نزد جمہور این چنین کس مقبول است"۔ یعنی جمہور اہلسنت کے نزدیک ایسے لوگ مقبول الروایۃ ہیں۔ مزید برآں لکھا ہے۔ کہ غیر مخفی است که ایں چنین تشیع بلا غلو صفت لازمۂ ہر مومن است چه ازیں قسم است موالات مومنین ولاسیا امیرالمومنین الخ۔

(تا آنکه گفته) و ازیں جا معلوم شد که ایں قول که مطلق تشیع بدعت است صحیح نیست و قدح بداں باطل الخ" یعنی اس قسم کا تشیع تو ہر مومن کا لازمہ ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے مؤمنین بالخصوص امیر المومنین (علیؑ) سے محبت کی جاتی ہے۔ پھر کہتے ہیں اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ یہ کہنا بالکل باطل ہے کہ مطلق تشیع بدعت ہے۔ اور قادح ہے" مخفی نہ رہے کہ جن شیعہ راویوں کے نام کے ساتھ کذب وتدلیس وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ یہ نسبت تعصب وعناد کی پیداوار ہے۔ ورنہ صادقین کا نام لیوا کبھی کذاب نہیں ہوسکتا۔ اس امر کی باقی تفصیلات اصل کتاب تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہاں اسی قدر کافی ہے۔

۲۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ جن راویوں پر مؤلف نے تنقید کے تیر برسائے ہیں اور جرم تشیع کی پاداش میں انکی روایات کو درجۂ صحت سے ساقط قرار دیا ہے۔ ان میں سے اکثر وبیشتر راویوں کی روایات نہ صرف عام کتب اہل السنّت میں بکثرت پائی جاتی ہیں بلکہ خود صحاح ستہ میں بالخصوص صحیحین میں موجود ہیں پھر ان کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ آیا صحیحین کو بھی مولوی صاحب درجہ صحت سے خارج کرنے پر آمادہ ہیں؟ کیا برادران اہلسنت یہ ماننے کے لئے تیار ہیں؟ راویوں میں جو نقص چودھویں صدی میں مولوی محمد نافع کو نظر آگئے ہیں۔ صحاح ستہ کے مولفین کو دوسری اور تیسری صدی میں نظر نہ آئے؟

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

۳۔ تیسری گذارش یہ ہے کہ جب مروان جیسے دشمن خدا ورسول وآلِ رسول، عمران بن حطان (خارجی) اور حضرت امیرؑ کے قاتل کا مداح) عکرمہ (ناصبی وکذاب) سمرہ جیسا دین فروش وقاتل المومنین۔ اور محمد اسماعیل بن ابی اویس جیسے کذاب وسارق الحدیث وغیرہ وغیرہ لوگوں کی روایات مولوی نافع صاحب کے مسلک میں قابل قبول ہیں اور ایسے راویوں کی

روایات سے دفتر حدیث چھلک رہے ہیں اور تو اور۔ خود صحاح ستہ لبریز ہیں تو پھر ان بیچارے راویوں کی روایات کیوں قابل قبول نہیں ہیں جو خالق کے فرمان کے مطابق اجر رسالت کی دینگی سمجھ کر آل محمدؐ کی محبت کا دم بھرتے رہے۔ اور تمام اسلامی احکام پر عمل کرتے رہے۔ ثقہ بھی ہیں اور صدوق بھی۔ امین بھی ہیں اور مومنین بھی۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ بدنام محدث بخاری ہیں کہ دشمنان آل محمد کی رواتیوں سے تو انہوں نے بخاری بھر دی ہے۔ مگر محبان ال محمد تو درکنار وہ خود آل محمد کے آئمہ جیسے امام محمد باقر و امام جعفر صادق اور دوسرے آئمہ ھدی سے روایت نہیں لیتے۔ وہ خود امام علی نقی کے معاصر تھے۔ مگر ان کا پوری بخاری میں کہیں نام تک نہیں لیا۔ یہ وہ کھلی ہوئی بے انصافی ہے کہ جس کا بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کو بھی احساس ہوا ہے چنانچہ علامہ وحید الزماں حیدر آبادی لکھتے ہیں۔

''حضرت امام جعفر صادق مشہور امام ہیں۔ بارہ آئمہ میں سے بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے اور امام مالک و امام ابو حنیفہ کے شیخ بھی اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہوا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحی بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے۔ جو کہتے ہیں ''فی نفسی منه شئی و مجاهد احب الی منه'' حالانکہ مجاہد کو امام موصوف کے سامنے کیا رتبہ ہے۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہل سنت بدنام ہوتے ہیں۔ کہ ان کو آئمہ اہلبیت سے کچھ محبت و اعتقاد نہیں۔ اللہ تعالیٰ امام پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق جو ابن رسول اللہ ہیں۔ ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں'' (انوار اللغہ طبع بنگلور پ ۵ ص ۴۷، پ ۱۴ ص ۳۹، ۸۳ پ ۱۶ ص ۹)

۴۔ چوتھی گذارش یہ ہے کہ محدثین اولین نے اس قسم کے راویوں سے روایات لی ہیں۔ جن کو مولوی نافع قسم کے آدمی شیعہ کہہ کر مسترد کر رہے ہیں کیا ان کو علم تھا کہ یہ شیعہ ہیں یا نہیں تھا؟ اگر علم تھا اور پھر بھی ان کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ تو یہ اعتماد نہ کرنے والے کون ہوتے ہیں اور اگر ان کو علم نہیں تھا اور ان صاحبان کو ہے تو پھر ان کا علم و فضل ان سے زائد ماننا پڑے گا۔

اس پر ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ۔

اتنا نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

بھلا جن لوگوں کی کتابوں سے ہمیں معلوم ہوا کہ فلاں راوی شیعہ ہے اور فلاں سنی۔ جب وہ خود ان شیعہ راویوں کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دے رہے ہیں۔ تو آج یہ اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اور ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ یہاں یہ چیز بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ زمانہ قدیم میں بقول محدث شاہ عبدالعزیز دہلوی اکثر تفضیلی قسم کے اہلسنت کا نام شیعہ تھا۔ (ملاحظہ ہو۔ تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۱ طبع نولکھنو) لکھا ہے۔ باید دانست کہ شیعہ اولی کہ فرقہ سنیہ و تفضیلیہ در اوزماں سابق بشیعہ ملقب بودند۔ جاننا چاہیئے کہ پہلے زمانہ میں سنی اور تفضیلی لوگوں کو شیعہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس لئے آنکھیں بند کر کے ہر شیعہ کی روایت کو رد کر دینا کوئی عقلمندی اور ہوشمندی نہیں ہے۔ اس میں ایسا کرنے والوں کا اپنا نقصان ہے۔ بالخصوص جبکہ اکثر راویوں کے تشیع کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ جہاں بعض اہل رجال نے ان پر جرح کی ہے وہاں دوسرے بعض محقق علماء نے انکی توثیق بھی کی ہے۔ تو مولف کا ہر جگہ ''الجرح مقدم علی التعدیل' کا سہارا لینا تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ یہ ایک مقولہ ہے کوئی آیت یا روایت تو نہیں ہے اور نہ ہی اس پر سب علما کا اتفاق ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اگر موثق و معدل اعلم و ابصر اور بڑا محقق ہو تو اس کی توثیق و تعدیل مقدم سمجھی جائے گی۔

۵۔ پانچویں گزارش یہ ہے کہ تشیع و تسنن کا دار و مدار اہلبیت رسالت کو ماننے یا نہ ماننے پر نہیں ہے ان کو تو سب مسلمان مانتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں لہٰذا جن کو محب اہلبیت دیکھا یا ان کے فضائل و مناقب لکھتے یا بیان کرتے دیکھا جھٹ اسے شیعہ کہہ دیا۔ یہ روش درست نہیں ہے بلکہ تشیع و تسنن کا انحصار عقائد [illegible]

پر ہے۔ لہٰذا اگر جناب مولوی صاحب کسی راوی یا کسی مصنف و مولف کو شیعہ ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کرنا چاہیں۔ تو پہلے ان کو یہ ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ وہ شخص حضرت علی کی خلافت بلافصل اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کی امامت کا قائل تھا۔ اور ان کے دشمنوں سے بری و بیزار تھا۔ اور باقاعدہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتا تھا۔ یہ چیز بھی مدنظر رکھنا چاہئے۔ کہ روایات متواترہ میں راوی کا مذہب نہیں دیکھا جاتا۔ اور حدیث الثقلین روایات متواترہ میں سے ہے لہٰذا اس کے رجال پر بحث کرنا ہی قانون درایۃ الحدیث کے خلاف ہے۔

اس سلسلہ کی چھٹی اور آخری گذارش یہ ہے کہ انسانی فطرت کا فیصلہ اور عقلائے روزگار کی روش یہ ہے کہ وہ ہمیشہ معاملات میں عقیدہ سے قطع نظر کر کے آدمی کی صداقت و ثقاہت پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔ اس کے مزاج شناسوں نے بھی یہی فرمایا ہے۔ کہ لا تنظر الی من قال و انظر الی ما قال یہ نہ دیکھو کہ کہنے والا کون ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔ (حضرت علی در نہج البلاغہ) کسی راوی کی روایت کو محض اس لئے ترک کر دینا کہ وہ شیعہ ہے اگرچہ اہلسنت کے نزدیک بھی ثقہ و صدوق ہو۔ اور کسی راوی کی روایت محض اس لئے قبول کر لینا کہ وہ سنی ہے اگرچہ اہلسنت کے نزدیک بھی کذاب و وضاع ہو یہ اندھے تعصب کی بدترین مثال ہے۔ جسکی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اسکا
یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو!!

لقد جائکم الحق من ربک فلا تکونن من الممترین

آمدم برسر مطلب۔ مولوی نافع صاحب جھنگوی نے حدیث ثقلین بالفاظ قرآن و عترت کے مختلف اسانید کی گردن پر جس بے رحمی و بے دردی سے تنقید کی کند چھری پھیری ہے وہ ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں۔ مگر یہ حق کی زندہ کرامت ہے اور اہل حق کا یعنی آئمہ اہلبیت کا

ہیں۔ اور خود ان کو بھی بامر مجبوری بادل ناخواستہ ان میں سے بعض کی صحت سند کا اعتراف واقرار کرنا پڑا ہے۔ اور وہ ہیں تین روایات

۱۔ سنن دارمی ص ۴۳۴ طبع کانپور کی روایت جسے مؤلف نے اپنے رسالہ کے ص ۶۳ پر ۶۴ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ''واضح رہے کہ دارمی شریف کا اسناد روایت ھذا بالکل صحیح متصل ہے'' ج ص ۶۴ سطر ۴)

۲۔ دوسری مسند امام احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۲۲، ۳۶۷ طبع مصر تحت سندات زید بن ارقم۔ کی روایت ہشتم ص ۶۰۔

۳۔ تیسری صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۶ طبع نور محمد دہلوی مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں'' روایت ثقلین کے جن اسانید کو ہم جمع کر کے میدان تحقیق میں پیش کر رہے ہیں ان سب سے زیادہ صحیح اور متصل اسناد مسلم کا ہے۔ اور مسند احمد کی روایات میں سے ہشتم روایت کا اور دارمی کا اسناد بھی بالکل صحیح و متصل ہے (ص ۶۷ سطر ۶، ۷، ۸) الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہ تین عدد روایات ان کے نشتر تنقید سے بچ گئیں۔ اور انہوں نے ان کی صحت کا واشگاف الفاظ میں اقرار بھی کرلیا ورنہ وہ ان پر ہونی یا انہونی تنقید کا کوئی تیر چلا کر ان کو بھی بے کار بنا دیتے تو ان کا قلم کون روک سکتا تھا مگر سچ ہے'' جسے رب رکھے اسے کون چکھے۔ مؤلف نے کھل کر تین روایتوں کا اقرار کیا ہے مگر ہم سابقہ اوراق میں ثابت کر آئے ہیں۔ کہ خود انہی کے اصول کے مطابق مزید پانچ روایتوں کے اسانید بھی صحیح ہیں۔

۴۔ ترمذی شریف کی دوسری روایت جسمیں عطیہ عوفی موجود نہیں ہے۔ بلکہ اعمش عن حبیب ابن ابی ثابت عن زید بن ارقم مذکور ہے اس پر کوئی جرح وارد نہیں ہوتی۔ اور وہ صحیح السند ہے۔

۵۔ اسی طرح مسند ابی عوانہ کی روایت ہے۔

کی کوئی تنقید وارد نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ بھی صحیح ہے۔

۷۔ سنن کبریٰ نسائی کی روایت ان دونوں روایتوں کو خود مؤلف نے مسلم کی روایت کے بعد تیسرا درجہ دیا ہے۔

۸۔ مستدرک حاکم کی دوسری روایت (جسمیں کئی تحویلیں ہیں) ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں۔ کہ یحییٰ بن حماد کے نیچے تین طریق ہیں دو پر مؤلف کے نظریہ کے مطابق ایرادوارد ہوتا ہے۔ کہ ان میں شیعہ راوی موجود ہیں۔ مگر تیسرے طریق پر کوئی جرح وارد نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا وہ اسناد بھی صحیح ہے اس طرح خود مؤلف کے قاعدہ وضابطہ کے مطابق حدیث ثقلین کی آٹھ روایتیں یا بالفاظ دیگر حدیث ثقلین آٹھ اسانید کے ساتھ صحیح متصل ہے مقبول ہے۔ حالانکہ اگر یہ حدیث صرف ایک سند کے اعتبار سے بھی صحیح ثابت ہو جاتی تو اصولاً کافی تھی۔ حالانکہ یہاں اگر آٹھ نہیں تو تین کی صحت کا تو خود مؤلف نے کھل کر اقرار کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے متن کی تشریح وتوضیح میں اپنی عداوت اہلبیت کے گل کھلائے ہیں۔ (جس پر ہم آخر میں تبصرہ کریں گے) انشاءاللہ

اب آیئے مؤلف کی پیش کردہ روایات کا علمی محاسبہ کریں اور تحقیق کے میزان پر تول کر دیکھیں کہ ان کا وزن کیا ہے؟ سوواضح ہوا کہ مؤلف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ پیغمبر اسلام اپنے بعد جو دو چیزیں چھوڑ کر گئے تھے وہ قرآن وسنت ہیں جو واجب الاتباع والتمسک ہیں۔ (نہ قرآن وعترت) اس سلسلہ میں انہوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں مگر ان کو بارہ عدد روایات بارہ عدد مخرجین سے ملی ہیں۔

جو دراصل سات ہیں۔ (جیسا کہ ہم قبل ازیں اس پر اظہار رائے کر چکے ہیں۔ کہ اس سلسلہ کی روایت نمبر ۵ دار قطنی والی روایت نمبر ۸ کنز العمال بحوالہ سنجری والی روایت نمبر ۱ بیہقی والی ورروایت نمبر ۱۲ مستدرک حاکم والی دراصل ایک روایت ہے ایک ہی سند اور ایک ہی متن ہے۔

اسی طرح مستدرک کی روایت نمبر ۶ اور بیہقی کی روایت نمبر ۹ ایک روایت ہے۔ ایک ہی سند ہے اور ایک ہی متن ہے۔ نیز سیرۃ ابن ہشام والی روایت نمبر ۲ اور ابن ابی ... [illegible]

روایت نمبر ۳ بھی درحقیقت ایک ہی روایت ہے۔ اس طرح کی مکررات کو حذف کرنے کے بعد کل سات روایات بنتی ہیں۔ جن میں سے کوئی ایک روایت بھی قانون روایت کے مطابق صحیح و متصل و مرفوع ہونا تو درکنار کوئی ایک روایت حسن کے درجہ کو بھی نہیں پہنچی کوئی مرسل، کوئی معضل کوئی ضعیف اور کوئی متروک ہے پھر کوئی راوی کذاب ہے کوئی لیس بشئی ہے کوئی منکر الحدیث ہے کوئی کذاب وافترا کن ہے اور کوئی ایسا ہے کہ بقول شعبہ زنا کر لینا اس سے روایت لینے سے اچھا ہے اب ایک طرف ایسی کل سات روایات ہیں اور دوسری طرف چھیاسٹھ روایات جن میں سے آٹھ صحیح السند ہیں۔

قارئین کرام!

خدا کو حاضر ناظر جان کر بتائیں کہ ترجیح کس روایت کو دی جائے گی؟ اعدلوا ھو اقرب للتقوی!

ع بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

اس اجمال کی تفصیل بیان کرنے سے قبل مولوی محمد نافع صاحب کی روش ورفتار پر تبصرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ میں قارئین کرام سے خدا اور رسول کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتائیں کہ مولوی صاحب نے جس بے لاگ تحقیق کا دعویٰ کر کے اس حدیث ثقلین پر جرح وتنقید کے تیر برسائے تھے۔ جو خود ان کے قول کے مطابق ۶۶ عدد اسانید سے ۳۸ عدد کتابوں میں مذکور ہے۔ (حالانکہ فی الواقع دونوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے) تو کیا ان کا یہ فرض نہیں تھا کہ جب وہ اپنی پسندیدہ حدیث (قرآن وسنت) پر پہنچے تھے تو وہ وہاں بھی سابقہ قاعدہ جرح وتعدیل کے مطابق اس کی اسانید پر بھی بحث وتنقید کرتے۔ مجھے یقین ہے کہ باانصاف ناظرین اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں دیں گے۔ کہ ہاں ان کا فرض منصبی یہی تھا۔ کہ وہ ایسا ہی کرتے اور اگر وہ ایسا کرتے تو شاید ہم ان کو اس تحقیق و

تدقیق میں مخلص و محقق سمجھتے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ مشہور حدیث ثقلین پر تو اپنے رسالہ کی ابتدا سے لیکر ص ۲۲۰ تک تنقید شدید کے تیرونشتر چلاتے گئے ہیں اور جائز و ناجائز ایراد کرتے رہے ہیں۔ مگر جب اپنی پسندیدہ حدیث پر پہنچتے ہیں تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے نہ کوئی جرح نہ کوئی تنقید نہ کوئی بحث نہ کوئی تمحیص۔ بلکہ بلا تنقید و تبصرہ بلکہ بلا سند صرف آٹھ صفحوں میں (از ص ۱۳۷ تا ص ۲۴۲) بارہ عدد روایات (جو دراصل سات ہیں) ذکر کر کے اور چپکے سے اپنا دامن بچا کر اور اس اعتراض پر کہ "ان روایات کی صحت اسناد کی طرف کیوں التفات نہیں کیا گیا۔ اس کے جواب میں بموجب عذر گناہ بدتر از گناہ صرف یہ کہہ کر کہ جس روایت کا مفہوم و مضمون نص قرآنی میں موجود ہے اس کے اسناد کی بحث نہ بھی کی جائے تو بھی وہ روایت قابل قبول ہوتی ہے۔ (ص ۲۴۸) اپنا دامن چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مشہور بلکہ متواتر حدیث ثقلین قرآن کے خلاف ہے (معاذ اللہ) اگر مؤلف کی نظر میں یہ بات اسی طرح ہے۔ تو پھر اسکی تنقید میں اپنے نامہ اعمال کی طرح ۲۲۰ صفحات سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی صرف یہ کہہ دیتے کہ اس حدیث کا مضمون چونکہ نص قرآن کے خلاف ہے لہٰذا یہ قابل قبول نہیں ہے اور پھر یہ دعویٰ ثابت کر دیتے تو بات ختم ہو جاتی۔ مگر وہاں ایسا نہ کہا اور بھلا کہہ بھی کس طرح سکتے تھے جبکہ وہ حدیث آیت اطاعت اولی الامر اور آیت کونو مع الصادقین اور دسیوں دیگر آیات قرآنی کے مضمون کے عین مطابق ہے) اور پھر یہاں ایسا بودہ تار عنکبوت سے زیادہ کمزور چیز کا سہارا لینا بتاتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے!

ع۔ کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

انکی یہ روش و رفتار بتاتی ہے کہ ان کا مقصد تحقیق حق کرنا نہیں ہے بلکہ عداوت آل محمد میں اندھا ہو کر ان کے فضائل میں سے نہ صرف مسلمہ مناقب کا بلکہ ان کے نصوص خلافت و امامت کا انکار کرنا ہے، بس اس سلسلہ میں موصوف نے ایک اور عذر؟ بارو بھی پیش کیا ہے۔ عنوان تنبیہ روایت کتاب اللہ وسنتی" کے بارے میں لکھتے ہیں "اس پر بعض لوگوں کو یہ وہم پیدا

ہوا کہ کتاب اللہ وسنتی کی پیش کردہ سب روایات ضعیف ومتروک ہیں بلکہ بعض موضوع ہیں''
اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

حالانکہ یہ بات درست نہیں اور علماء کے بیان کردہ قواعد کے خلاف ہے''۔

پہلے اور دوسرے ایڈیشن کی بارہ روایات کو ملا کر بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں اب سابقہ اور مذکورہ بالا حضرات کی روایات کو ملا کر نظر کی جائے تو اس روایت کے نقل کرنے والے کبار علماء کا ایک جم غفیر ہے'' پھر خطیب بغدادی کی کتاب الفقیہ والمتفقہ اور جصاص کی احکام القرآن اور سیوطی کی تدریب الراوی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس روایت کو امت کی تلقی بالقبول حاصل ہو۔ تو اس کے صدق کے ساتھ یقین کیا جاتا ہے اور وہ روایت امت کی تلقی کے بعد طلب اسناد کی محتاج نہیں رہتی (حدیث ثقلین ص ۱۴۹) موصوف نے ان روایات کی سندی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی اس ناکام کوشش میں یہ بھی نہ سوچا کہ وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ سب ان کے برخلاف منتج ہو رہا ہے اگر آپ کی یہ بات صحیح ہے۔ کہ جس روایت کو علماء کبار کا جم غفیر نقل کرے اور جس روایت کو امت کی تلقی بالقبول حاصل ہو وہ یقینی الصدق ہوتی ہے۔ اور طلب اسناد کی محتاج نہیں ہوتی'' تو ہم مولوی نافع صاحب اور ان کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ حضرات کو قرآن وسنت کا واسطہ بلکہ خود خدا اور رسول کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ وہ سچ بتائیں کہ جس حدیث کو چھیاسٹھ عدد علماء نقل کریں وہ جم غفیر ہے (جن میں مؤلف کے بارہ تیرہ عدد علماء بھی شامل ہیں) یا جسے صرف بارہ تیرہ علماء نقل کریں وہ جم غفیر ہے؟ نیز جس روایت کو قرن اول سے لیکر اس پندرھویں صدی تک ہر مذہب ومسلک کے سینکڑوں علماء کرام نقل کریں۔ اسے امت کی تلقی بالقبول حاصل ہوگی۔ یا جسے صرف معدودے چند علماء (اور وہ بھی صرف ایک مذہب کے) نقل کریں اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہوگا؟ مالکم کیف تحکمون؟ پھر اس حدیث کے اسانید پر کیوں تنقید کی ہے جسے صحیح معنوں میں جم غفیر نے نقل کیا ہے اور جسے تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے؟

مؤلف کا یہ سب عذر بہانے پیش کر کے روایات کتاب وسنت کے اسانید پر تنقید کرنے سے پہلو تہی کرنا اور اس وادئ پر خار میں قدم رکھنے سے دامن بچانا معمولی عقل وخرد رکھنے والوں کے لئے بھی یہ سمجھنے کے لئے کافی ووافی ہے کہ

ع۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

لیجئے مؤلف کے اس پردہ کی پردہ دری کی خدمت کا فریضہ ہم ادا کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ

ع۔ بلائیں زلف جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

مؤلف کی پیش کردہ روایت کا علمی پوسٹ مارٹم

مؤلف کی پیش کردہ بارہ روایات (جو دراصل سات ہیں) کی روایتی اصل حقیقت درج ذیل ہے۔

ا۔ پہلی روایت موطائے مالک سے منقول ہے۔ اور وہ یوں ہے۔ "قال مالک انه بلغه ان رسول اللہؐ قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنته نبیه" یہ روایت سرے سے مرسل ہے۔ نامعلوم اسناد سے کتنے راوی غائب ہیں۔ اور اگر صحابی کی مرسل مقبول بھی ہو تو بھی تابعین کی مراسیل میں تو اختلاف ہے۔ اور مالک تو تبع تابعین میں سے ہیں۔۔۔ لہٰذا ان کی مرسل قابل قبول نہیں ہے جیسا کہ مسلم مع شرح نووی ج ا ص ۲۲ طبع دہلی پر لکھا ہے۔ "والمرسل من الروایات فی اصل قولنا و قول اهل العلم بالاخبار لیس بحجة" یہاں ایک علمی طریقہ نقل کرنا لطف سے خالی نہیں ہے کہ مولوی محمد نافع صاحب نے اس روایت سے ارسال کا دھبہ دور کرنے کے لئے لکھا ہے کہ مالک کی اس مرسل روایت کو حافظ ابن عبدالبر نے مرفوع شکل میں نقل کیا ہے۔ جو اس طرح ہے" عن کثیر بن عبدالله عن عمرو بن عوف عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة نبیه (کتاب التمهید جلد ۶ ص ۳۵۱)

اس روایت میں کثیر بن عبداللہ موجود ہے اس کے متعلق علامہ سیوطی نے اپنی کتاب اللئالی المصنوعہ ص ۲۳۶ میں لکھا ہے کہ کثیر بن عبداللہ کذاب ہے اور پھر ابن حبان کا قول لکھا ہے کہ "له عن ابيه عن جده نسخة موضوعه" یعنی وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہوئے ایک نسخہ موضوعہ (جھوٹی کتاب) رکھتا ہے۔ اب پتہ چلا کہ جو روایت مرسل تھی۔ وہ در اصل اسی نسخہ موضوعہ کی ایک کڑی ہے۔ یعنی یہ روایت موضوع اور خانہ ساز ہے۔ اس پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ۔

ذهب الحمار ليستفيد لنفسه

قرنا فآب و ماله اذنان

۲۔ دوسری روایت سیرۃ ابن ہشام کی ہے۔ جسے مؤلف نے مرسلاً ابی سعید خدری سے نقل کیا ہے۔ بلکہ وہ اصل مدرک و ماخذ میں بھی سند کے بغیر ہے۔ ہم ابھی مسلم مع شرح نووی سے پیش کر چکے ہیں کہ مرسل روایت حجت نہیں ہوتی ہے جب سند سامنے ہی نہیں تو کس طرح فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسکے راوی کس قسم کے ہیں؟ سچ ہے۔

و كم قدراينا من فروع كثيرة

تموت اذالم تحيهن اصول

الغرض یہ روایت مردود اور ناقابل استدلال ہے۔

۳۔ تیسری روایت صواعق محرقہ ص ۷۵ اور اس میں بحوالہ ابن ابی الدنیا ابی سعید خدری سے نقل کی گئی ہے۔ یہ روایت بھی بے سند ہے اس پر ہمارا وہی تبصرہ ہے جو پہلی اور دوسری روایت پر کیا ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی ناقابل قبول ہے بلکہ یہ دوسری اور تیسری روایت در اصل ایک ہی روایت ہے۔ جو ابو سعید خدری سے مروی ہے اور مرسل و مقطوع السند ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

۴۔ چوتھی روایت ابن جریر طبری سے باسناد خود نقل کی ہے" (تاریخ الامم والملوک ج ۳ ص ۱۶۹) اگرچہ مؤلف نے اپنے رسالہ میں اس کی سند نقل نہیں کی۔ (اسکی مصلحت وہ خود ہی

بہتر جانتے ہیں) مگر اصل کتاب طبری میں جو سند دستیاب ہوئی ہے۔ وہ اس طرح ہے "حدثنا **ابن حمید قال حدثنا سلمه عن ابن اسحاق عن عبدالله بن ابی نجیح** "اس سلسلہ سند کے رجال کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں۔ پہلا راوی ابن حمید ہے۔ اسے ذہبی نے کذاب لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۳۰) دوسرا راوی سلمہ بن الفضل ہے اسے ذہبی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ص ۱۹۲) تیسرا راوی ابن اسحاق ہے یعنی محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۶۹)" انصاف فرمایئے ان تفصیلات کے بعد اس روایت کے ناقابل قبول ہونے میں کوئی اشتباہ باقی رہ جاتا ہے؟ (یہ ہیں مؤلف کے وہ الفاظ جو انہوں نے مسند بزاز کی دوسری روایت ثقلین پر جرح کرتے ہوئے ص ۹۰ پر لکھے ہیں سچ ہے۔

ع۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

۵۔ پانچویں روایت محدث دار قطنی نے باسناد خود اپنے سنن ص ۵۲۹ طبع انصاری دہلی میں نقل کی ہے۔ اگر چہ مؤلف نے اسکی سند بھی درج نہیں کی مگر اصل کتاب میں جو سند ملی ہے وہ یوں ہے۔

"حدثنا ابوبکر الشافعی حدثنا ابو قبیصه محمد بن عبدالرحمن بن عماره بن القعقاع حدثنا داؤد بن عمر و حدثنا صالح بن موسی عن عبدالعزیز بن رفیع عن ابی صالح عن ابی هریرة الخ۔۔

ہم نے کئی بار کہا ہے کہ مؤلف کی اس سلسلہ میں یہ پانچویں روایت اور بحوالہ ابوالنصر السنجری کنز العمال ج ۱ ص ۴۸ طبع حیدر آباد والی آٹھویں روایت ۸ اور سنن کبری بیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۴ طبع حیدر آباد والی دسویں روایت ۱۰ اور مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۳ والی بارہویں روایت ۱۲ در حقیقت ایک ہی روایت ہے جو بروایت ابی صالح ابوھریرہ سے مروی ہے دار قطنی کا اسناد آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ آخر میں عن ابی صالح عن ابی ھریرہ' پر روایت ختم ہوتی ہے۔ یہی کیفیت سنن بیہقی اور یہی نوعیت مستدرک حاکم کے سلسلہ سند کی ہے۔ سب میں یہی عن ابی صالح عن ابی

ھریرہ موجود ہے اور کنز العمال میں ۲۱ روایت کی سند نقل کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے

"غریب جدا"۔۔ تمام رجال سند پر تنقید کرنے کی بجائے بنظر اختصار و بطور نمونہ مشتے از خروارے آیئے اس سلسلہ ہائے سند کے ایک مشترکہ راوی صالح ابن موسی طلحی پر فن رجال کے ضابطہ کے مطابق نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ کیسا تھا؟ ایک دانے سے اس پورے انبار کا پتہ چل جائے گا۔ کیونکہ تمام سندوں کا دارمدار اسی صالح بن موسی طلحی پر ہے۔

چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال ج ص ۳۰۲ پر لکھتے ہیں "ضعیف یروی عن عبدالعزیز بن رفیع قال یحی لیس بشئی ولا یکتب حدیثه. و قال البخاری منکر الحدیث و قال النسائی متروک الخ۔۔۔ یعنی یہ ضعیف ہے جو عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کرتا ہے۔ یحی بن معین کہتے ہیں کہ یہ لیس بشئی ہے (کچھ بھی نہیں ہے) اس کی حدیث نہ لکھی جائے بخاری کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے اور نسائی نے کہا ہے یہ متروک ہے"۔۔ اب اہل انصاف انصاف فرمائیں کہ جس روایت کے ناقل اسے "غریب جدا" کہیں اور اس کے راویوں کو ناقدین رجال ضعیف 'لیس بشئی' منکر الحدیث اور متروک قرار دیں۔ ایسی مردود مطرود روایت بھی آنکھیں بند کر کے قبول کی جاسکتی ہے؟ اور وہ بھی اس حدیث ثقلین کے مقابلہ میں جسکے تواتر کا دعویٰ اکابر علماء کر رہے ہیں اور جسکی صحت اسانید سے کتب فریقین چھلک رہے ہیں۔ لا واللہ ایسا کرنا قانوناً شرعاً اور اخلاقاً ہرگز روا نہیں ہے یہ علمی دھاندلی ہے جو مباح نہیں ہے۔

۶۔ مستدرک حاکم ج ا ص ۹۳ طبع دکن ابن عباس سے منقول ہے ہم کئی بار کہہ چکے ہیں کہ مؤلف کی پیش کردہ روایات میں سے مستدرک والی روایت نمبر ۶ اور سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۴ طبع دکن والی روایت نمبر ۹ دراصل ایک روایت ہے۔ اگرچہ مؤلف نے اس کے سلسلۂ سند کو نامعلوم مصلحت کے تحت درج نہیں کیا۔ مگر وہ اصل کتاب میں دیکھ لیا گیا ہے۔ تقریباً ایک جیسا ہے۔ دونوں میں "ابن ابی اویس" موجود ہے۔ اور دونوں کا دارومدار عکرمہ از عبداللہ بن عباس پر ہے۔ اور یہ دونوں سخت مجروح ہیں ابن ابی اویس کا نام اسماعیل اور باپ کا نام عبداللہ ہے۔ اس کے متعلق علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال ج ا ص ۲۳۵ پر "متروک" لکھا ہے اور اس کے باپ

ابواویس عبداللہ کا ضعیف ہونا بھی مسلم ہے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۵۰)
اور جہاں تک عکرمہ کا تعلق ہے تو وہ بالاتفاق تمام ارباب سیر وتواریخ خارجی اور ناصبی تھا یعنی پکا دشمن اہلبیت تھا۔ اس کے علاوہ وہ کذاب ووضاع اور مفتری تھا۔ (ملاحظہ ہو معجم الادباء ج ۲ ص ۸۳ طبع مصر۔ وفیات الاعیان ابن خلکان ج ۱ ص ۳۴۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اسی کذاب ووضاع کے دست افتراء کی اختراع ہے۔ اور بالکل مجروح ومقدوح ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

۷۔ یہ روایت ابونعیم اصفہانی کی کتاب اخبار اصفہان ج ص ۱۰۳ سے بروایت انس بن مالک مروی ہے اگرچہ مؤلف نے اپنی کسی مخصوص مصلحت کے تحت اس کی سند بھی درج نہیں کی۔ مگر اصل کتاب دیکھنے سے جو سند سامنے آئی ہے وہ یوں ہے "حدثنا عبدالله بن محمدثنا ابن الخطاب ثنا طالوت بن عبادثنا هشام بن سليمان عن يزيد الرقاشي عن ابن مالک۔۔ اس کے سلسلہ رواۃ میں سے بنظر اختصار صرف ایک راوی یزید الرقاشی کے احوال پر تبصرہ کیا جاتا ہے اور ذیل میں اس کے بارے میں اس فن کے ماہرین کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ قال احمد بن حنبل كان يزيد منكر الحديث قال النسائى وغيره متروک قال شعبه لان ازنى احب الیٰ من ان احدث عن يزيد الرقاشي۔ یعنی امام احمد فرماتے ہیں کہ یزید منکر الحدیث ہے نسائی وغیرہ کہتے ہیں متروک ہے اور جناب شعبہ یہ فتوی صادر کرتے ہیں کہ میرے لئے یزید رقاشی سے روایت کرنے سے زنا کرنا بہتر ہے" (اناللہ و انا الیہ راجعون) (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۱۸) اب قارئین پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی۔ کہ مولوی صاحب اس روایت کے راویوں کو زیر بحث لانے سے کیوں شرمارہے تھے اور کیوں کنی کترا رہے تھے۔ اور مختلف حیلے بہانے کر کے کیوں ٹال رہے تھے؟ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اس سلسلہ میں ایسے مقدس رجال بھی موجود ہیں کہ جن سے روایت نقل کرنے سے زنا کرنا بہتر ہے۔ بھلا جس روایت کے راوی ایسے حضرات ہوں۔ اب اس روایت کی علمی اور فنی

پوزیشن بھی کسی وضاحت کی محتاج رہ جاتی ہے؟

ع۔ آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است

ایسی روایات تو فی حد ذاتہ حجت اور سند نہیں ہوتیں چہ جائیکہ انہیں صحیح السند بلکہ متواتر حدیث کے مقابلہ میں پیش کر کے ترجیح دی جائے۔

۱۱۔ یہ روایت ابن عبدالبر کی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۱۰ طبع مصر سے لی گئی ہے اگرچہ مؤلف نے سارا سلسلہ سند نقل نہیں کیا۔ مگر اس کی سند اصل ماخذ میں دیکھ لی گئی ہے۔ جو اس طرح ہے۔ ''اخبرنا عبدالوارث ابن سفیان قال حدثنا قاسم بن اصبغ قال حدثنا عبدالله بن عمرو بن محمد العثمانی بالمدینة قال حدثنا عبدالله بن سلمه قال حدثنا کثیر بن عبدالله بن عمرو بن عوف عن ابیه عن جده عن النبیؐ انه قال الخ۔۔ پورے رجال سند پر جرح کرنے کی بجائے صرف ایک باپ بیٹے پر جرح کرنے سے روایت کی اصل حقیقت قارئین کرام پر واضح ہو جائے گی۔ اور وہ راوی کثیر بن عبداللہ کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل کی آراء ملاحظہ ہوں۔

قال الشافعی و ابوداؤد رکن من ارکان الکذب قال بن حبان له عن ابیه عن جده نسخة موضوعة شافعی اور ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کے پاس باپ دادا کی روایت سے ایک موضوع نسخہ (جعلی کتاب) ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۴۰۷، ۴۰۸، طبع مصر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اسی نسخہ موضوعہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کثیر کے والد عبداللہ بن عمرو کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔ ماروی عنه الا ابنه کثیر کہ اس سے سوائے اس کے بیٹے کثیر کے اور کوئی راوی روایت نہیں کرتا یعنی مجہول الحال ہے۔ (ج ۲ ص ۴۶۸) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے محقق باری جناب مولانا سید لعل شاہ بخاری نے اپنے بعض رسائل میں بڑے

رواۃ غیر معروف العدالہ روایت پھر بھی مقبول'' یہ مولانا نافع کی کرامت ہی کہہ سکتے ہیں''۔ یہ ہے مولوی محمد نافع صاحب کا وہ علمی شاہکار رسالہ حدیث ثقلین جو بقول افغانی صاحب، اپنے موضوع پر بے مثال ہے'' اور بقول چوکیروی صاحب کے ''علمی تحقیقات کے میدان میں گرانقدر اضافہ ہے، اور بقول سیالکوٹی صاحب، اس عظیم خدمت سے عہدہ برآ ہونا صرف مولانا موصوف ہی کا حصہ تھا'' اس سے انکی دوسری تالیفات کا علمی مقام ومرتبہ بھی واضح وعیاں ہو جاتا ہے۔

ع۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزء میں کل

کھیل بچوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

یہ ہے ان لوگوں کی مایہ ناز روایت کی حقیقت جسکے چرچے مدت سے سن رہے تھے۔ اور جسے حدیث ثقلین جیسی مشہور ومسلم بلکہ متواتر حدیث کے بالمقابل لا کر مقدم ومرجح سمجھا جاتا تھا۔ اب پتہ چلا کہ اس کے راوی ایسے بزرگ ہیں بقول اہلسنت کے نقادان فن کے ان سے روایت نقل کرنے سے زنا کر لینا بہتر ہے۔

ع۔ یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا

شرم شرم شرم

مولوی صاحب

ع۔ نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے

نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

میں سمجھتا ہوں کہ یہ حق اور اہل حق پر طعن وتشنیع کرنے کی قدرتی سزا ہے

سچ ہے کہ

ع۔ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد

میلش اندر طعنۂ پاکان زند

یہاں اگر کوئی منکر حدیث یہ سوال کرے کہ آپ نے سنت کے ساتھ تمسک کے لزوم پر جو روایات پیش کی ہیں وہ سب کذاب و وضاع اور منکر الحدیث راویوں کی ساختہ و پرداختہ ہیں اس لئے وہ نا قابل اعتبار ہیں اور وہ حدیث ثقلین جس کے راویوں پر آپ نے جرح وقدح کی ہے عام کتب احادیث اس کی روایات سے چھلک رہی ہیں وہ بھی نا قابل اعتماد۔ تو پھر کس طرح تمسک بالسنہ کیا جائے؟ تو مولوی نافع صاحب اس سوال کا کیا جواب دیں گے؟ کذالک نفصل اللآیات لقوم یتفکرون؟

حدیث کے متن و مفہوم پر مولف رسالہ کے کیے گئے بعض ایرادات کے جوابات

جناب مولوی محمد نافع صاحب چونکہ یہ عزم بالجزم کر کے اور کمر کس کے میدان میں اترے ہیں۔ کہ خاندان رسالت کی مسلمہ فضیلت کو جو حدیث ثقلین کی شکل میں موجود ہے۔ اسے ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ مگر

ع۔ وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

اس لئے انہوں نے پہلے تو ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار کر اس کے اسانید پر اپنے ترکش کے سارے تیر چلائے جب ان کے سارے تیر ختم ہو گئے اور چند اسناد پھر بھی سلامت بچ گئے جن کے متعلق انکو طوعا کرھا تسلیم کرنا پڑا کہ "سب سے زیادہ صحیح اور متصل اسناد مسلم کا ہے"۔ (اس سے معلوم ہوا کہ صحیح اسناد اور بھی ہیں مگر سب سے زیادہ صحیح اسناد مسلم کا ہے) اور مسند احمد کی روایات میں سے ہشتم روایت کا اور دارمی کا اسناد بھی بالکل صحیح و متصل ہے (حدیث ثقلین ص ۲۷) مگر تعصب و عداوت اہلبیت نے ان کو یہاں بھی چین سے فارغ نہ بیٹھنے دیا اس لئے اس کے متن و معنی میں بے جا تحریف و تنقید شروع کر دی ہم پہلے مسلم شریف کی طویل حدیث میں حدیث ثقلین کا اصل متن نقل کرتے ہیں پھر اس پر مؤلف کی تنقید مختصر انقل کریں گے اور پھر

اپنا مختصر جواب پیش کریں گے۔ جس سے مطلع بے غبار ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

''انا تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیه الھدی و النور فخذوا بکتاب اللہ و استمسکوا به فحث علی کتاب اللہ و رغب فیه ثم قال و اھلبیتی اذکر کم اللہ فی اھلبیتی اذکر کم اللہ فی اھلبیتی اذکر کم اللہ فی اھلبیتی'' (مسلم ج ۲ ص ۲۷۹ طبع نور محمد دہلوی)

(نوٹ) مسند امام احمد کی روایت ہشتم اور مسند دارمی کے الفاظ بھی اس کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ مگر مسند کی روایت میں ''ثم'' ۔۔۔۔۔ نہیں ہے فراجع

پہلا ایراد اور اس کا جواب اس پر مؤلف کی تنقید کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت میں ثقلین (دو بھاری چیزیں) کے بعد اولھما کتاب اللہ کا ذکر صریحاً کر دیا ہے۔ اور ثانیھما کا تذکرہ تصریحاً نہیں کیا گیا کہ دوسری کیا چیز ہے؟

۲۔ ادھر اھلبیت کے ساتھ یہ الفاظ جن سے ان کا مدار دین ہونا ثابت ہو سکے اور واجب الاطاعہ ہونا معلوم ہو سکے نہیں ذکر کیے گئے۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

۳۔ روایت ہذا میں ''ثم قال'' کے الفاظ اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ ثقلین میں دوسری چیز اہلبیت نہیں ہے عربی زبان میں ثم تراخی مضمون کے لئے آیا کرتا ہے۔ اس سے قبل کچھ اور مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔۔۔ ثم قال کے الفاظ کہہ کر اب اہل بیت کا نیا مضمون شروع کر دیا۔

۴۔ زید بن ارقم نے حدیث بیان کرنے سے قبل ایک معقول معذرت کی ہے۔ عمر رسیدہ ہو گیا ہوں۔ بعض چیزیں فراموش ہو چکی ہیں۔ (یعنی ثقل ثانی بیان کرنا بھول گئے) آخر میں اس ساری بحث سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ''ان قرائن وشواہد کی بنا پر یقیناً کہا جا سکتا ہے۔ کہ ثقلین میں سے ثانی چیز اہلبیت نہیں ہے۔ بلکہ جمہور علماء کے نزدیک وہ ثانی چیز سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ہے''۔

(یہ ہے اس طویل و عریض تنقید کا خلاصہ جو کہ بذیل حدیث مسلم مؤلف نے کی ہے)
(ملاحظہ ہو رسالہ حدیث ثقلین ص ۷۷ وغیرہ) اسے کہتے ہیں۔ رجم بالغیب) اللہ کے اس بندے سے کوئی پوچھے کہ آپ کو کس نے بتایا کہ زید بن ارقم ثقل ثانی بیان کرنا بھول گئے؟ اور اگر بالفرض وہ بھول گئے تھے۔ تو آپ کو یہ کس نے وحی کی ہے کہ وہ ثقل ثانی سنت نبوی ہے؟

سرّ خدا کہ عارف سالک بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

آیا آپ اپنے پورے دفتر احادیث میں سے کوئی ایسی روایت پیش کر سکتے ہیں۔ جسمیں "ثانیھما سنتی" وارد ہو؟ ہم قبل ازیں بتا چکے ہیں۔ کہ جن بعض روایات میں کتاب و سنت کے الفاظ وارد ہیں۔ ان میں ثقلین کا لفظ موجود نہیں ہے۔ یہ لفظ صرف انہی احادیث میں وارد ہے۔ جن میں کتاب اللہ و عترتی موجود ہے۔ یا آپ محدثین یا شارحین مسلم میں سے کسی ایسے محدث و شارح کا قول پیش کر سکتے ہیں۔ جس نے یہاں دوسرے ثقل سے سنت رسول مراد لی ہو؟ یہ ٹھیک ہے کہ "ثم تراخی" کیلئے آتا ہے۔ مگر اس سے آپ نے یہ کس طرح اندازہ لگایا کہ پہلے کوئی اور مضمون بیان کیا جا رہا ہے۔ جسے راوی نے حذف کر دیا۔ پھر نیا مضمون شروع کر دیا" جب روایت میں صراحت موجود ہے۔ کہ آنحضرت نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کے متعلق ترغیب و تذکیر پر مشتمل ایک طویل تقریر فرمائی جس پر ظاہر ہے کہ کچھ وقت تو صرف ہو گیا ہوگا۔ پھر اس کے بعد اہلبیتؑ کا ذکر فرمایا۔ جسے راوی نے "ثم قال" کہہ کر ادا کیا۔ جو کہ محاورہ عرفی و عربی کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے آپ نے "ثم تراخی کے لئے ہے" پر تو نظر کی، مگر "ثم قال و اہلبیتی میں جو واو عاطفہ موجود ہے۔ اس پر توجہ نہیں فرمائی کہ وہ کس بات کی غمازی کر رہی ہے؟ اور کس بات کی شہادت دے رہی ہے؟ کہ اس کا معطوف علیہ اولھما کتاب اللہ ہے اور اس کا مطلب ہے وثانیھما اہلبیتی۔

اور اگر اس بیان سے تسلی نہ ہوئی ہو تو آیئے اپنے بعض علماء عظام کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں تا کہ اطمینان قلب حاصل ہو جائے یا کم از کم اتمام حجت تو ہو جائے۔ (۱) ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں " و اھلبیتی ای ثانیھما اھلبیتی " (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۷۶) (۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ پس فرمود آنحضرت دوم اہل بیت من اند" (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۷۷) یعنی حدیث ثقلین میں وارد شدہ لفظ " واہلبیتی " کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا ثقل میری اہلبیت ہے (۴) علامہ نووی نے شرح مسلم (ج ۲ ص ۲۲۹ میں) اور علامہ صدیق حسن خان نے السراج الوہاج ج ۲ ص ۴۶۷ میں لکھا ہے۔ قال العلماء سمیا ثقلین لعظمھما و کبر شانھما یعنی علما کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے قرآن وعترت کو ان کی عظمت و جلالت اور ان کے شان و مقام کی بڑائی و کبریائی کی وجہ سے ثقلین کہا ہے۔ (۵) اسی طرح مناوی نے فیض القدیر میں زید ابن ارقم کی اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے " واہلبیتی ای وثانیھما اہلبیتی " شارحین مسلم اور دیگر تمام علماء اہلسنت تو یہ کہتے ہیں کہ ثقلین قرآن و عترت ہیں۔ اور ثقل ثانی اہلبیت ہیں مگر مولوی محمد نافع صاحب اور ان کے پردہ پوش علماء یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ " ثقل ثانی " سنت نبوی ہے اب یہ فیصلہ اہل انصاف کا کام ہے کہ ان بزرگ علماء و فضلاء کی تحقیق صحیح ہے یا مولوی محمد نافع صاحب کی تشریح صحیح؟ ظاہر ہے کہ ان اعلام کے بالمقابل مولوی موصوف اور انکی رائے کا کیا مقام ہے؟

ع۔ بس ایک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذباً اس کے علاوہ مؤلف نے اپنے رسالہ کے مختلف مقامات پر چھوٹے بڑے چند ایرادات کئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان کا تتبع کر کے ان پر بھی مناسب نقد و تبصرہ کر دیا جائے۔

۲۔ دوسرا ایراد اور اس کا جواب مؤلف کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ محقق جلیل علامہ میر سید حامد حسین نے عبقات الانوار میں اور حضرت مولانا حافظ علی محمد صاحب مرحوم اور فاضل محقق

مولانا امیر الدین صاحب مغفور اور دیگر شیعی علماء کرامؒ نے حدیث ثقلین کو معیار حق و باطل اور اسلام کی چکی کا محور و مرکز کیوں قرار دیا (ص ۳۸، ۴۰) اس ایراد کا جواب واضح ہے کہ یہ کارروائی علماء شیعہ نے اپنی طرف سے نہیں کہ بلکہ خود بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم پروردگار حق و باطل کا معیار اور ہدایت و گمراہی کا دارمدار اور جنت و نار کا انحصار قرآن و عترت کی اطاعت و اتباع اور عدم اطاعت کو قرار دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بڑے بڑے متعصب علماء اہلسنت بھی اس کا انکار نہیں کر سکے بلکہ وہ بھی انہی دو چیزوں کو معیار حق و باطل قرار دینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز دہلوی جیسا متعصب مناظر اہلسنت لکھتا ہے:

”باید دانست که باتفاق شیعه و سنی ایں حدیث ثابت است که پیغمبر فرمودانی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الآخر کتاب الله و عترتی پس معلوم شد که در مقدمات دینی و احکام شرعی مارا پیغمبر حواله بایں دو چیز عظیم القدر فرموده پس مذہبے که مخالف ایں دو باشد در امور شرعیه عقیدةً وعملاً باطل و نامعتبر است و ہر که انکار ایں دو بزرگ نماید گمراه کافر و خارج از دین است (تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۳۰ طبع لکھنو) اسی طرح اور بھی بہت سے علماء کرام نے قرآن و عترت کی اتباع و عدم اتباع کو حق و باطل کا معیار قرار دیا ہے۔“ وفیما ذکرناه کفایة لمن له ادنی درایة اسکی تفصیل ہماری کتاب تحقیقات الفریقین میں گذر چکی ہے۔

۳۔ تیسرا ایراد اور اسکا جواب (الف) اس سے مراد بارہ امام کیوں ہیں؟ (ب) ازواج کیوں خارج ہیں؟ (ج) اگر صرف بارہ مراد لئے جائیں تو حضرت فاطمہؑ بھی خارج ہو جائیگی۔ (د) اگر صرف اولاد مراد ہے تو پھر جتنی اولاد ہوگی۔ سب واجب الاطاعت ہوگی۔ ایک قول کے تحت امام حسنؑ کے آٹھ صاحبزادے ہیں۔ اور امام حسینؑ کے چھ الخ۔۔۔ بہر حال اس بارہ کے عدد کی تخصیص و تعیین کے لئے کونسی نص قطعی موجود ہے؟“ (رسالہ حدیث ثقلین ص ۲۱۷، ۲۱۸) ا

ایراد کا جواب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ کہ قطع نظر اس مشہور بحث کہ لفظ "اہلبیت" میں ازدواج داخل ہیں یا نہ؟ حدیث ثقلین میں تو اس بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہاں تو اہلبیتی کیساتھ "عترتی" بھی موجود ہے۔ اور بالاتفاق ازواج النبی عترت النبی میں داخل نہیں ہیں۔ باقی رہی اقارب واولاد کی تعیم کی بحث کہ اس سے تمام رشتہ دار اور تمام اولاد مراد ہے۔ یا صرف مخصوص افراد؟ اگرچہ اس سے صرف مخصوص افراد یعنی حضرت علیؑ سے لیکر حضرت مہدیؑ تک بارہ امام مراد لینے کے علل واسباب تو بہت زیادہ ہیں۔ مگر ہم یہاں بنظر اختصار صرف دو وجوہ کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

وجہ اول: یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں قرآن مجید کی طرح عترت طاہرہ کے ساتھ تمسک کرنے اور ان کی اطاعت مطلقہ کو تمام امت پر واجب ولازم قرار دیا گیا ہے اور یہ بات عترت طاہرہ کی عصمت وطہارت کی ناقابل رد دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ پورے خاندان نبوت و رسالت میں بجز آئمہ اثنا عشر اور جناب خاتون قیامت سلام اللہ علیہا کے اور کوئی فرد معصوم ومطہر نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ حدیث آئمہ اہلبیت کی نص امامت وخلافت بھی ہے اور کوئی عورت (خواہ وہ جسقدر مرتبہ ومقام کی مالک ہو) جس طرح نبی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح وہ عہدہ خلافت وامامت پر بھی فائز نہیں ہوسکتی۔ اس لئے لامحالہ اس سے صرف دوازدہ آئمہ اہلبیتؑ ہی کو مراد لینا پڑے گا۔

وجہ دوم: یہ ہے کہ یہاں کچھ خصوصی روایات ہیں جن میں بالصراحت مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے حدیث ثقلین ارشاد فرمائی تو بعض صحابہ نے (حموینی نے حضرت عمر کا نام لکھا ہے) سوال کیا یا رسول اللہ۔ اس سے مراد آپ کے تمام اہلبیت ہیں؟ فرمایا (لا) نہیں۔ پھر یوں وضاحت فرمائی "ولكن اوصيائي منهم اولهم اخي و وزيري و وارثي و خليفتي في امتي و ولي كل مؤمن بعدي ثم ابني الحسن ثم ابني الحسين ثم تسعة من ولد الحسين واحد بعد واحد حتي يردوا علي الحوض شهداء الله في الارض علي

خلقه الخ۔۔ (فرائد السمطین علامہ حموینی۔ کذافی الاحتجاج للفاضل الطبرسی ص ۷۹) اب تو بموجب الصباح یغنی عن المصباح کسی اور ثبوت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ کیونکہ ماینطق عن الھوی کے مصداق نے ''اس حدیث میں وارد شدہ عترتی اھلبیتی'' کی خود اپنی زبان وحی ترجمان سے وضاحت فرمادی ہے فماذا بعد الحق الا الضلال۔

چوتھا ایراد اور اس کا جواب

''مدعیان حب اہلبیت اور ہمارے درمیان مابہ الاختلاف یہ چیز ہے کہ اہلبیت کی اطاعت وتابعداری قرآن مجید کی طرح واجب ولازم ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ روایت ھذا سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا دلیل ہذا سے اہلبیت کے حقوق کی رعایت اور احترام اور حسن سلوک تو ثابت ہوتا ہے۔ لیکن جو مدعا وجوب اطاعت ہے۔ وہ بالکل ثابت نہیں ہوتا۔ (رسالہ حدیث ثقلین ص ۷۹) پھر صفحہ ۲۱۲،۲۱۱ پر اس مفہوم پر مزید کچھ بودے ایرادات کیے ہیں مثلاً یہ کہ ''روایت ثقلین کا اگر یہ مفہوم صحیح ہے جو ان دوستون نے تجویز کیا ہے۔ تو پھر چند سوالات وارد ہوں گے

(۱) جب نبی کریم نے یہ فرمان جاری فرمایا تو اس وقت روایت ہذا کے خطاب انی تارک فیکم میں خود اہلبیت بھی۔ مخاطب ہیں یا نہ اگر ہیں تو پھر اتباع لنفسہ کا مطلب قابل وضاحت ہے؟ اگر نہیں تو ان پر کس کی اتباع واطاعت فرض ہے (۲) عم رسول عباسؓ وعقیلؓ برادر علیؑ نے ابوبکر کی اطاعت کر کے روایت ہذا کے فرمان کے خلاف کیوں عمل کیا؟ (۳) خود حضرت علیؑ نے آخر کار صدیق اکبر کی بیعت کر کے فرمان ہذا کو کیوں بھلا دیا؟ امام حسن وامام حسین نے معاویہ کی بیعت کیوں کی۔ محمد بن الحنفیہ نے امام زین العابدین کی امامت تسلیم کیوں نہ کی؟ زید نے حضرت امام محمد باقر کی امامت سے کیوں انکار کیا؟ محمد بن عبداللہ محض حسنی نے کیوں امام جعفر صادق کو امام تسلیم نہ کیا؟ و۔و۔و۔ (ص ۲۱۲)

اس ایراد کا جو کہ دراصل کئی ایرادات کا مجموعہ ہے جواب باصواب بالکل واضح وعیاں

لازم ہے جو قرآنی آیت اور متعدد نبوی روایات سے ثابت ہے۔ اور جس کی بروز قیامت باز پرس بھی ہوگی جیسا کہ خود مولف نے اپنی تائیدات میں اس کا اعتراف کیا ہے مگر حدیث ثقلین اس سے کچھ زیادہ کا تقاضا کرتی ہے۔ اور وہ قرآن کی طرح عترت اہلبیت کی اتباع واطاعت کا واجب ولازم ہونا ہے۔ اور اس حدیث کے جو معنی شیعیان علی نے کئے ہیں وہی معنی اکابر اعلام اہلسنت نے بھی بیان کئے ہیں اور ہر صحیح الدماغ، منصف المزاج، رمز شناس، عربیت شناس اور مزاج شناس رسول یہی معنی کرے گا۔ مؤلف صاحب چونکہ صرف مسلم شریف والی حدیث پر جمود کر بیٹھے ہیں۔ (یا دارمی اور مسند احمد کی ان روایات پر جن کے الفاظ مسلم کی روایات کی مانند ہیں) اس لئے ان کو اس مفہوم کے سمجھنے میں دشواری پیش آرہی ہے لیکن جیسا کہ ہم تحقیقات الفریقین میں ثابت کر آئے ہیں کہ یہ حدیث شریف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مقامات پر مختلف الفاظ وعبارات کے ساتھ ارشاد فرمائی ہے۔ اور یہ کہ اکثر طرق میں تمسک بالقرآن والعترۃ وارد ہے اور بعض میں اخذ بالقرآن والعترہ کا اور بعض میں اعتصام بالقرآن والعترہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور حدیث مسلم میں بھی جب ہم نے ثقل ثانی سے مراد عترت رسول کو ثابت کر دیا ہے تو اس سے بھی یہی مفہوم سمجھنے میں اب کوئی زیادہ الجھن نہ ہوگی۔ بہر حال علماء اسلام نے اس تمسک واخذ اور اعتصام کا جو مفہوم متعین کیا ہے۔ ذیل میں اسکی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔ فاضل طیبی نے کاشف شرح مشکوۃ میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھا ہے۔ و معنی التمسک بالقرآن العمل بمافیه و هو الاعتبار باوامره والانتهاء عن نواهیه والتمسک بالعتره محبتهم والا هتداء بهدیهم و سیرتهم (کذافی المرقاۃ شرح المشکوۃ)۔

(۲) علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں حدیث ثقلین کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

''الاتری انه علیه الصلوة والالسلام قرنهم بکتاب الله تعالی فی کون التمسک بهما منقذاً عن الضلالة ولا معنی للتمسک بالکتاب الا الا خذ بما

فیه من العلم و الهدایه فکذا فی العترة۔

(۳) شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں فانظروا کیف تخلفونی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ای بعد وفاتی انظر واعملکم بکتاب اللہ واتباعکم لاھلبیتی۔

(۴) زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں بذیل شرح حدیث الثقلین لکھتے ہیں۔ و فی ھذا مع قوله اولاً انی تارک فیکم تلویح بل تصریح بانهما کتوأ مین خلفهما و وصی امته بحسن معاملتهماو ایثار حقهما علی انفسهم والتمسک بهما فی الدین (کذافی الکاشف للطیبی فی شرح المشکوة و کذا فی المرقاة و کذا فی فیض القدیر فی شرح الجامع الصغیر للمناوی نقلاً عن العبقات) ان سب عبارات کا مطلب واضح وعیاں ہے کہ جوتمسک بالقرآن کا مطلب ہے وہی تمسک بالعترة کا مفہوم ہے یعنی یہ کہ دونوں کی تعلیمات پر عمل کرنا اوران کے اوامر ونواہی کے سامنے سرتسلیم خم کرنا ان کو دین کا مدرک و مآخذ اوراس میں حجت اور اتھارٹی جاننا، انکی اطاعت و پیروی کرنا اوران کے نقش قدم کو خضرراہ سمجھنا وبس

(۵) بعض طرق میں خودلفظ اتباع وارد ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع شاہ ولی اللہ دہلوی کی ازالہ الخفا اور ینابیع المودة میں بحوالہ۔۔۔ صواعق محرقہ مروی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا: ایها الناس انی تارک فیکم امرین لن تضلوا ان اتبعتمو هما کتاب اللّٰه واهلبیتی عترتی الخ۔۔۔ اس کے بعدتو اب کسی چوں وچراں کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی کہ پیغمبرؐ نے واشگاف الفاظ میں فرمادیا ہے کہ اگرقرآن وعترت کی اتباع یعنی پیروی وتابعداری کروگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے الحمدللہ علی وضوح الحق والحقیقہ۔ ان حقائق کے انکشاف کے بعد مولف کے تارعنکبوت سے بھی زیادہ کمزور دوسرے شبہات وسوالات میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟ کہ خود اہلبیت بھی اس خطاب کے مخاطب تھے یانہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ وہ اس کے

مخاطب نہیں ہیں جس طرح کہ قرآن مخاطب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جنکی گمراہی کا پیغمبر کو اندیشہ تھا۔ یہ بزرگوار صرف قرآن اور پیغمبر اسلام کی اتباع پر مامور تھے۔ اور جہاں تک جناب عباس وعقیل کے بیعت کرنے کا تعلق ہے تو یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت نہیں ہے خود جناب عمر نے سقیفائی کارروائی بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ بنی ہاشم ہمارے خلاف تھے (بخاری شریف) اور اگر کسی غیر معصوم شخص نے پیغمبر اسلامؐ کے اس ارشاد پر عمل نہیں کیا خواہ س کا تعلق جس خاندان سے ہو تو اس کے وزر و وبال کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ حضرت امیر علیہ لسلام کے کسی کی بیعت کرنے کا قصہ ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور امام حسنؑ کی مصالحت کو بیعت کا نام دینا مولوی صاحب کی جودت طبع کی جدت کے سوا کچھ نہیں ہے باقی غیر معصوم لوگوں کے عمل سے استدلال کرنا کہ فلاں سید زادہ نے امام زین العابدین کو امام نہیں جانا فلاں نے امام محمد باقرؑ کو امام تسلیم نہیں کیا اور فلاں نے امام جعفر صادقؑ کی بیعت نہیں کی یہ ستدلال یتیم العقل والعلم ہونے کی دلیل ہے اس سے اصل مقصد پر کوئی زد نہیں پڑتی یہاں وگوں کے ماننے یا نہ ماننے کا سوال نہیں۔ دیکھنا تو صرف یہ ہے کہ حضرت پیغمبر اسلامؐ نے کیا رمایا ہے۔ اور جب وہ ثابت ہوگیا ہے کہ انہوں نے قرآن وعترت یعنی آئمہ اہلبیت کی اتباع و طاعت کو واجب ولازم قرار دیا ہے تو اب جو بھی ان کو نہ مانے گا تو اسکی کوئی تاویل ہوسکی تو فبہا ورنہ ہم اسے مسترد کردیں گے کیونکہ ہم اصول پرست ہیں شخصیت پرست نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ اس سے سنت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اہلبیت کی اتباع خود قرآن وسنت نبی کی اتباع ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ قرآن وسنت کو عترت رسولؐ کے قول وفعل سے لیا جائے اور قرآن و سنت کی وہی توضیح وتشریح قابل قبول سمجھی جائے جو خاندان نبوت ورسالت بیان فرمائے وبس۔ ر قرآن وسنت سے تمسک صرف اس صورت میں ہوگا۔ کہ جب اہلبیت رسالتؐ کا دامن تھاما ائے گا۔ وہ یقیناً منصوص من اللہ ہیں اور حدیث ثقلین وغیرہ احادیث اس کی موئید ہیں۔ نیز س سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے۔ کہ قیام قیامت تک قرآن وعترت کا وجود حتمی ولازمی ہے اور

اگر کچھ وقت کے لئے کسی مصلحت ایزدی کے تحت وہ پردۂ غیبت میں تشریف لے جائیں تو اس سے زمین کا حجت خدا سے خالی ہونا لازم نہیں آتا۔ خصوصاً جبکہ ان کے نائب عمومی موجود و مشہود ہوں۔ کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے جس طرح نبی کی نبوت میں خلل نہیں پڑ سکتا اسی طرح کسی امام و وصی کی امامت و وصایت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔

ع۔ صدر ہر جا کہ بنشیند صدر است

کوئی مانے تو بھی امام امام ہے اور کوئی نہ مانے تو بھی امام امام ہے۔ وہ گھر کی چار دیواری میں بھی امام ہے اور تخت و تختہ پر بھی امام ہے۔ ہاں البتہ نور امامت کو دیکھنے اور اس کے فیوض و برکات سے استفادہ کرنے کے لئے دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔

ع۔ دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

سچ ہے و من لم یجعل اللہ بہ نوراً فمالہ من نور۔ الغرض

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

و قدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثورا قل یا ایھا الناس قد جاء کم الحق من ربکم فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ و من ضل فانما یضل علیھا و ما انا علیکم بوکیل والحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمدً والہ الطاھرین۔

وانا الاحقر محمد حسین النجفی

سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

۱۹ اپریل ۱۹۸۹ء بمطابق ماہ صیام ۱۴۰۹ھ

بوقت سوا پانچ بجے دن بروز بدھ

☆☆☆☆☆

اہل ایمان کیلئے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

۱۔ **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل ۱۰ جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباحات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے ہے۔

۲۔ **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصہ شہود پر آگئی ہے

۳۔ **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار وایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد واصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال وعبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے

۴۔ **اثبات الامامت** آئمہ اثناعشر کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن

۵۔ **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے

۶۔ **اصلاح الرسوم** کا نیا ایڈیشن عنقریب قوم کے پاس پہنچ رہا ہے۔

۷۔ **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصۃ التفسیر بہت جلد منصہ شہود پر جلوہ گر ہونے والا ہے جسکا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لئے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔

۸۔ **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ نویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

۹۔ **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن عنقریب بڑی شان وشکوہ کے ساتھ عرصہ وجود میں انشاء اللہ آرہا ہے۔

منجانب

منیجر مکتبۃ السبطین 296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا